الَّذِينَ آمَنُوا وَلَمْ يَلْبِسُوا إِيمَانَهُم بِظُلْمٍ
أُولَٰئِكَ لَهُمُ الْأَمْنُ وَهُم مُّهْتَدُونَ (سورة الانعام: 82)
جولوگ ایمان لائے اور پھر اپنے ایمان کو ظلم (یعنی شرک) کی ملاوٹ سے آلودہ نہیں ک
تو ایسے ہی لوگوں کے لیے امن ہے اور یہی لوگ ہدایت یافتہ ہیں
عقيدة التوحيد وبيان ما يضادها
من الشرك الأكبر والأصغر والتعطيل
والبدع وغير ذلك
www.KitaboSunnat.com
عقیدہ توحید
اور اس کے منافی امور
فضيلة الشيخ صالح بن فوزان الفوزان حفظه الله
مکتبہ احیاء منہج السلف، کراچی

﴿الَّذِينَ آمَنُوا وَلَمْ يَلْبِسُوا إِيمَانَهُمْ بِظُلْمٍ أُولَٰئِكَ لَهُمُ الْأَمْنُ وَهُمْ مُهْتَدُونَ﴾

(سورة الانعام: ٨٢)

(جو لوگ ایمان لائے اور پھر اپنے ایمان کو ظلم (یعنی شرک) کی ملاوٹ سے آلودہ نہیں کیا، تو ایسے ہی لوگوں کے لیے امن ہے اور یہی لوگ ہدایت یافتہ ہیں)

عقيدة التوحيد وبيان ما يضادها من الشرك الاكبر والاصغر والتعطيل والبدع وغير ذلك

عقیدۂ توحید اور اس کے منافی امور

فضیلۃ الشیخ صالح بن فوزان الفوزان حفظہ اللہ

مکتبہ احیاء منہج السلف، کراچی

www.manhajussalaf.com

نام کتاب : عقیدۂ توحید اور اس کے منافی امور

مؤلف : فضیلۃ الشیخ صالح بن فوزان الفوزان حفظہ اللہ

مترجمین : مولانا مختار احمد ندوی

نعمان بن محمد اسماعیل

طارق علی بروہی

نظر ثانی و تعلیقات : طارق علی بروہی

صفحات : ۳۲۳

ناشر : مکتبہ احیاء منہج السلف، کراچی

برائے رابطہ پی او باکس نمبر

ای میل: manhaj.as.salaf@gmail.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

عرضِ ناشر

مکتبہ احیاء منہج السلف عقیدۂ اہل سنت والجماعت و سلف صالحین پر خصوصی توجہ دیتا ہے، کیونکہ یہ مکتبہ کے بنیادی مقاصد میں سے ہے اور دین اسلام کی اصل بنیاد اسی عقیدے پر ہے اور عمل کی قبولیت کا دار و مدار بھی۔ اسی نہج پر چلتے ہوئے مکتبہ اس سے پہلے کتاب "مسلمانوں کی فلاح کا واحد راستہ سلفی منہج"، "اے داعیان اسلام! توحید سب سے پہلے" از علامہ محمد ناصر الدین البانی رحمہ اللہ، "توحید، عقیدہ و فقہ کا بنیادی علم" از شیخ یحییٰ بن علی الحجوری حفظہ اللہ، "دعوت الی اللہ میں انبیاء کرام علیہم السلام کے منہج کو اپنانا ہی عقل و حکمت کا تقاضہ ہے" از شیخ ربیع بن ہادی المدخلی حفظہ اللہ شائع کر چکا ہے۔

ویسے تو عقیدہ و توحید پر سلفی علماء کرام کی کافی تصنیفات موجود ہیں مگر اس کتاب کو بعض خصوصیات حاصل ہیں جیسے اس میں خصوصی طور پر عقیدے سے متعلق مختلف اصطلاحات جیسے توحید، ایمان، کفر، شرک، نفاق، فسق، جہالت وغیرہ کی صحیح و مختصر تعریفات بیان کی گئی ہیں جو ایک طرف تو سمجھنے اور یاد کرنے میں آسان ہے تو دوسری طرف انہیں دلائل و اصول کی روشنی میں راسخ کرنے کا سبب ہے۔ کیونکہ بہت سے لوگ انہی بنیادی اصطلاحات کی غلط تعریفات کرنے کی وجہ سے خود بھی گمراہ ہوتے ہیں اور دوسروں کی گمراہی کا بھی سبب بنتے ہیں۔ اس کے علاوہ اس کی خصوصیات میں سے یہ بھی ہے کہ اس میں عقیدے سے متعلق ہر موضوع کی جامع تفصیلات ہیں جیسے توحید، شرک، کفر، نفاق، فسق، بدعت وغیرہ کی اقسام اور ان کے احکام میں فرق۔ تاکہ ایک مسلمان خود اپنے عقیدے کے تعلق سے مکمل بصیرت پر رہنے کے ساتھ ساتھ کسی پر حکم لگانے میں اصولوں کا پاس کرتے ہوئے

محتاط روش اختیار کرے۔

پہلے یہ کتاب "کتاب التوحید" کے نام سے شائع ہوتی تھی جس میں ابتدائی دو اہم ترین ابواب نہیں تھے جو بعد میں اس میں شامل کیے گئے۔ اگرچہ اس کتاب کا اردو ترجمہ انڈیا میں پہلے شائع ہو چکا تھا مگر اس کی نظر ثانی کرتے ہوئے کچھ اغلاط کی تصحیح اور اردو کو مزید سہل و سلیس بنانے کے ساتھ ساتھ ضروری و مفید تعلیقات بھی شامل کی گئی ہیں تاکہ کوئی ابہام نہ رہے اور افادہ عام ہو جائے۔

ترجمے کی تصحیح کی مثال:

عربی انٹرنیٹ ایڈیشن جو شیخ صالح الفوزان حفظہ اللہ کی آفیشل ویب سائٹ سے حاصل کیا گیا ہے کے ص ۷۹ میں عملی ارتداد کی مثالیں بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں: "والحکم بغیر ما أنزل الله معتقدا حله" صحیح ترجمہ مکتبہ احیاء ص ۱۷۵ (اللہ تعالیٰ کی نازل شدہ شریعت کے علاوہ دوسرے قوانین کے مطابق فیصلہ دینا اس کی حلت (حلال ہونے) کا عقیدہ رکھتے ہوئے) جبکہ مولانا مختار احمد ندوی رحمہ اللہ نے یہ ترجمہ فرمایا تھا: (اللہ تعالیٰ کی نازل شدہ شریعت کے علاوہ دوسرے قوانین کے مطابق فیصلہ دینا اور شریعت کے علاوہ انسانی قانون کو ہی مسئلہ کا حل سمجھنا وغیرہ)۔ (دیکھیں کتاب التوحید ص ۵۵ ناشر مکتبہ السنہ، سولجر بازار، کراچی)۔

ضروری تعلیق کی مثال:

غیر شرعی قوانین کے نفاذ کے کفر اکبر ہونے کے بارے میں اختلاف اور شیخ فوزان حفظہ اللہ کے کلام کو تکفیریوں کا اپنے مذموم مقاصد کے استعمال کرنے کا رد خود شیخ فوزان کے اپنے بیان سے، دیکھیں ص ۲۱۲ کے بعد سے۔

ایک اور ضروری اضافہ جو اس کتاب میں کیا گیا ہے وہ یہ کہ دوسرے باب کی دو فصلیں "عمل وعبادت قبول ہونے کی شرائط" اور "دین کے مراتب: اسلام، ایمان واحسان" اگرچہ عربی کتاب کی فہرست میں موجود تھے مگر ان سے متعلقہ مواد کتاب میں مفقود تھا جس کا حصول کہیں سے ممکن نہ ہو پایا، لہذا ہم نے شیخ فوزان ﷾ کی دوسری کتب "اھمیة التوحید" اور "دروس من القرآن الکریم" سے ان کا اضافہ کیا ہے۔

اللہ تعالیٰ سے دعاء ہے کہ وہ اس عمل کو قبول فرما کر مصنف، مترجمین، ناشر، محققین ومعاونین کو دنیا وآخرت میں جزائے خیر عطاء فرمائے۔ اور امت مسلمہ کو صحیح نبوی وسلفی عقیدہ ومنہج کا علم حاصل کر کے اس پر عمل پیرا ہونے کی توفیق مرحمت فرمائے۔

انہ ولی ذلك والقادر علیہ۔

مترجم

طارق علی بروہی

فہرست

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فضیلۃ الشیخ صالح بن فوزان الفوزان حفظہ اللہ کے مختصر حالات زندگی

• نام: صالح بن فوزان بن عبداللہ آل فوزان

• نسب: آپ کا تعلق اہل شمایہ الوداعین میں قبیلۂ دواسر سے ہے۔

• پیدائش: ۱۳۵۴ھ

• تعلیم: بچپن ہی میں آپ کے والد صاحب کا انتقال ہوگیا پس آپ نے اپنے خاندان میں پرورش پائی۔ آپ نے قرآن کریم اور ابتدائی قرات وکتابت اپنے شہر کے امام مسجد سے حاصل کی۔

پھر ۱۳۶۹ھ میں اپنے شہر شمایہ میں کھلنے والے گورنمنٹ اسکول میں داخل ہوئے اور اپنی ابتدائی تعلیم کی تکمیل بریدہ میں واقع مدرسہ فیصلیہ سے ۱۳۷۱ھ میں کی۔ پھر بریدہ ہی میں ۱۳۷۳ھ میں معہد العلمی کھلنے پر اس میں داخل ہوئے جس سے ۱۳۷۷ھ میں فراغت حاصل کی۔ اس کے بعد ریاض یونیورسٹی میں کلیۃ الشریعۃ میں داخل ہوئے اور ۱۳۸۱ھ میں اس سے فراغت حاصل کی۔

• اعلیٰ تعلیم: اعلیٰ تعلیم میں آپ نے فقہ میں ماسٹرز کیا اور اسی فقہ میں آپ نے ڈاکٹریٹ کیا اور یہ دونوں مراحل آپ نے کلیۃ الشریعۃ، ریاض یونیورسٹی سے مکمل کیے۔

•مناصب: ۱۳۷۲ھ میں بریدہ میں معہد العلمی میں داخلہ سے قبل آپ ابتدائیہ میں مدرس مقرر ہوئے۔کلیۃ الشریعۃ ریاض یونیورسٹی سے فراغت کے بعد خود ریاض یونیورسٹی کے معہد العلمی میں مدرس مقرر ہوئے۔پھر کلیۃ الشریعۃ میں اور پھر دراسات علیا کے شعبۂ اصول دین میں مدرس مقرر ہوئے۔اس کے بعد قضاء (کورٹ وعدالت) کی معہدالعالی میں مدرس ہونے کے بعد ۱۳۹۲ھ میں وہاں مدیر بھی مقرر ہوئے ۔ پھر آخر میں وہاں اداراتی سیشن ختم ہونے پر دوبارہ تدریس کے فرائض منصبی سنبھالے۔ اس کے علاوہ آپ کبار علماء کمیٹی کے ۱۴۰۷ھ میں رکن بنے اور ساتھ ہی ۱۴۱۱ھ میں فتویٰ وریسرچ کی مستقل کمیٹی کے رکن بنے۔اور آپ اب تک مکہ مکرمہ میں واقع مجمع الفقہی جو کہ رابطہ العالم الاسلامی کے تحت ہے کے رکن ہیں۔ اس کے علاوہ حج میں داعیان پر مقرر نگرانوں کی کمیٹی کے رکن بھی رہ چکے ہیں۔ آپ جامع الامیر متعب بن عبدالعزیز، ملز ریاض میں امام، خطیب ومدرس ہیں اور سعودی عرب ریڈیو سے نشر ہونے والے دینی سوال وجواب کے مشہور پروگرام "نور علی الدرب" میں بھی اسی طرح شرکت فرماتے رہتے ہیں جیسا کہ علمی مجلات، رسائل، ریسرچ وفتاوی نویسی میں باقاعدہ مشارکت فرماتے ہیں۔ ماسٹرز اور ڈاکٹریٹ کی سطح پر لکھے جانے والے بہت سے رسائل کی نگرانی کرتے ہیں اور ان کے سامنے بہت سے طالبعلموں نے علمی حلقات، دروس اور مجالس میں زانوئے تلمذ طے کیے ہیں۔

•مشائخ: آپ نے بہت سے مشہور علماء کرام وقضاۃ کرام سے حصول علم کیا جن میں سب سے نمایاں اور مشہور سماحۃ الشیخ عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز رحمہ اللہ ہیں۔ سماحۃ الشیخ بڑے اور اہم امور میں آپ پر بہت اعتماد کیا کرتے تھے اور

اپنی تالیف کردہ بعض کتب مراجعت اور رائے حاصل کرنے کے لیے آپ کے حوالے کیا کرتے تھے۔الشیخ عبداللہ بن حمید رحمۃ اللہ علیہ بھی آپ کے مشائخ میں سے ہیں آپ کثرت سے ان کے دروس میں شرکت فرماتے تھے جبکہ آپ بریدہ کے معہد العلمی میں زیر تعلیم تھے۔اسی طرح مفسر قرآن الشیخ محمد امین الشنقیطی رحمۃ اللہ علیہ اور شیخ عبدالرزاق العفیفی رحمۃ اللہ علیہ بھی آپ کے مشائخ میں شمار ہوتے ہیں۔ آپ کے آبائی شہر کی مسجد کے امام حمود بن سلیمان التلال جو بعد میں ضریہ شہر (جو قصیم میں ہے) کے قاضی بھی مقرر ہوئے تھے، آپ نے یہاں ابتدائی قرأت اور کتابت سیکھی پھر شیخ ابراہیم بن ضیف اللہ الیوسف سے بھی اس وقت تعلیم حاصل کی جب وہ مدرسہ شامیہ میں مدرس تھے۔ آپ کے دیگر مشائخ کرام یہ ہیں: الشیخ صالح بن عبدالرحمن السکیتی، الشیخ صالح بن ابراہیم البلیہی، الشیخ محمد بن سبیل، الشیخ عبداللہ بن صالح الخلیفی، الشیخ ابراہیم بن عبید العبدالمحسن، الشیخ حمود بن عقلاء الشعیبی، الشیخ صالح العلی الناصر۔

•تالیفات: آپ کی بہت سی تالیفات ہیں جن میں نمایاں یہ ہیں:

۱- التحقیقات المرضیة فی المباحث الفرضیة فی المواریث، جو آپ کا ماسٹرز میں رسالہ تھا۔(ایک جلد) (علم فرائض ومواریث سے متعلق ریسرچ)

۲- أحکام الأطعمة فی الشریعة الإسلامیة،جو کہ آپ کا ڈاکٹریٹ میں رسالہ تھا، (ایک جلد) (اسلام میں کھانے پینے کے احکام)

۳- الارشاد الی صحیح الاعتقاد، (ایک جلد) (عقیدے کے موضوع پر ایک جامع کتاب)

۴- شرح العقیدة الواسطیة، (ایک جلد) (امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کی عقیدے اہل سنت والجماعت پر لکھی گئی مشہور تصنیف کی شرح، اس کا اردو ترجمہ بعنوان عقیدۂ فرقۂ ناجیہ سے ہو چکا ہے)

۵- البیان فیما أخطأ فیہ بعض الکتاب (دو جلدیں) (بعض مصنفین وقلمکاروں کی غلطیوں کا بیان)

۶- مجموع محاضرات فی العقیدة والدعوة (چار جلدیں) (شیخ کے عقیدہ، منہج ودعوت پر دیے گئے دروس کا مجموعہ، اس میں کچھ کا ترجمہ ہماری ویب سائٹ پر موجود ہے)

۷- الخطب المنبریة فی المناسبات العصریة (چھ جلدیں) (موجودہ دور کی مختلف مناسبات کے اعتبار سے خطبات جمعہ وغیرہ کا مجموعہ)

۸- من أعلام المجددین فی الإسلام (مشہور مجددین اسلام کا تذکرہ)

۹- مباحث فقهیة فی مواضیع مختلفة (مختلف معاملات کے بارے میں فقہی تحقیقات)

۱۰- مجموع فتاوی فی العقیدة والفقه (پانچ جلدیں) (عقیدے اور فقہ کے متعلق فتاوی کا مجموعہ)

۱۱- نقد کتاب الحلال والحرام فی الإسلام، رد علی یوسف القرضاوی (مصر کے مفتی یوسف قرضاوی کی کتاب اسلام میں حلال وحرام میں پائی جانے والی غلطیوں کا رد)

۱۲- الملخص فی شرح کتاب التوحید، للشیخ محمد بن عبد الوهاب - شرح مدرسی- (امام محمد بن عبد الوہاب رحمہ اللہ کی مشہور کتاب التوحید کی مختصر شرح)

۱۳- إعانة المستفيد شرح كتاب التوحيد (دو جلدیں) (کتاب التوحید کی مفصل شرح)

۱۴- التعقيب على ما ذكره الخطيب في حق الشيخ محمد بن عبد الوهاب (شیخ محمد بن عبدالوہاب ؒ کے بارے میں کی گئی بعض باتوں کا تعقب)

۱۵-الملخص الفقهي (دو جلدیں) (اس کتاب کا اردو ترجمہ کتاب وسنت کی روشنی میں فقہی احکام ومسائل کے نام سے چھپ چکا ہے)

۱۶- إتحاف أهل الإيمان بدروس شهر رمضان (ماہِ رمضان المبارک سے متعلقہ دروس)

۱۷- الضياء اللامع مع الأحاديث القدسية الجوامع (احادیث قدسیہ کی شرح)

۱۸-بيان ما يفعله الحاج والمعتمر (حج وعمرہ کے احکام)

۱۹- كتاب التوحيد (اس کتاب کی اصل وزات معارف کے مرحلہ ثانویہ کے سلیبس میں مقرر ہے، اور کتاب ھذا اسی کا اردو ترجمہ ہے)

۲۰- فتاوی ومقالات (جو مجلہ الدعوۃ (عربی) میں نشر ہوئے)

۲۱- دروس من القرآن الكريم (دروس قرآن کریم)

۲۲-الأجوبة المفيدة عن أسئلة المناهج الجديدة (جدید مناہج وجماعتوں سے متعلق فتاوی)

۲۳-البدع والمحدثات وما لا أصل له (بدعات وخرافات کارد)

۲۴-مجالس شهر رمضان المبارك (رمضان المبارک سے متعلق دروس)

۲۵-عقيدة التوحيد (کتاب التوحید میں دو اہم ابواب کے اضافے کے ساتھ، کتاب ھذا اسی کا اردو ترجمہ ہے)

۲۶-أضواء من فتاوى ابن تيمية (امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کے عقیدے و منہج کے موضوع پر ان کے مجموع الفتاوی میں سے بعض منتخب فتاوی کی تشریح)

۲۷-بحوث فقهية في قضايا عصرية (جدید فقہی مسائل پر ریسرچ)

۲۸-شرح كتاب كشف الشبهات (امام محمد بن عبدالوہاب رحمہ اللہ کی اہل شرک کے شبہات کے جوابات پر لکھی گئی کتاب کی شرح)

۲۹-فقه وفتاوى البيوع (خرید و فروخت سے متعلق فتاوی)

۳۰-شرح زاد المستقنع (فقہ حنبلی کی مشہور کتاب کی شرح)

۳۱-شرح مسائل الجاهلية (امام محمد بن عبدالوہاب رحمہ اللہ کی جاہلیت کے مخصوص مسائل پر لکھی گئی کتاب شرح)

۳۲-حكم الاحتفال بذكرى المولد النبوي (عید میلاد النبی کی بدعت پر رد)

۳۳-المنتقى من فتاوى الشيخ الفوزان (پانچ جلدیں) (شیخ کے فتاوی کا مجموعہ)

۳۴-لمحة عن الفرق الضالة (گمراہ فرقوں کا مختصر تعارف، اس کتاب کا ترجمہ ہماری ویب سائٹ پر موجود ہے)

۳۵-الإيمان بالملائكة وأثره في حياة الأمة (فرشتوں پر ایمان اور اس کا امت کی زندگی پر اثر)

۳۶-مجمل عقیدۃ السلف الصالح (سلف صالحین کا اجمالی عقیدہ)

۳۷-البیان بالدلیل لما فی نصیحۃ الرفاعی ومقدمۃ البوطی من الکذب الواضح والتضلیل (رفاعی و بوطی کے سلفی دعوت کو وہابی دعوت کہہ کر اس پر کیے گئے اعتراضات کا جواب)

۳۸-حقیقۃ التصوف (تصوف کی حقیقت، اس کتاب کا ترجمہ ہماری ویب سائٹ پر موجود ہے)

۳۹-من مشکلات الشباب (نوجوانوں کی مشکلات)

۴۰-وجوب التحاکم إلی ما أنزلہ اللہ (شریعت الٰہی کے مطابق فیصلے کرنے کا وجوب)

۴۱-الفرق بین البیع والربا (تجارت اور سود میں فرق)

۴۲-مسائل فی الإیمان (ایمان سے متعلق مسائل وسوال وجواب، اس کا ترجمہ ہماری ویب سائٹ پر ہو چکا ہے)

۴۳-التعلیقات المختصرۃ علی متن العقیدۃ الطحاویۃ (امام ابو جعفر طحاوی حنفی رحمہ اللہ کی عقیدے پر لکھی گئی مشہور کتاب پر مختصر تعلیقات)

۴۴-تدبر القرآن

۴۵-وجوب التثبت فی الأخبار واحترام العلماء (خبروں سے متعلق تصدیق کرنے کا وجوب اور علماء کرام کا احترام)

۴۶-من أصول عقیدۃ أھل السنۃ والجماعۃ (عقیدۂ اہل سنت والجماعت کے اصول)

۴۷-دور المرأة في تربية الأسرة (خاندان کی تربیت میں عورت کا کردار)

۴۸-معنی لا إله إلا الله (لا الہ الا اللہ کا معنی)

اس کے علاوہ بھی آپ کی بہت سے کتابیں تحت طبع ہیں۔

• شیخ کے محاضرات (تقاریر و دروس):

۱-شرح لمعة الاعتقاد (۱۲ کیسٹیں) (امام ابن قدامہ المقدسی رحمہ اللہ کی عقیدے پر لکھی گئی کتاب کی شرح)

۲- شرح نونية ابن القيم (۲۴ کیسٹیں) (فرقۂ ناجیہ کی حمایت اور بدعتیوں کے رد پر لکھے گئے امام ابن القیم رحمہ اللہ کے مشہور قصیدۂ نونیہ کی شرح)

۳-شرح العقيدة السفارينية للإمام السفاريني (۱۵ کیسٹیں) (امام سفارینی رحمہ اللہ کی عقیدے پر لکھی گئی کتاب کی شرح)

۴-شرح منظومة الآداب (۱۲ کیسٹیں)

۵-شرح عمدة الأحكام (۱۱ کیسٹیں) (امام عبدالغنی المقدسی رحمہ اللہ کی احکام سے متعلق متفق علیہ احادیث پر مشتمل کتاب کی شرح)

۶-شرح الأصول الثلاثة (۱۰ کیسٹیں) (امام محمد بن عبدالوہاب رحمہ اللہ کی عقیدے پر مشہور کتاب کی شرح)

۷-شرح العقیدۃ الطحاویۃ (۱۴ کیسٹیں) (عقیدہ طحاویہ کی شرح)

۸-اللقاء الأسبوعی المفتوح (۱۲ کیسٹیں) (آپ کے ہفتہ وار عام دروس)

۹-شرح رسائل من مجموعۃ التوحید (۹ کیسٹیں) (مجموعۂ توحید کے نام سے منشور مجموعے میں شامل توحیدی رسائل کی شرح)

۱۰-شرح کشف الشبہات (۹ کیسٹیں) (کشف الشبہات کی شرح)

۱۱-شرح العقیدۃ الواسطیۃ (۳۱ کیسٹیں) (عقیدۂ واسطیہ کی شرح)

۱۲-شرح مسائل الجاھلیۃ (۱۴ کیسٹیں) (مسائل جاہلیت کی شرح)

۱۳-شرح نواقض الإسلام (۵ کیسٹیں) (امام محمد بن عبدالوہاب رحمہ اللہ کے رسالے نواقض اسلام کی شرح)

۱۴-شرح بلوغ المرام (۱۲۸ کیسٹیں) (حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کی فقہی ابواب پر مشتمل احادیث کی کتاب کی شرح)

۱۵-شرح زاد المستقنع (۶۹ کیسٹیں) (زاد المستقنع کی شرح)

۱۶-شرح قرۃ عیون الموحدین (۲۰ کیسٹیں) (کتاب التوحید کی شرح قرۃ عیون الموحدین کی شرح)

اس کے علاوہ بھی آپ کے بہت سے محاضرات اور خطبات ہیں۔
امت کے نوجوانوں کو صحیح دعوت سے متعارف کروانے اور ہر قسم کی گمراہی

کی رد میں آپ کی گرانقدر خدمات ہیں جن کے ذریعہ بدعتیوں اور گمراہوں کا قلع قمع ہوا اور بہت سوں کو راہ حق وصواب کی جانب ہدایت ہوئی۔ اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر دے، اور آپ کے اعمال کو خالصتاً لوجہ اللہ بنادے اور آپ کے میزان حسنات میں انہیں جگہ دے۔

• شیخ کا فون نمبر:

(ریاض کے کوڈ ۰۱ کے ساتھ) ۰۱/۴۷۶۷۴۲۰/۴۷۸۷۸۴۰/۴۵۸۸۵۷۰

• آفیشل ویب سائٹ: http://www.alfawzan.ws

مقدمہ

الحمد للہ رب العالمین والصلاۃ والسلام علی نبیہ الصادق الأمین نبینا محمد وعلی آلہ وصحبہ أجمعین وبعد:

راقم سطور کی زیر نظر کتاب علم توحید پر ایک سنجیدہ تالیف ہے، اس میں اختصار کے ساتھ ساتھ بہت ہی آسان و عام فہم اسلوب و زبان کا خیال رکھا گیا ہے۔ تالیف کے دوران اپنے اسلاف کرام، سلفی دعوت و تحریک کے علمائے عظام، خاص طور پر شیخ الاسلام ابن تیمیہ، علامہ ابن قیم الجوزیہ، شیخ الاسلام محمد بن عبدالوہاب وغیرہم رحمہم اللہ کی کتابوں و تحریروں سے اقتباس و استفادہ کیا ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ اسلامی عقیدہ خاص طور پر توحید کا علم بہت ہی اہم اور بنیادی ہے۔ اسے سیکھنے سکھانے اور اس کے مطابق عمل کرنے کی طرف بھرپور توجہ دینا ہمارا اولین فریضہ ہے۔ اس لئے کہ بندوں کے اعمال کی صحت، مقبولیت اور نفع بخش ہونے کا یہی ایک راستہ ہے۔ خاص طور پر ایسے وقت اور ماحول میں جہاں الحاد، رہبانیت، قبر پرستی اور سنت و شریعت مخالف بدعتوں کی تیز و تند آندھیاں چل رہی ہیں۔ طرح طرح کی گمراہ کن اور خطرناک تحریکیں اور جماعتیں اپنا کام کر رہی ہیں۔

ایسے زہر آلود عہد و ماحول میں اگر مسلمان کتاب و سنت پر مبنی صحیح عقیدہ کے ہتھیار سے مسلح نہ ہوں تو بہت جلد ہی انہیں یہ گمراہ کن و فاسد لہریں بہالے جائیں گی۔ ان خطرات کے پیش نظر مسلم بچوں (اور بڑوں) کے لئے کتاب و سنت پر مبنی صحیح عقیدہ پھر اس کی تعلیم و تلقین کا اہتمام اور انتظام بہت ضروری ہے۔ زیر نظر کتاب اس راہ کی ایک سنجیدہ کوشش ہے۔

صالح بن فوزان الفوزان

پہلا باب: علم عقیدہ کی تحصیل کا مدخل

اس باب میں حسب ذیل فصلیں ہوں گی:

پہلی فصل: عقیدہ ایک ایسی بنیاد ہے جس پر دین کی عمارت قائم ہے اس تناظر میں اس کے معنی اور اہمیت کا بیان۔

دوسری فصل: صحیح عقیدہ کے ماخذ اور سلف صالحین کا ان سے عقیدہ اخذ کرنے کا منہج۔

تیسری فصل: عقیدہ کے انحرافات اور ان انحرافات سے بچنے کے طریقے۔

پہلی فصل: عقیدہ ایک ایسی بنیاد ہے جس پر دین کی عمارت قائم ہے اس تناظر میں اس کے معنی اور اہمیت کا بیان

عقیدے کا معنی ومفہوم

عقیدے کی لغوی تعریف: عقیدہ دراصل لفظ "عقد" سے ماخوذ ہے، جس کے معنی ہیں کسی چیز کو باندھنا، جیسے کہا جاتا ہے "اعتقدت کذا" (میں ایسا اعتقاد رکھتا ہوں) یعنی میں نے اسے (اس عقیدے کو) اپنے دل اور ضمیر سے باندھ لیا ہے۔

لہذا عقیدہ: اس اعتقاد کو کہا جاتا ہے جو انسان رکھتا ہے، کہا جاتا ہے: "عقیدۃ حسنۃ" (اچھا عقیدہ)، یعنی: "سالمۃ من الشک" (شک سے پاک عقیدہ)، عقیدہ در حقیقت دل کے عمل کا نام ہے، اور وہ ہے دل کا کسی بات پر ایمان رکھنا اور اس کی تصدیق کرنا۔

عقیدہ کی شرعی تعریف: اللہ تعالی پر، اس کے فرشتوں پر، اس کی کتابوں پر، اس کے رسولوں پر، یوم آخرت اور اچھی بری تقدیر پر ایمان رکھنا، اور انہیں ارکانِ ایمان بھی کہا جاتا ہے۔

شریعت دو اقسام میں تقسیم ہوتی ہے: عقائد اور اعمال

عقائد: عقائد ایسی چیزیں ہیں جن کا تعلق کیفیتِ عمل سے نہیں ہے، مثلاً اللہ تعالی کی ربوبیت (رب ہونے) اور اس کی عبادت کے وجوب کا اعتقاد رکھنا، اسی طرح تمام مذکورہ ارکانِ ایمان کا اعتقاد رکھنا، اور یہ "اصل" (بنیاد/جڑیں) بھی کہلاتے ہیں۔

اعمال: اعمال کا تعلق کیفیتِ عمل سے ہے، مثلاً نماز، زکوۃ، روزہ اور دیگر عملی احکامات، یہ "فروع" (شاخیں) بھی کہلاتے ہیں، کیونکہ یہ (فروع/شاخیں) ان عقائد (اصل/جڑوں) کی صحت یا فساد پر قائم ہوتے ہیں[1]۔

عقیدے کی اہمیت

لہذا صحیح عقیدہ ہی وہ بنیاد ہے جس پر دین قائم ہوتا ہے، اور اس کی درستگی پر ہی اعمال کی صحت کا دار و مدار ہے، جیسا کہ ارشاد باری تعالی ہے:

﴿ فَمَن كَانَ يَرْجُو لِقَاءَ رَبِّهِ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهِ أَحَدًا ﴾

(الکھف: ۱۱۰)

(جسے بھی اپنے رب سے ملنے کی آرزو ہو اسے چاہیے کہ نیک اعمال کرے اور اپنے رب کی عبادت میں کسی کو بھی شریک نہ کرے)

اور ارشاد باری تعالی ہے:

[1] شرح العقیدۃ السفارینیۃ (۴/۱)

﴿وَلَقَدْ أُوحِيَ إِلَيْكَ وَإِلَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكَ لَئِنْ أَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ وَلَتَكُونَنَّ مِنَ الْخَاسِرِينَ﴾ (الزمر: ٦٥)

(یقیناً آپ کی طرف بھی اور آپ سے پہلے (کے تمام نبیوں) کی طرف بھی وحی کی گئی ہے کہ اگر آپ نے شرک کیا تو بلاشبہ آپ کا عمل ضائع ہو جائے گا اور بالیقین آپ زیاں کاروں میں سے ہو جائیں گے)

اور ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿فَاعْبُدِ اللَّهَ مُخْلِصًا لَهُ الدِّينَ * أَلَا لِلَّهِ الدِّينُ الْخَالِصُ﴾ (الزمر: ۲-۳)

(پس آپ اللہ ہی کی عبادت کریں، اسی کے لیے دین کو خالص کرتے ہوئے، خبردار! اللہ تعالیٰ ہی کے لیے خالص عبادت کرنا ہے)

یہ اور اس مفہوم کی دیگر آیاتِ کریمہ جو کہ بہت زیادہ ہیں، اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ اعمال اسی وقت مقبول ہوں گے جب وہ شرک سے پاک ہوں، اسی لیے تمام رسولوں علیہم السلام کی اولین ترجیح عقیدے کی اصلاح رہی۔ پس سب سے پہلے وہ اپنی قوموں کو اس بات کی دعوت دیتے رہے کہ صرف اکیلے اللہ کی عبادت جائے اور اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی عبادت ترک کی جائے، جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِي كُلِّ أُمَّةٍ رَسُولًا أَنِ اعْبُدُوا اللَّهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوتَ﴾ (النحل: ۳٦)

(ہم نے ہر امت میں رسول بھیجا کہ (لوگو!) صرف اللہ کی عبادت کرو اور طاغوت (جس کی اللہ تعالیٰ کے سوا عبادت کی جاتی ہے) سے بچو)

اور ہر رسول جب بھی اپنی قوم سے مخاطب ہوئے تو فرمایا:

﴿اعْبُدُوا اللَّهَ مَا لَكُم مِّنْ إِلَٰهٍ غَيْرُهُ﴾ (الاعراف: ۵۹)

(اے میری قوم! تم اللہ کی عبادت کرو اس کے سوا کوئی تمہارا معبود ہونے کے قابل نہیں)

یہی بات نوح، ہود، صالح، شعیب، اور تمام انبیاء کرام علیہم السلام نے اپنی قوموں سے فرمائی۔

بعثت کے بعد نبی اکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) مکہ مکرمہ میں تیرہ سال تک لوگوں کو توحید اور عقیدے کی اصلاح کی دعوت دیتے رہے، اس لیے کہ یہی وہ بنیاد ہے جس پر دین کی عمارت قائم ہوتی ہے۔ (حقیقی) داعیان اور مصلحین نے ہر زمانے میں انبیاء کرام (علیہم السلام) کے اسی نقش قدم کی پیروی کی ہے۔ چنانچہ وہ توحید اور عقیدے کی اصلاح کی دعوت سے اپنے کام کا آغاز کرتے ہیں، اس کے بعد دین کے دیگر احکامات کی پیروی کا حکم دیتے ہیں[1]۔

دوسری فصل: صحیح عقیدہ کے مآخذ اور سلف صالحین کا ان سے عقیدہ اخذ کرنے کا منہج

عقیدہ توقیفی ہوتا ہے یعنی یہ شارع (شریعت نازل کرنے والے) کی دلیل سے ہی ثابت ہو سکتا ہے، جس میں اپنی رائے اور اجتہاد کی کوئی گنجائش نہیں ہوتی۔ لہذا عقیدہ کے مآخذ و مصادر صرف کتاب اور سنت سے ثابت شدہ دلائل پر موقوف ہوتے ہیں، کیونکہ اللہ تعالی سے زیادہ کوئی علم نہیں رکھتا کہ کیا بات اللہ تعالی کے شایان شان ہے اور کیا نہیں، اور اللہ تعالی کے بعد اللہ تعالی کے بارے میں اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) سے زیادہ کوئی علم نہیں رکھتا۔ چنانچہ

[1] عقیدۂ توحید کی مزید اہمیت جاننے کے لیے ہماری ویب سائٹ پر پڑھیں شیخ صالح الفوزان کی کتاب "توحید کی اہمیت"۔ (ط ج)

سلف صالحین اور ان کی پیروی کرنے والوں کا عقیدہ اپنانے کے بارے میں یہی منہج رہا ہے کہ وہ اس بارے میں محض قرآن اور سنت پر ہی اقتصار کرتے تھے۔

اللہ تعالیٰ کے بارے میں جو بات قرآن اور سنت سے ثابت ہوتی ہے وہ اس پر ایمان لاتے، اس کا اعتقاد رکھتے اور اس کے مطابق عمل کرتے تھے، اور جو بات اللہ تعالیٰ کی کتاب اور اللہ کے رسول (ﷺ) کی سنت سے ثابت نہیں ہوتی اس کی اللہ تعالیٰ سے نفی کرتے اور قبول کرنے سے انکار کرتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے درمیان عقیدے کے معاملہ میں کوئی اختلاف نہیں تھا، بلکہ ان سب کا عقیدہ ایک تھا اور ان سب کی جماعت بھی ایک ہی تھی، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس بات کی ضمانت دی ہے کہ جو اللہ تعالیٰ کی کتاب اور نبی (ﷺ) کی سنت کو مضبوطی سے تھامے رکھیں گے ان کا کلمہ مجتمع رہے گا، اعتقاد درست ہوگا اور منہج میں یگانگت ہوگی، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللَّهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا﴾ (آل عمران: ۱۰۳)

(اللہ تعالیٰ کی رسی کو سب مل کر مضبوط تھام لو اور پھوٹ نہ ڈالو)

اور ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿فَإِمَّا يَأْتِيَنَّكُم مِّنِّي هُدًى فَمَنِ اتَّبَعَ هُدَايَ فَلَا يَضِلُّ وَلَا يَشْقَىٰ﴾ (طٰہٰ: ۱۲۳)

(اب تمہارے پاس جب کبھی میری طرف سے ہدایت پہنچے تو جو میری ہدایت کی پیروی کرے نہ تو وہ بہکے گا نہ تکلیف میں پڑے گا)

اسی لیے اس فرقہ کو فرقۂ ناجیہ (نجات پانے والا فرقہ) کہا گیا، کیونکہ نبی (ﷺ) نے جب یہ فرمایا کہ یہ امت ۷۳ فرقوں میں تقسیم ہوگی تو اس فرقہ کی نجات کی گواہی دی اور فرمایا کہ تمام فرقے آگ میں ہوں گے سوائے ایک کے، جب پوچھا گیا کہ نجات پانے والا وہ ایک

فرقہ کون سا ہے، فرمایا: ''هِيَ مَنْ كَانَ عَلَى مِثْلِ مَا أَنَا عَلَيْهِ الْيَوْمَ وَأَصْحَابِي''[1] (وہ جو اس طریقہ پر ہو گا جس پر آج میں اور میرے صحابہ ہیں)

اور ویسا ہی ہوا جیسا کہ نبی (ﷺ) نے فرمایا، لہذا جب بعض لوگوں نے اپنا عقیدہ کتاب اور سنت کے مخالف طریقوں پر قائم کیا، مثلاً علم الکلام، یونانی فلسفہ اور علم المنطق، تو عقیدہ میں انحراف اور تفرقہ پیدا ہوا اور اس کے نتیجے میں یکجہتی ختم ہو گئی، اور اسلامی معاشرہ کی عمارت میں دراڑ پڑ گئی۔

تیسری فصل: عقیدہ سے انحراف اور اس سے بچنے کے طریقے

عقیدہ سے انحراف ہلاکت اور بربادی ہے

صحیح عقیدہ سے انحراف ہلاکت اور بربادی ہے، اس لیے کہ صحیح عقیدہ ہی اچھے اور مفید اعمال کی ترغیب دلاتا ہے۔ کوئی بھی شخص صحیح عقیدہ کے بغیر توہمات اور شکوک وشبہات کا شکار ہوتا ہے، جو اس پر جمع ہونے کی صورت میں اس کی خوشحال زندگی کی راہوں میں رکاوٹ ثابت ہوتے ہیں، یہاں تک کہ اس کی زندگی اس پر تنگ ہو جاتی ہے، پھر وہ اس تنگی جو کہ اس کی ساری زندگی سے تعبیر ہے سے چھٹکارہ پانے کی کوشش کرتا ہے خواہ خودکشی کی صورت میں ہی کیوں نہ ہو، جیسا کہ یہی حال ہے بہت سے ان لوگوں کا ہے جو صحیح عقیدہ کی ہدایت سے محروم ہیں۔

اور وہ معاشرہ جس میں صحیح عقیدہ نہ ہو ایک حیوانی معاشرہ ہے جس نے خوشحال

[1] صحیح ترمذی (۲۶۴۱) مسند احمد میں بھی یہ روایت موجود ہے۔

زندگی کے تمام اسباب کو ترک کر دیا ہے، اگرچہ اس کے پاس اس مادی دنیا کے بہت سے اسباب ہوں جو کہ غالباً ہلاکت اور بربادی ہی کی طرف لے جاتے ہیں، جیسا کہ کافر معاشرہ میں دیکھا جا سکتا ہے۔ کیونکہ ان مادی اسباب کو رہنمائی کی ضرورت ہے تاکہ اس کی خصوصیت اور منفعت سے استفادہ حاصل کیا جا سکے، اور اس کی رہنمائی صحیح عقیدہ کے سوا کوئی اور چیز نہیں کر سکتی، ارشاد باری تعالیٰ ہے

﴿يَا أَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوا مِنَ الطَّيِّبَاتِ وَاعْمَلُوا صَالِحًا﴾ (المومنون: ۵۱)

(اے پیغمبرو! حلال چیزیں کھاؤ اور نیک عمل کرو)

اور ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلَقَدْ آتَيْنَا دَاوُودَ مِنَّا فَضْلًا يَا جِبَالُ أَوِّبِي مَعَهُ وَالطَّيْرَ وَأَلَنَّا لَهُ الْحَدِيدَ. أَنِ اعْمَلْ سَابِغَاتٍ وَقَدِّرْ فِي السَّرْدِ وَاعْمَلُوا صَالِحًا إِنِّي بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ. وَلِسُلَيْمَانَ الرِّيحَ غُدُوُّهَا شَهْرٌ وَرَوَاحُهَا شَهْرٌ وَأَسَلْنَا لَهُ عَيْنَ الْقِطْرِ وَمِنَ الْجِنِّ مَن يَعْمَلُ بَيْنَ يَدَيْهِ بِإِذْنِ رَبِّهِ وَمَن يَزِغْ مِنْهُمْ عَنْ أَمْرِنَا نُذِقْهُ مِنْ عَذَابِ السَّعِيرِ. يَعْمَلُونَ لَهُ مَا يَشَاءُ مِن مَّحَارِيبَ وَتَمَاثِيلَ وَجِفَانٍ كَالْجَوَابِ وَقُدُورٍ رَّاسِيَاتٍ اعْمَلُوا آلَ دَاوُودَ شُكْرًا وَقَلِيلٌ مِّنْ عِبَادِيَ الشَّكُورُ﴾

(السباء: ۱۰-۱۳)

(اور ہم نے داود علیہ السلام پر اپنا فضل کیا، اے پہاڑو! ان کے ساتھ رغبت سے تسبیح پڑھا کرو اور پرندوں کو بھی (یہی حکم ہے) اور ہم نے ان کے لیے لوہا نرم کر دیا* کہ آپ پوری پوری زرہیں (لوہے کا جنگی لباس) بنائیں اور جوڑوں میں اندازہ رکھیں، تم سب نیک کام کیا کرو، (یقین مانو) کہ میں تمہارے اعمال دیکھ رہا ہوں* اور ہم نے سلیمان علیہ السلام کے لیے ہوا کو مسخر کر دیا کہ صبح کی منزل ان کی مہینہ بھر کی ہوتی تھی اور شام کی منزل بھی، اور ہم نے ان کے لیے تانبے کا چشمہ بہا دیا، اور ان کے رب کے حکم سے بعض جنات ان کی ماتحتی میں ان کے

سامنے کام کرتے تھے اور ان میں سے جو بھی ہمارے حکم سے سرتابی کرے ہم اسے بھڑکتی ہوئی آگ کے عذاب کا مزہ چکھائیں گے * جو کچھ سلیمان علیہ السلام چاہتے وہ جنات تیار کر دیتے مثلاً قلعے اور مجسمے اور حوضوں کے برابر لگن اور چولہوں پر جمی ہوئی مضبوط دیگیں،

اے آل داود اس کے شکریہ میں نیک عمل کرو،

میرے بندوں میں شکر گزار بندے کم ہی ہوتے ہیں)

لہذا عقیدہ کی طاقت کو مادی طاقت سے جدا نہیں ہونا چاہیے، اگر جدا ہو کر باطل عقائد کی طرف منحرف ہو گئی تو پھر مادی قوت ہلاکت اور بربادی کا ذریعہ بن جاتی ہے، جیسا کہ آج کے دور میں کافر ممالک میں دیکھا جاتا ہے، جن کے پاس مادی قوت تو ہے لیکن صحیح عقیدہ کا فقدان ہے۔

صحیح عقیدہ سے منحرف ہونے کی وجوہات

صحیح عقیدہ سے منحرف ہونے کی کچھ وجوہات ہیں جن کی معرفت حاصل کرنا انتہائی اہم ہے، بعض اہم وجوہات درج ذیل ہیں:

۱۔ صحیح عقیدہ سے جہالت: صحیح عقیدہ سے جہالت جس کی وجہ اس کی تعلیم حاصل نہ کرنا ہے، یا پھر اس سے بے توجہی برتنا ہے، یہاں تک کہ ایک ایسی نسل پروان چڑھ جاتی ہے جو اس عقیدہ سے بے بہرہ ہوتی ہے اور نہ ہی اس کے مخالف اور منافی امور کا اسے کوئی علم ہوتا ہے۔ لہذا وہ حق کو باطل اور باطل کو حق سمجھتی ہے، جیسا کہ عمر رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا: ''إِنَّمَا تُنْقَضُ عُرَى الْإِسْلَامِ عُرْوَةً عُرْوَةً إِذَا نَشَأَ فِي الْإِسْلَامِ مَنْ لَا يَعْرِفُ الْجَاهِلِيَّةَ''[1] (اسلام کی رسی کے

[1] منہاج السنۃ النبویۃ ۲ / ۳۹۸، ۴۰۰، ... ، مجموع الفتاوی ۱۰ / ۳۰۱ اور ۱۵ / ۵۴)

چندے ایک ایک کر کے نکل جائیں گے اگر اسلام میں ایسے لوگ آ جائیں جنھیں جاہلیت کا کوئی علم نہیں)

۲۔تعصب اور آباء واجداد پرستی: تعصب اور آباء واجداد پرستی اور انہی کی راہ پر چلتے رہنا چاہے وہ باطل ہی کیوں نہ ہو اور جو کچھ بھی اس کے مخالف ہو اسے ترک کر دینا اگرچہ وہ حق ہی کیوں نہ ہو، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَإِذَا قِيلَ لَهُمُ اتَّبِعُوا مَا أَنزَلَ اللَّهُ قَالُوا بَلْ نَتَّبِعُ مَا أَلْفَيْنَا عَلَيْهِ آبَاءَنَا أَوَلَوْ كَانَ آبَاؤُهُمْ لَا يَعْقِلُونَ شَيْئًا وَلَا يَهْتَدُونَ ﴾ (البقرۃ: ۱۷۰)

(اور ان سے جب کبھی کہا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ کتاب کی تابعداری کرو تو جواب دیتے ہیں کہ ہم تو اس طریقہ کی پیروی کریں گے جس پر ہم نے اپنے باپ دادوں کو پایا، گو ان کے باپ دادے بے عقل اور گمراہ ہوں)

۳۔اندھی تقلید کرنا: اندھی تقلید کرنا اس طرح کہ عقیدے کی معاملے میں لوگوں کی باتوں کو بنا اس کی دلیل کی معرفت یا اس دلیل کی صحت معلوم کئے لے لینا، جیسا کہ (اہلسنت والجماعت کے) مخالف فرقوں کا حال ہے، مثلاً جہمیہ، معتزلہ، اشاعرہ اور صوفیہ[1] وغیرہ ان سب نے اپنے سے پچھلے گمراہ سربراہوں کی پیروی کی، تو وہ گمراہ ہو گئے اور صحیح عقیدہ سے منحرف ہو گئے۔

۴۔اولیاء اور نیک لوگوں کے بارے میں غلو کرنا: اولیاء اور نیک لوگوں کے بارے میں غلو

[1] ان فرقوں کی تفصیلی معلومات کے لیے دیکھیں ہماری ویب سائٹ پر شیخ صالح الفوزان حفظہ اللہ کی کتاب "گمراہ فرقوں کا مختصر تعارف" اور "تصوف کی حقیقت، تاریخ، عبادات کے تعین کے تعلق سے ان کی گمراہی"۔ (طارق)

کرنا، اور ان کو ان کی حیثیت سے زیادہ اونچا مقام دینا، اس طرح کہ ان کے بارے میں ایسا اعتقاد رکھنا جس پر صرف اللہ تعالیٰ ہی قادر ہے جیسے نفع پہنچانا یا مصیبت دور کرنا، اسی طرح ان اولیاء کو اللہ تعالیٰ اور اس کی مخلوق کے درمیان حاجتیں پوری کروانے اور دعاء قبول کروانے کے لئے وسیلہ بنانا، یہاں تک کے معاملہ اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر ان اولیاء کی عبادت تک جا پہنچا، جیسے ان کے مزارات پر منتیں ماننا اور قربانیاں دینا، ان سے دعاء وفریاد کرنا اور مدد طلب کرنا۔

نوح علیہ السلام کی قوم نے نیک لوگوں کے بارے میں ایسا ہی کیا تھا جب انہوں نے کہا:

﴿لَا تَذَرُنَّ آلِهَتَكُمْ وَلَا تَذَرُنَّ وَدًّا وَلَا سُوَاعًا وَلَا يَغُوثَ وَيَعُوقَ وَنَسْرًا﴾ (نوح: ۲۳)

(اور کہا انہوں نے کہ ہرگز اپنے معبودوں کو نہ چھوڑنا اور نہ وداور سواع اور یغوث اور یعوق اور نسر کو (چھوڑنا))[1]

اور ایسا ہی حال ہے آج بہت سے ممالک میں قبر پرستوں کا ہے۔

د۔ اللہ تعالیٰ کی کونی (کائناتی) اور قرآنی آیات میں غور وتدبر سے غافل رہنا: اللہ تعالیٰ کی کونی (کائناتی) اور قرآنی آیات میں غور وتدبر سے غافل رہنا، اور مادی تہذیب وتمدن سے شدید متاثر ہونا، یہاں تک کہ وہ یہ سمجھ بیٹھے کہ یہ سب کچھ صرف انسانی قدرت کا نتیجہ ہے، لہذا انسانوں کی تعظیم ہونے لگی، اور تمام وسائل کو انسان کی محنت اور اس کی ایجادات کی طرف منسوب کیا جانے لگا، جیسا کہ قارون نے ان سے پہلے کہا تھا:

﴿قَالَ إِنَّمَا أُوتِيتُهُ عَلَىٰ عِلْمٍ عِندِي﴾ (القصص: ۷۸)

(کہا یہ سب کچھ جو میرے پاس علم ولیاقت ہے اسی کے بل بوتے پر دیا گیا ہوں)

[1] اس آیت کی تفسیر کے لیے دیکھیں "شرک کی تاریخ" کا باب۔

اور جیسا کہ انسان کہتا ہے:

﴿ هَذَا لِي ﴾ (الفصلت: ۵۰)

(یہ میرا ہے یا یہ میری ہی کمائی ہے)

﴿ إِنَّمَا أُوتِيتُهُ عَلَى عِلْمٍ ﴾ (الزمر: ۴۹)

(یہ میرے اپنے علم کی بناء پر ہی دیا گیا ہے)

اور انہوں نے اس کی عظمت پر غور و فکر ہی نہیں کیا جس نے اس کائنات کو تخلیق کیا، اور اس میں یہ شاندار اور عمدہ خاصیتیں رکھیں، انسانوں کو پیدا کیا اور انہیں یہ طاقت دی کہ وہ ان خاصیتوں کو دریافت کر سکیں اور ان سے استفادہ حاصل کر سکیں:

﴿ وَاللَّهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُونَ ﴾ (الصافات: ۹۶)

(حالانکہ تمہیں اور تمہاری بنائی ہوئی چیزوں کو اللہ ہی نے پیدا کیا ہے یا اللہ تعالیٰ ہی تمہارا اور تمہارے اعمال کا خالق ہے)

﴿ أَوَلَمْ يَنظُرُوا فِي مَلَكُوتِ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا خَلَقَ اللَّهُ مِن شَيْءٍ ﴾ (الاعراف: ۱۸۵)

(اور کیا ان لوگوں نے غور نہیں کیا آسمانوں اور زمین کے عالم میں اور دوسری چیزوں میں جو اللہ نے پیدا کی ہیں)

﴿ اللَّهُ الَّذِي خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ وَأَنزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَخْرَجَ بِهِ مِنَ الثَّمَرَاتِ رِزْقًا لَّكُمْ وَسَخَّرَ لَكُمُ الْفُلْكَ لِتَجْرِيَ فِي الْبَحْرِ بِأَمْرِهِ وَسَخَّرَ لَكُمُ الْأَنْهَارَ وَسَخَّرَ لَكُمُ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ دَائِبَيْنِ وَسَخَّرَ لَكُمُ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ وَآتَاكُم مِّن كُلِّ مَا سَأَلْتُمُوهُ وَإِن تَعُدُّوا نِعْمَتَ اللَّهِ لَا تُحْصُوهَا إِنَّ الْإِنسَانَ لَظَلُومٌ كَفَّارٌ ﴾ (ابراہیم: ۳۲-۳۴)

(اللہ وہ ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے اور آسمانوں سے بارش برسا کر اس کے

ذریعے سے تمہاری روزی کے لیے پھل نکالے ہیں اور کشتیوں کو تمہارے بس میں کر دیا ہے کہ دریاؤں میں اس کے حکم سے چلیں پھریں، اسی نے ندیاں اور نہریں تمہارے اختیار میں کر دی ہیں * اسی نے تمہارے لیے سورج چاند کو مسخر کر دیا ہے کہ برابر ہی چل رہے ہیں اور رات دن کو بھی تمہارے کام میں لگا رکھا ہے * اسی نے تمہیں تمہاری منہ مانگی کل چیزوں میں سے دے رکھا ہے، اگر تم اللہ کے احسان گننا چاہو تو انہیں پورے گن بھی نہیں سکتے، یقیناً انسان بڑا ہی بے انصاف اور ناشکرا ہے)

۶۔ اکثر گھرانے (اپنی نسلوں کی) صحیح رہنمائی سے دور ہو چکے ہیں: اکثر گھرانے (اپنی نسلوں کی) صحیح رہنمائی سے دور ہو چکے ہیں، جیسا کہ نبی اکرم (ﷺ) نے ارشاد فرمایا ہے: ''كُلُّ مَوْلُودٍ يُولَدُ عَلَى الْفِطْرَةِ فَأَبَوَاهُ يُهَوِّدَانِهِ أَوْ يُنَصِّرَانِهِ أَوْ يُمَجِّسَانِهِ'' [1] (ہر بچہ فطرت (اسلام (اسلام) پر پیدا ہوتا ہے، لیکن اس کے ماں باپ اسے یہودی یا عیسائی یا مجوسی بنا دیتے ہیں) ثابت ہوا کہ والدین کا انتہائی اہم کردار ہے بچے کے لئے صحیح سمت کا تعین اور صحیح رہنمائی کرنے میں۔

۷۔ مسلم دنیا میں عموماً میڈیا اور تعلیمی مراکز کا اپنا کردار صحیح طور سے نا انجام دینا: مسلم دنیا میں عموماً میڈیا اور تعلیمی مراکز کا اپنا کردار صحیح طور سے نا انجام دینا، تعلیمی نصاب میں دین کی طرف کوئی خاص توجہ محسوس نہیں ہوتی، یا پھر بالکل ہی توجہ نہیں ہوتی [2]۔ سمعی، بصری اور تحریری میڈیا، الغرض ہر قسم کا میڈیا محض بربادی اور ہلاکت اور انحراف کا ذریعہ بن کر رہ گیا ہے،

[1] بخاري الجنائز (١٢٩٢)، مسلم القدر (٢٦٥٨)، أبو داود السنة (٤٧١٤)، أحمد (٢/٢٣٣، ٢٨٢)، مالك الجنائز (٥٦٩)

[2] اور جو میڈیا دینی تعلیم کی طرف توجہ دیتا بھی ہے تو وہ شرک و بدعات کے پرچار میں پیش پیش ہے۔ اللہ المستعان۔ (طح)

جہاں محض مادی اور تفریحی چیزوں کا اہتمام ہوتا ہے، مگر وہ چیزیں جو اخلاق کو درست کریں اور صحیح عقیدہ کو راسخ کریں اس کا کوئی اہتمام نہیں کیا جاتا، یہاں تک کہ ایسی نسل آئی جس میں کفر اور الحاد کی فوج کا مقابلہ کرنے کی بالکل صلاحیت نہ رہی۔

صحیح عقیدہ میں انحراف سے بچنے کے طریقے

اس انحراف سے بچنے کے طریقے درج ذیل ہیں:

۱۔ کتاب وسنت کی جانب رجوع کیا جائے: اللہ تعالیٰ کی کتاب اور رسول اللہ (ﷺ) کی سنت کی طرف رجوع کیا جائے تاکہ صحیح عقیدہ حاصل کیا جاسکے، جیسا کہ سلف صالحین اپنا عقیدہ انہی دو مآخذ سے اخذ کیا کرتے تھے، اور ''لن یصلح آخر ھذہ الأمۃ إلا ما أصلح أولھا'' (اس امت کے آخری لوگوں کی اصلاح نہیں ہوگی مگر اسی سے جس سے اس امت کے پہلے لوگوں کی اصلاح ہوئی تھی)، اس کے ساتھ ساتھ منحرف فرقوں کے عقائد کا مطالعہ کرنا بھی ضروری ہے تاکہ ان کے شبہات کا رد کیا جاسکے اور لوگوں کو اس سے خبردار کیا جاسکے، اس لیے کہ جو برائی کو جانتا ہی نہیں قریب ہے کہ وہ اس برائی میں واقع ہوجائے۔

۲۔ مختلف تعلیمی مرحلوں میں صحیح اسلامی سلفی عقیدہ کی تعلیم کا اہتمام: مختلف تعلیمی مرحلوں میں صحیح اسلامی عقیدہ یعنی سلف صالحین کے عقیدے کی تعلیم کا اہتمام کیا جائے اور نصاب (سلیبس) میں اس کی مناسب کلاس اور پیریڈز رکھے جائیں، اور امتحانات کے دوران اس مضمون کا پرچہ انتہائی باریک بینی کے ساتھ بنایا جائے۔

۳۔ نصاب میں خالص سلفی منہج کی کتب مقرر کرکے گمراہ فرقوں کی کتب سے اجتناب:

نصاب میں خالص سلفی منہج[1] کی کتابیں مقرر کی جائیں، اور منحرف فرقوں کی کتابوں سے اجتناب کیا جائے، مثلاً صوفیہ، جہمیہ، معتزلہ، اشاعرہ، ماتریدیہ اور دیگر تمام اہل بدعت، ہاں مگر صرف اس غرض سے ان کی کتابوں کا مطالعہ کیا جائے تاکہ اس میں جو باطل ہے اس کا رد کیا جا سکے اور اس سے خبردار کیا جا سکے۔

۴- ایسے مصلحین داعیان کو کھڑا کیا جائے جو صحیح سلفی عقیدہ و منہج کی تبلیغ اور اہل بدعت کا رد کر سکیں: ایسے مصلحین داعیان کو کھڑا کیا جائے جو لوگوں میں سلف صالحین کے عقیدے کی تجدید کریں اور منحرف فرقوں کی گمراہی کا رد کریں۔

[1] سلفی منہج کے بارے میں جاننے کے لیے پڑھیں ہماری شائع کردہ کتب "سلفی منہج" از شیخ البانی رحمہ اللہ اور "منہج الانبیاء" از شیخ ربیع حفظہ اللہ (ط ن)

دوسرا باب: توحید کا مطلب اور اس کی اقسام کا بیان

توحید کا مطلب

خلق اور تدبیر میں اللہ تعالیٰ کو ایک مانا جائے، عبادت کو اسی کے لیے خالص کیا جائے، اور اس کے سوا ہر کسی کی عبادت سے اجتناب کیا جائے، اور اللہ تعالیٰ کے جو اسماء حسنیٰ اور اعلیٰ صفات ہیں ان کا اثبات کیا جائے، اور ہر نقص اور عیب سے اللہ تعالیٰ کو پاک قرار دیا جائے، گویا اس تعریف کے اعتبار سے توحید کی تینوں اقسام اس میں شامل ہو گئیں یعنی ۱۔ توحید ربوبیت، ۲۔ توحید الوہیت، ۳۔ توحید اسماء وصفات، جن کا (تفصیلی) بیان آگے آئے گا۔ مگر مختصر اً عام مفہوم کے اعتبار سے یہ اعتقاد رکھنا کہ اللہ تعالیٰ تمام کائنات کا رب ہے، عبادت کو خالصتاً اللہ تعالیٰ کے لیے ادا کرنا اور اللہ تعالیٰ کے تمام اسماء حسنیٰ اور اعلیٰ صفات کا اثبات واقرار کرنا توحید کہلاتا ہے، پس یہ تین اقسام ہی ہوئی: ۱۔ توحید ربوبیت، ۲۔ توحید الوہیت (عبادت)، ۳۔ توحید اسماء وصفات، اور ہر قسم کا ایک خاص مفہوم ہے جسے بیان کرنا نہایت اہم ہے تاکہ ان تینوں اقسام میں جو فرق ہے وہ واضح ہو جائے۔

۱۔ توحید ربوبیت

اور وہ درج ذیل فصلوں پر مشتمل ہے:

پہلی فصل: توحیدِ ربوبیت کا مفہوم، اس کا فطری ہونا اور مشرکین کا بھی اس کا اقراری ہونے کا بیان۔

دوسری فصل: قرآن اور سنت میں لفظ "الـــرب" کا مفہوم اور گمراہ امتوں کے اس بارے میں تصورات اور ان کے رد کا بیان۔

تیسری فصل: تمام کائنات کا اللہ تعالیٰ کے حکم کے آگے سر تسلیم خم کرنے اور تابع فرمان ہونے کا بیان۔

چوتھی فصل: خلق، رزق اور دیگر معاملات میں اللہ تعالیٰ کی وحدانیت ثابت کرنے کے قرآنی انداز کا بیان۔

پانچویں فصل: توحید ربوبیت توحید الوہیت کو مستلزم ہے کا بیان۔

پہلی فصل: توحید ربوبیت کے مفہوم، اس کا فطری ہونا اور مشرکین کا بھی اس کا اقراری ہونے کا بیان

توحید ربوبیت کا معنی و مفہوم

اللہ تعالیٰ کو اس کے افعال کے ساتھ مخصوص کر دینا یعنی یہ اعتقاد رکھنا کہ اللہ تعالیٰ اکیلے ہی تمام مخلوقات کا خالق ہے:

﴿ اللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ ﴾ (الزمر: ٦٢)

(اللہ ہر چیز کا خالق (پیدا کرنے والا) ہے)

اور وہ تمام جانوروں، انسانوں اور دیگر مخلوقات کو رزق دیتا ہے:

﴿ وَمَا مِنْ دَابَّةٍ فِي الْأَرْضِ إِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا ﴾ (ھود: ٦)

(زمین پہ چلنے پھرنے والے جتنے جاندار ہیں سب کی روزیاں اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہیں)

اور یہ کہ اللہ تعالیٰ مالک الملک ہے، اور اس جہاں کے تمام معاملات کا انتظام

سنبھالے ہوئے ہے، جسے چاہتا ہے نوازتا ہے اور جسے چاہے محروم رکھتا ہے، جسے چاہے عزت دیتا ہے اور جسے چاہے ذلت سے ہمکنار کرتا ہے، ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے، رات اور دن کو چلاتا ہے، زندگی اور موت دیتا ہے:

﴿قُلِ اللَّهُمَّ مَالِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِي الْمُلْكَ مَن تَشَاءُ وَتَنزِعُ الْمُلْكَ مِمَّن تَشَاءُ وَتُعِزُّ مَن تَشَاءُ وَتُذِلُّ مَن تَشَاءُ بِيَدِكَ الْخَيْرُ إِنَّكَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ تُولِجُ اللَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَتُولِجُ النَّهَارَ فِي اللَّيْلِ وَتُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَتُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَتَرْزُقُ مَن تَشَاءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ﴾

(آل عمران: ٢٦-٢٧)

(آپ کہہ دیجئے اے اللہ! اے تمام جہان کے مالک! تو جسے چاہے بادشاہی دے اور جس سے چاہے سلطنت چھین لے اور تو جسے چاہے عزت دے اور جسے چاہے ذلت دے، تیرے ہی ہاتھ میں سب بھلائیاں ہیں، بے شک تو ہر چیز پر قادر ہے* تو ہی رات کو دن میں داخل کرتا ہے اور دن کو رات میں لے جاتا ہے، تو ہی بے جان سے جاندار پیدا کرتا ہے اور تو ہی جاندار سے بے جان پیدا کرتا ہے، اور تو ہی ہے کہ جسے چاہتا ہے بے حساب روزی دیتا ہے)

اور اللہ تعالیٰ نے اسی طرح سے اس بات کی نفی کی ہے کہ مملکت میں اس کا کوئی شریک یا مددگار ہو جس طرح اس نے اس بات کی نفی کی کہ خلق (پیدا کرنے) اور رزق (دینے) میں اس کا کوئی شریک ہو، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿هَٰذَا خَلْقُ اللَّهِ فَأَرُونِي مَاذَا خَلَقَ الَّذِينَ مِن دُونِهِ﴾ (لقمان: ١١)

(یہ ہے اللہ تعالیٰ کی مخلوق، اب تم مجھے اس کے سوا دوسرے کسی کی کوئی مخلوق تو دکھاؤ)

اور ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿أَمَّنْ هَٰذَا الَّذِي يَرْزُقُكُمْ إِنْ أَمْسَكَ رِزْقَهُ﴾ (الملک: ٢١)

(اگر اللہ تعالیٰ اپنی روزی روک لے تو بتاؤ کون ہے جو پھر تمہیں روزی دے گا؟)

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے تمام مخلوقات پر اپنی ربوبیت کی انفرادیت کا اعلان فرمایا:

﴿الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ﴾ (الفاتحہ)

(سب تعریف اللہ تعالیٰ کے لیے ہے جو تمام جہانوں کا رب ہے)

اور فرمایا:

﴿إِنَّ رَبَّكُمُ اللَّهُ الَّذِي خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ فِي سِتَّةِ أَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوَىٰ عَلَى الْعَرْشِ يُغْشِي اللَّيْلَ النَّهَارَ يَطْلُبُهُ حَثِيثًا وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ وَالنُّجُومَ مُسَخَّرَاتٍ بِأَمْرِهِ أَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْأَمْرُ تَبَارَكَ اللَّهُ رَبُّ الْعَالَمِينَ﴾ (الاعراف: ۵۴)

(بے شک تمہارا رب اللہ ہی ہے جس نے سب آسمانوں اور زمین کو چھ روز میں پیدا کیا ہے، پھر عرش پر مستوی و بلند ہوا (جیسا کہ اس کی شان کے لائق ہے)، وہ شب سے دن کو ایسے طور پر چھپا دیتا ہے کہ وہ شب اس دن کو جلدی سے آلیتی ہے اور سورج اور چاند اور دوسرے ستاروں کو پیدا کیا ایسے طور پر کہ سب اس کے حکم کے تابع ہیں، یاد رکھو اللہ ہی کے لئے خاص ہے خالق ہونا اور حاکم ہونا، بڑی برکتوں والا ہے اللہ تعالیٰ جو تمام عالم کا رب ہے)

اللہ تعالیٰ نے اپنی ربوبیت کا اقرار تمام مخلوقات کی فطرت میں رکھ دیا ہے، یہاں تک کہ وہ مشرکین جو عبادت میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک ٹھہرایا کرتے تھے وہ بھی ربوبیت میں اللہ تعالیٰ کی انفرادیت کا اقرار کرتے تھے، جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿قُلْ مَنْ رَبُّ السَّمَاوَاتِ السَّبْعِ وَرَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيمِ ‎سَيَقُولُونَ لِلَّهِ قُلْ أَفَلَا تَتَّقُونَ قُلْ مَنْ بِيَدِهِ مَلَكُوتُ كُلِّ شَيْءٍ وَهُوَ يُجِيرُ وَلَا يُجَارُ عَلَيْهِ إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ سَيَقُولُونَ لِلَّهِ قُلْ فَأَنَّىٰ تُسْحَرُونَ﴾ (المؤمنون: ۸۶-۸۹)

(آپ (ﷺ) ان مشرکوں سے دریافت کیجئے کہ ساتوں آسمانوں کا اور بہت باعظمت عرش

کا رب کون ہے؟ وہ لوگ جواب دیں گے کہ اللہ ہی ہے، کہہ دیجئے کہ پھر تم کیوں نہیں ڈرتے؟ دریافت کیجئے کہ تمام چیزوں کا اختیار کس کے ہاتھ میں ہے؟ جو پناہ دیتا ہے اور جس کے مقابلے میں کوئی پناہ نہیں دیا جاتا، اگر تم جانتے ہو تو بتلاؤ؟ یہی جواب دیں گے کہ اللہ ہی ہے، کہہ دیجئے پھر تم کدھر سے جادو کر دیے جاتے ہو؟)

اس توحید کے خلاف بنی نوع انسانی کا کوئی بھی فرقہ نہیں گیا، بلکہ دلوں میں اس کا اقرار فطرتاً دوسری موجودات کے اقرار کی بہ نسبت زیادہ جاگزین ہے، جیسا کہ رسولوں کا یہ قول اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ارشاد فرمایا:

﴿قَالَتْ رُسُلُهُمْ أَفِي اللَّهِ شَكٌّ فَاطِرِ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ﴾ (ابراہیم: ۱۰)

(ان کے رسولوں نے انہیں کہا کہ کیا اللہ تعالیٰ کے بارے میں تمہیں شک ہے جو آسمانوں اور زمین کا بنانے والا ہے!)

سب سے زیادہ مشہور شخص جس نے رب سے تجاہل برتا اور ظاہراً انکار کیا وہ فرعون ہے، جبکہ باطن میں اسے یقین تھا، جیسا کہ موسیٰ علیہ السلام نے اس سے فرمایا:

﴿قَالَ لَقَدْ عَلِمْتَ مَا أَنْزَلَ هَٰؤُلَاءِ إِلَّا رَبُّ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ بَصَائِرَ﴾ (الاسراء: ۱۰۲)

(موسیٰ علیہ السلام نے (فرعون کو) جواب دیا کہ یہ تو تجھے علم ہو چکا ہے کہ آسمان و زمین کے رب ہی نے یہ معجزے دکھانے، سمجھانے کو نازل فرمائے ہیں)

فرعون اور اس کی قوم کے بارے میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَجَحَدُوا بِهَا وَاسْتَيْقَنَتْهَا أَنْفُسُهُمْ ظُلْمًا وَعُلُوًّا﴾ (النمل: ۱۴)

(انہوں نے صرف ظلم اور تکبر کی بنا پر انکار کر دیا حالانکہ ان کے دل یقین کر چکے تھے)

ایسا ہی حال آج ان کمیونسٹ (دھریہ) لوگوں کا ہے جو رب کا انکار کرتے ہیں، وہ صرف تکبر کی بنا پر ظاہری اعتبار سے انکار کر رہے ہیں، حالانکہ باطن میں وہ اس بات کا اقرار کرتے ہیں کہ ہر موجود کا لازماً کوئی موجد (بنانے والا) ضرور ہے، ہر مخلوق کا لازماً کوئی خالق ہے اور ہر اثر کا لازماً کوئی پیدا کرنے والا ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿أَمْ خُلِقُوا مِنْ غَيْرِ شَيْءٍ أَمْ هُمُ الْخَالِقُونَ أَمْ خَلَقُوا السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ بَل لَّا يُوقِنُونَ﴾

(الطور: ۳۵-۳۶)

(کیا یہ بغیر کسی (پیدا کرنے والے) کے خود بخود پیدا ہو گئے ہیں؟ یا یہ خود پیدا کرنے والے ہیں؟* کیا انہوں نے ہی آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے؟
بلکہ یہ یقین نہ کرنے والے لوگ ہیں)

تمام عالم پر غور کیجئے، عالم بالا اور سفلی، اس کے تمام اجزاء میں، آپ دیکھیں گے کہ وہ اپنے بنانے والے کی، اپنے خالق و مالک کی گواہی دے رہے ہیں۔ لہذا بنانے والے کا انکار کرنا عقل اور فطرت میں بالکل ایسا ہے جیسا کہ علم کا انکار کرنا، ان دونوں میں کوئی فرق نہیں، آج میونزم رب کا جو انکار کر رہی ہے[1]، وہ در حقیقت تکبر کی وجہ سے ہے، عقل اور صحیح انداز فکر کو نظر انداز کرنے کی وجہ سے ہے، اور جس کا حال ایسا ہو تو اس نے در حقیقت عقل کا استعمال ختم کر دیا ہے اور لوگوں کو اپنا مذاق اڑانے کی دعوت دی ہے۔

شاعر نے کہا:

كيف يعصى الإله	ويجحده الجاحد
وفي كل شيء له آية	تدل على أنه واحد

[1] یونانی علم بھی خالق کا اثبات کرتا ہے۔

کیسے اللہ کی نافرمانی کی جاتی ہے   اور کیسے انکار کرنے والا انکار کرتا ہے
جبکہ ہر چیز میں اس کی نشانی ہے   جو نشاندہی کررہی ہے کہ وہ ایک ہے

دوسری فصل: قرآن اور سنت میں لفظ "الرب" کے مفہوم اور گمراہ امتوں کے اس بارے میں تصورات اور ان کے رد کا بیان

قرآن اور سنت کی روشنی میں لفظ "الرب" کا مفہوم

الرَّبُّ دراصل: مصدر رَبَّ یَرُبُّ سے لیا گیا ہے، جس کا مطلب ہے: "نشأ الشیء من حال إلی حال التمام" (کسی چیز کو ایک حالت سے بہتر حالت تک لیکر جانا) کہا جاتا ہے: "ربّـه و ربّـاه و ربّبـه" (اس کا پالنے والا/نشو نما کرنے والا، اس نے پالا، اسے پالا) لہذا لفظ (الـرب) مصدر ہے جو فاعل کے لیے استعمال ہوتا ہے، لہذا مطلقاً لفظ (الـرب) اللہ تعالیٰ کے لیے ہی استعمال کیا جاتا ہے جو تمام مخلوقات کا پالنے والا ہے، جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿رَبِّ الْعَالَمِينَ﴾ (الفاتحہ)

(تمام جہانوں کا پالنے والا)

﴿رَبُّكُمْ وَرَبُّ آبَائِكُمُ الْأَوَّلِينَ﴾ (الشعراء: ۲۶)

(تمہارا اور تمہارے اگلے آباء و اجداد کا رب ہے)

یہ لفظ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کے لیے صرف بطور مضاف محدود انداز میں استعمال کیا جاتا ہے، جیسا کہ کہا جاتا ہے "رب الدار" (گھر کا رب) یعنی مالک مکان، اور "رب الفرس" یعنی (گھوڑے کا مالک)، اسی اعتبار سے اللہ تعالیٰ نے یوسف علیہ السلام کا واقعہ بیان کرتے ہوئے

فرمایا:

﴿اذْكُرْنِي عِندَ رَبِّكَ فَأَنسَاهُ الشَّيْطَانُ ذِكْرَ رَبِّهِ﴾ (یوسف: ۴۲)

(اپنے رب (بادشاہ) سے میرا ذکر بھی کر دینا، پھر اسے شیطان نے اپنے رب (بادشاہ) سے ذکر کرنا بھلا دیا)

اور فرمایا:

﴿قَالَ ارْجِعْ إِلَىٰ رَبِّكَ﴾ (یوسف: ۵۰)

(اپنے رب (بادشاہ) کے پاس واپس جا)

﴿أَمَّا أَحَدُكُمَا فَيَسْقِي رَبَّهُ خَمْرًا﴾ (یوسف: ۴۱)

(تم دونوں میں سے ایک تو اپنے رب (بادشاہ) کو شراب پلانے پر مقرر ہو جائے گا)

اور نبی اکرم (ﷺ) نے جس کا اونٹ گم ہو گیا ہو اس کے بارے میں فرمایا کہ:

"حَتّٰى يَجِدَهَا رَبُّهَا" [1] (یہاں تک کہ اس کا رب (مالک) اسے ڈھونڈ نہ لے)

اس سے یہ بات واضح ہو گئی کہ لفظ "الرب" کا اطلاق اللہ سبحانہ وتعالیٰ پر بطور اسمِ معرفہ اور اضافت دونوں کے اعتبار سے ہوتا ہے، کہا جاتا ہے: "الرب" یا "رب العالمین" اور "رب الناس" لیکن اللہ تعالیٰ کے سوا لفظ "الرب" صرف اضافت کے ساتھ استعمال ہوتا ہے، مثلاً: رب الدار یا رب المنزل (مالکِ مکان)، رب الابل (اونٹ کا مالک)۔

(رب العالمین) کا مطلب ہے: (ان تمام مخلوقات کو پیدا کرنے والا اور ان کا مالک، اپنی نعمتوں کے ذریعہ اسی طرح رسول بھیج کر اور کتابیں نازل کر کے ان کی تربیت

[1] متفق علیہ حدیث سے ماخوذ صحیح البخاری کتاب فی اللقطۃ (۲۲۹۶)، صحیح مسلم کتاب اللقطۃ (۱۷۲۲)۔

کرنے والا، ان کے احوال کی اصلاح کرنے والا اور ان کے اعمال کی جزاء دینے والا)[1]۔

علامہ ابن القیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: (ربوبیت کا تقاضا ہے کہ بندوں کو حکم دیا جائے اور منع کیا جائے، نیکو کاروں کو نیکی کا بدلہ دیا جائے، اور بدکاروں کو بدکاری کی سزا دی جائے)[2] یہ ہے حقیقتِ ربوبیت۔

گمراہ امتوں کے تصورات میں لفظ "الرب" کا مفہوم

اللہ تعالی نے مخلوقات کو پیدا فرمایا اور ان کی فطرت میں توحید اور پیدا کرنے والے رب کی معرفت ودیعت فرمائی، جیسا کہ ارشاد باری تعالی ہے:

﴿فَأَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّينِ حَنِيفًا فِطْرَةَ اللَّهِ الَّتِي فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا لَا تَبْدِيلَ لِخَلْقِ اللَّهِ﴾

(الروم: ۳۰)

(پس آپ یک سو ہو کر اپنا منہ دین کی طرف متوجہ کر دیں، اللہ تعالی کی وہ فطرت جس پر اس

---

[1] قرآن کریم میں اللہ تعالی نے ابراہیم علیہ السلام کی زبانی رب العالمین کی بڑی عمدہ تعریف بیان کی ہے جس میں ان تمام باتوں کا ذکر ہے، فرمایا ﷺ "قَالَ أَفَرَأَيْتُم مَّا كُنتُمْ تَعْبُدُونَ، أَنتُمْ وَآبَاؤُكُمُ الْأَقْدَمُونَ. فَإِنَّهُمْ عَدُوٌّ لِّي إِلَّا رَبَّ الْعَالَمِينَ، الَّذِي خَلَقَنِي فَهُوَ يَهْدِينِ. وَالَّذِي هُوَ يُطْعِمُنِي وَيَسْقِينِ، وَإِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ يَشْفِينِ. وَالَّذِي يُمِيتُنِي ثُمَّ يُحْيِينِ، وَالَّذِي أَطْمَعُ أَن يَغْفِرَ لِي خَطِيئَتِي يَوْمَ الدِّينِ" (الشعراء: ۷۵-۸۲) (آپ نے (اپنی مشرک قوم سے) فرمایا کچھ خبر بھی ہے جن کی تم عبادت کر رہے ہو، تم اور تمہارے اگلے باپ دادا، وہ سب میرے دشمن ہیں سوائے رب العالمین کے، جس نے مجھے پیدا کیا ہے اور وہی میری رہبری فرماتا ہے، وہی مجھے کھلاتا پلاتا ہے، اور جب میں بیمار پڑ جاؤں تو مجھے شفاء عطا فرماتا ہے، اور وہی مجھے موت دے گا پھر زندہ کر دے گا، اور جس سے امید بندھی ہوئی ہے کہ وہ روز جزاء میرے گناہوں کو بخش دے گا) (ط ع)

[2] دیکھیں (۱/ ۸) مدارج السالکین۔

نے لوگوں کو پیدا کیا ہے، اللہ تعالی کی تخلیق کو بدلنا نہیں)

اور فرمایا:

﴿وَإِذْ أَخَذَ رَبُّكَ مِن بَنِي آدَمَ مِن ظُهُورِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَأَشْهَدَهُمْ عَلَى أَنفُسِهِمْ أَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ قَالُوا بَلَى شَهِدْنَا﴾ (الاعراف: ۱۷۲)

(اور جب آپ کے رب نے اولادِ آدم کی پشت سے ان کی اولاد کو نکالا اور ان سے ان ہی کے متعلق اقرار لیا کہ کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ سب نے جواب دیا کیوں نہیں! ہم سب گواہ بنتے ہیں)

لہذا اللہ تعالی کی ربوبیت کا اقرار اور اس کی طرف متوجہ ہونا ایک فطری معاملہ ہے، جبکہ شرک غیر فطری اور بعد میں رونما ہونے والی چیز ہے۔ اسی لیے نبی کریم (ﷺ) نے فرمایا: "كُلُّ مَوْلُودٍ يُولَدُ عَلَى الْفِطْرَةِ فَأَبَوَاهُ يُهَوِّدَانِهِ أَوْ يُنَصِّرَانِهِ أَوْ يُمَجِّسَانِهِ"[1] (ہر بچہ فطرت پر پیدا ہوتا ہے، پھر اس کے ماں باپ اسے یہودی، عیسائی، یا مجوسی بنادیتے ہیں) اگر بندے کو اس کی فطرت پر چھوڑ دیا جائے تو وہ لازماً توحید کی طرف جائے گا اور رسولوں کی وہ دعوت قبول کرے گا جو رسول لیکر آئے، اور جس کے متعلق کتابیں نازل کی گئیں، اور جس پر آیاتِ کونیہ (کائنات میں پھیلی نشانیاں) بھی دلالت کرتی ہیں، لیکن (صحیح راہ سے) منحرف تربیت اور ملحد (بے دین) معاشرہ بچے کی سمت کو تبدیل کردیتے ہیں، اور بچے اپنے آباء واجداد کی گمراہی اور انحراف میں پیروی کرتے ہیں۔

حدیث قدسی میں ارشاد باری تعالی ہے: "خَلَقْتُ عِبَادِي حُنَفَاءَ. فَاجْتَالَتْهُمُ

[1] اس حدیث کی تخریج پہلے گزر چکی ہے۔

الشَّـــــیاطِین"(1) (میں نے اپنے بندوں کو حنفاء (سچا، یکسو اور صحیح العقیدہ) پیدا کیا ہے، پھر شیاطین نے انہیں گمراہ کر دیا) یعنی: انہیں بتوں کی عبادت کی طرف راغب کر دیا، اور اللہ کو چھوڑ کر انہوں نے ان بتوں کو رب تسلیم کر لیا، تو پھر وہ گمراہی تفرقہ اور اختلاف میں پڑ گئے، ہر ایک نے اپنا ایک مخصوص رب بنا ڈالا جس کی وہ عبادت کرتا ہے، کیونکہ جب انہوں نے حقیقی رب کو چھوڑ دیا تو وہ باطل ارباب میں مبتلا کر دیے گئے، جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿فَذَٰلِكُمُ اللَّهُ رَبُّكُمُ الْحَقُّ فَمَاذَا بَعْدَ الْحَقِّ إِلَّا الضَّلَالُ﴾ (یونس: ۳۲)

(سو یہ ہے اللہ تعالیٰ جو تمہارا ربِ حقیقی ہے، پھر حق کے بعد گمراہی کے سوا اور کیا ہے)

اور گمراہی کی درحقیقت کوئی حد یا انتہا نہیں ہوتی، اور اس میں لازماً وہ شخص واقع ہوتا ہے جس نے اپنے ربِ حقیقی کو چھوڑ دیا ہو، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿أَأَرْبَابٌ مُّتَفَرِّقُونَ خَيْرٌ أَمِ اللَّهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ۝ مَا تَعْبُدُونَ مِن دُونِهِ إِلَّا أَسْمَاءً سَمَّيْتُمُوهَا أَنتُمْ وَآبَاؤُكُم مَّا أَنزَلَ اللَّهُ بِهَا مِن سُلْطَانٍ﴾ (یوسف: ۳۹)

(کیا متفرق کئی رب بہتر ہیں یا ایک اللہ زبردست طاقتور* اس کے سوا تم جن کی عبادت کر رہے ہو وہ سب نام ہی نام ہیں جو تم نے اور تمہارے باپ داداوں نے خود ہی گھڑ لیے ہیں، اللہ تعالیٰ نے ان کی کوئی دلیل نازل نہیں فرمائی)

ربوبیت میں شرک اس اعتبار سے کہ دو بالکل ایک جیسے خالق جو تمام صفات اور افعال میں ایک جیسے ہوں تو ناممکن ہے، لیکن ہاں بعض مشرکین کا یہ کہنا تھا کہ ان کے معبودوں کو جہان میں کچھ تصرف حاصل ہے، اور شیطان نے انہیں دھوکہ میں ڈال کر ان

(1) مسلم الجنة وصفة نعيمها وأهلها (٢٨٦٥)، أحمد (١٦٢/٤).

باطل معبودوں کی عبادت پر گامزن کر دیا۔ درحقیقت شیطان ہر قوم کو اس کی عقل کے مطابق دھوکہ دیتا ہے، ایک گروہ کو اس اعتبار سے عبادت کی دعوت دیتا ہے کہ وہ مردوں (فوت شدگان) کی تعظیم کریں جن کے وہ مجسمے بناتے ہیں، جیسا کے نوح علیہ السلام کی قوم نے کیا، اور ایک گروہ نے بتوں کو ستاروں کی شکل میں لے لیا اور ان کے دعوی کے مطابق ان ستاروں کا جہان پر اثر ہوتا ہے[1]، پھر انہوں نے ان ستاروں کے لئے معبد خانے اور مجاور مقرر کر دیئے۔

البتہ ان ستاروں کی عبادت میں ان کے درمیان اختلاف واقع ہوا: لہذا بعض نے سورج کی عبادت کی، بعض نے چاند کی، اور بعض نے ان کے علاوہ باقی ستاروں کی، یہاں تک کہ انہوں نے ان ستاروں کے لئے ہیکل مقرر کر دیئے، ہر ستارے کے لئے ایک خاص ہیکل تھا۔ بعض آتش پرست تھے جو مجوس کہلاتے ہیں۔ بعض گائے کی عبادت کرتے ہیں، جیسا کہ ہندوستان میں ہوتا ہے۔ بعض فرشتوں کی عبادت کرتے ہیں۔ بعض درختوں اور پتھروں کی عبادت کرتے ہیں اور بعض قبروں اور مزارات کی عبادت کرتے ہیں۔ یہ سب اس لیے ہوا کہ ان لوگوں نے ان چیزوں میں ربوبیت کی کچھ خاصیتیں تصور کر لیں ہیں۔

بعض کا یہ دعوی ہے کہ یہ بت غیر حاضر چیزوں کے قائم مقام ہیں، ابن القیم نے فرمایا: (ابتداء میں بت کو غیر حاضر معبود کی جگہ رکھا گیا تھا، لہذا انہوں نے بت کو اس کی شکل وصورت اور ہیت کے مطابق بنایا تاکہ وہ اس کا قائم مقام ہو جائے، اس لیے کہ کوئی بھی عقل

[1] آج بھی بہت سے لوگ مسلمان ہونے کے باوجود ستاروں کی جہان میں تاثیر کا عقیدہ رکھتے ہیں جس کا مشاہدہ رسائل وجرائد میں "آپ کا ہفتہ کیسا رہے گا" اور "آپ کا ستارہ فلاں ہے" وغیرہ پڑھ کر لگایا جا سکتا ہے۔ (ط ع)

رکھنے والا اپنے ہاتھ سے کسی لکڑی یا پتھر کو تراش کر اسے اپنا الٰہ اور معبود تصور نہیں کر سکتا)[1]

جیسا کہ قدیم و موجودہ قبر پرست یہ دعوی کرتے ہیں کہ یہ مردہ لوگ ان کے لیے شفاعت کریں گے، اور اللہ تعالی کے حضور ان کی حاجتیں پوری کرنے کے لیے سفارش کریں گے، اور کہا کرتے ہیں:

﴿مَا نَعْبُدُهُمْ إِلَّا لِيُقَرِّبُونَا إِلَى اللَّهِ زُلْفَىٰ﴾ (الزمر : ۳)

(ہم ان کی عبادت صرف اس لیے کرتے ہیں کہ یہ (بزرگ) اللہ کی نزدیکی کے مرتبہ تک ہماری رسائی کرا دیں)

﴿وَيَعْبُدُونَ مِن دُونِ اللَّهِ مَا لَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنفَعُهُمْ وَيَقُولُونَ هَٰؤُلَاءِ شُفَعَاؤُنَا عِندَ اللَّهِ﴾ (یونس : ۱۸)

(اور یہ لوگ اللہ کے سوا ایسی چیزوں کی عبادت کرتے ہیں جو نہ ان کو ضرر پہنچا سکیں اور نہ ان کو نفع پہنچا سکیں اور کہتے ہیں کہ یہ اللہ کے پاس ہمارے سفارشی ہیں)

اس کے علاوہ بعض مشرکینِ عرب اور نصاری نے اپنے معبودوں کے بارے میں یہ تصور قائم کر رکھا ہے کہ یہ اللہ تعالی کی اولاد ہیں، لہذا مشرکینِ عرب نے فرشتوں کی عبادت یہ سمجھ کر کی کہ یہ فرشتے اللہ تعالی کی بیٹیاں ہیں، اور نصاری نے مسیح علیہ السلام کی عبادت یہ سمجھ کر کی کہ وہ اللہ تعالی کے بیٹے ہیں۔

رب کے بارے میں گمراہ قوموں کے ان باطل تصورات کا رد

[1] إغاثة اللهفان (۲۲۰/۲).

اللہ تعالیٰ نے ان تمام باطل تصورات کا مندرجہ ذیل دلائل سے رد فرمایا ہے:

۱۔ بت پرستوں کا رد اس فرمان سے:

﴿أَفَرَأَيْتُمُ اللَّاتَ وَالْعُزَّى وَمَنَاةَ الثَّالِثَةَ الْأُخْرَى﴾ (النجم: ۱۹-۲۰)

(کیا تم نے لات اور عزیٰ کو دیکھا* اور ان کے علاوہ تیسرے منات کو)

آیت کا مطلب جیسا کہ علامہ قرطبی رحمہ اللہ نے فرمایا: (کیا تم نے ان معبودات کو دیکھا! کیا یہ کسی قسم کا فائدہ یا نقصان پہنچا سکتے ہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کے شریک ہوں؟ کیا انہوں نے اپنا دفاع کیا جب رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) اور ان کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ان کو توڑ دیا اور منہدم کر دیا؟)

اور ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَأَ إِبْرَاهِيمَ إِذْ قَالَ لِأَبِيهِ وَقَوْمِهِ مَا تَعْبُدُونَ قَالُوا نَعْبُدُ أَصْنَامًا فَنَظَلُّ لَهَا عَاكِفِينَ قَالَ هَلْ يَسْمَعُونَكُمْ إِذْ تَدْعُونَ أَوْ يَنْفَعُونَكُمْ أَوْ يَضُرُّونَ قَالُوا بَلْ وَجَدْنَا آبَاءَنَا كَذَٰلِكَ يَفْعَلُونَ﴾ (الشعراء: ۶۹-۷۴)

(انہیں ابراہیم علیہ السلام کا واقعہ بھی سنا دو* جبکہ انہوں نے اپنے باپ اور اپنی قوم سے فرمایا کہ تم کس کی عبادت کرتے ہو؟* انہوں نے جواب دیا کہ عبادت کرتے ہیں بتوں کی، ہم تو برابر ان کے مجاور بنے بیٹھے ہیں* آپ نے فرمایا کہ جب تم انہیں پکارتے ہو تو کیا وہ سنتے بھی ہیں؟* یا تمہیں نفع نقصان بھی پہنچا سکتے ہیں؟* انہوں نے کہا یہ (ہم کچھ نہیں جانتے) ہم نے تو اپنے باپ دادوں کو اسی طرح کرتے پایا)

گویا انہوں نے اس بات کا اقرار اور اعتراف کر لیا کہ یہ بت نہ تو پکار سن سکتے ہیں اور نہ ہی کسی قسم کا نفع یا نقصان پہنچا سکتے ہیں، بلکہ انہوں نے ان بتوں کی عبادت محض اپنے آباء و اجداد کی تقلید میں کی، جس سے واضح ہو گیا کہ تقلید اور اندھی پیروی باطل حجت ہے۔

۲۔ ستارے، سورج اور چاند کی عبادت کرنے والوں کا رد کرتے ہوئے فرمایا:

﴿وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ وَالنُّجُومَ مُسَخَّرَاتٍ بِأَمْرِهِ﴾ (الاعراف: ۵۴)

(اور (اللہ تعالیٰ نے) سورج اور چاند اور دوسرے ستاروں کو پیدا کیا ایسے طور پر کہ سب اس کے حکم کے تابع ہیں)

اور فرمایا:

﴿وَمِنْ آيَاتِهِ اللَّيْلُ وَالنَّهَارُ وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ لَا تَسْجُدُوا لِلشَّمْسِ وَلَا لِلْقَمَرِ وَاسْجُدُوا لِلَّهِ الَّذِي خَلَقَهُنَّ إِنْ كُنْتُمْ إِيَّاهُ تَعْبُدُونَ﴾ (الفصلت: ۳۷)

(اور دن رات اور سورج چاند بھی (اسی کی) نشانیوں میں سے ہیں، تم سورج کو سجدہ کرو اور نہ چاند کو بلکہ سجدہ اس اللہ کے لیے کرو جس نے ان سب کو پیدا کیا ہے، اگر تمہیں اسی کی عبادت کرنی ہے تو)

۳۔ جنہوں نے فرشتوں کی اور مسیح علیہ السلام کی عبادت اس اعتبار سے کی کہ وہ اللہ کے بیٹے ہیں، ان کا رد کرتے ہوئے فرمایا:

﴿مَا اتَّخَذَ اللَّهُ مِنْ وَلَدٍ﴾ (المومنون: ۹۱)

(نہ تو اللہ نے کسی کو بیٹا بنایا)

اور فرمایا:

﴿أَنَّى يَكُونُ لَهُ وَلَدٌ وَلَمْ تَكُنْ لَهُ صَاحِبَةٌ﴾ (الانعام: ۱۰۱)

(اللہ تعالیٰ کے اولاد کہاں ہو سکتی ہے حالانکہ اس کی کوئی بیوی تو ہے نہیں)

اور فرمایا:

﴿لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُولَدْ وَلَمْ يَكُن لَّهُ كُفُوًا أَحَدٌ﴾ (الاخلاص: ۳)

(نہ اس سے کوئی پیدا ہوا نہ وہ کسی سے پیدا ہوا* اور نہ کوئی اس کا ہمسر ہے)

تیسری فصل: تمام کائنات اور اس کی فطرت کا اللہ تعالی کے تابع فرمان اور مطیع ہونے کا بیان

یہ تمام جہاں آسمان، زمین، ستارے، سیارے، جانور، درخت، بر و بحر، فرشتے، جن اور انس سب کے سب اللہ تعالی کے تابع فرمان ہیں اور اس کے امرِ کونی کی اطاعت کرتے ہیں، ارشاد باری تعالی ہے:

﴿وَلَهُ أَسْلَمَ مَن فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ طَوْعًا وَكَرْهًا﴾ (آل عمران: ۸۳)

(تمام آسمانوں والے اور سب زمین والے اللہ تعالی ہی کے فرمانبردار ہیں خوشی سے ہوں یا ناخوشی سے)

اور ارشاد باری تعالی ہے:

﴿بَل لَّهُ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ كُلٌّ لَّهُ قَانِتُونَ﴾ (البقرۃ: ۱۱۶)

(بلکہ وہ (اللہ تعالی) پاک ہے، آسمان اور زمین کی تمام مخلوق اس کی ملکیت میں ہے اور ہر ایک اس کا فرمانبردار ہے)

﴿وَلِلَّهِ يَسْجُدُ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ مِن دَابَّةٍ وَالْمَلَائِكَةُ وَهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُونَ﴾ (النحل: ۴۹)

(یقیناً آسمان و زمین کے کل جاندار اور تمام فرشتے اللہ تعالی کے سامنے سجدے کرتے ہیں اور ذرا بھی تکبر نہیں کرتے)

﴿أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللَّهَ يَسْجُدُ لَهُ مَن فِي السَّمَاوَاتِ وَمَن فِي الْأَرْضِ وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ وَالنُّجُومُ

وَالْجِبَالُ وَالشَّجَرُ وَالدَّوَابُّ وَكَثِيرٌ مِّنَ النَّاسِ﴾ (الحج: ۱۸)

(کیا تو نہیں دیکھ رہا کہ اللہ کے سامنے سجدے میں ہیں سب آسمانوں والے اور سب زمینوں والے اور سورج اور چاند اور ستارے اور پہاڑ اور درخت اور جانور اور بہت سے انسان بھی)

﴿وَلِلَّهِ يَسْجُدُ مَن فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ طَوْعًا وَكَرْهًا وَظِلَالُهُم بِالْغُدُوِّ وَالْآصَالِ﴾ (الرعد: ۱۵)

(اللہ ہی کے لیے آسمانوں اور زمین کی سب مخلوق خوشی اور ناخوشی سے سجدہ کرتی ہے اور ان کے سائے بھی صبح و شام)

لہذا یہ تمام کائنات اور جہان اللہ تعالی کی اطاعت گذاری کرتے ہیں، اس کی سلطنت کے تابع ہیں، اس کے ارادہ کے مطابق چلتے ہیں اور اس کے حکم کے آگے مطیع ہیں، کوئی اس کی نافرمانی نہیں کرتا، ہر چیز اپنا کام انجام دے رہی ہے، اور اپنے عمل کے نتائج بھی محکم نظام کے تحت دے رہی ہے، جو اپنے خالقِ حقیقی کو ہر نقص، کمزوری اور عیب سے پاک قرار دیتی ہے، ارشاد باری تعالی ہے:

﴿تُسَبِّحُ لَهُ السَّمَاوَاتُ السَّبْعُ وَالْأَرْضُ وَمَن فِيهِنَّ وَإِن مِّن شَيْءٍ إِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهِ وَلَٰكِن لَّا تَفْقَهُونَ تَسْبِيحَهُمْ﴾ (الاسراء: ۴۴)

(ساتوں آسمان اور زمین اور جو بھی ان میں ہے اسی کی تسبیح کر رہے ہیں، ایسی کوئی چیز نہیں جو اسے پاکیزگی اور تعریف کے ساتھ یاد نہ کرتی ہو، ہاں یہ صحیح ہے کہ تم ان کی تسبیح سمجھ نہیں سکتے)

لہذا یہ مخلوقات چاہے ناطق ہوں یا غیر ناطق، زندہ ہوں یا مردہ، سب کی سب اللہ تعالی کے فرمانبردار ہیں اور اللہ تعالی کے کونی حکم کے تابع ہیں، اور سب کی سب اللہ تعالی کو اپنی زبانِ حال اور مقال سے ہر نقص اور عیب سے پاک قرار دے رہی ہیں۔ لہذا جب بھی کوئی

عقلمند ان مخلوقات پر غور کرے تو دیکھے گا کہ وہ حق کے ساتھ اور حق کے لیے پیدا کی گئی ہیں، اور وہ مسخر کی گئی ہیں ان کی بذاتِ خود کوئی تدبیر نہیں، اور نا ہی اپنے مدبر کی نافرمانی کرتی ہیں، گویا کہ سب فطرتاً اپنے خالق کی اقراری ہیں۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے فرمایا: (اور وہ تمام (مخلوقات اللہ تعالی کی) فرمانبردار، اطاعت گزار، (اس کے آگے) مجبور اور بے بس ہیں، ان اعتبارات سے کہ:

- وہ جانتے ہیں کہ وہ سب اس کے محتاج ہیں اور انہیں اس کی ضرورت ہے۔
- وہ اطاعت گزار اور مجبور ہیں اس لیے کہ اس کی قضاء، وقدر اور مشیئت ان پر جاری وساری ہے۔
- مجبوری، اضطرار اور مصیبت کے وقت وہ سب اسے ہی پکارتے ہیں۔

ایک مومن اپنے رب کے حکم کے آگے خوشی سے اپنا سر تسلیم خم کر دیتا ہے، اور اسی طرح مصیبت کے وقت بھی جو مصیبتیں اس کے مقدر میں لکھ دی گئی ہیں ان پر اپنے رب کے حکم کے مطابق رضامندی کے ساتھ صبر وغیرہ کرتا ہے، چونکہ وہ خوشی کے ساتھ اللہ تعالی کے لئے مسلمان ہے اسی لئے اللہ تعالی کی اطاعت گزاری خوشی کے ساتھ کرتا ہے۔ جبکہ کافر اپنے رب کی مشیئتِ کونی[1] کا تابع ہوتا ہے، اور کائنات کے سجدے سے مراد اطاعت گزاری

[1] اللہ تعالی کی مشیئت (چاہت) کی دو اقسام ہیں ۱۔کونی (کائناتی)، ۲۔شرعی۔ کونی مشیئت سے مراد ہے اس کائنات میں جو بھی حوادث وغیرہ ہوتے ہیں یا جو غیر مسلم وحیوانات بھی اپنی مرضی سے جی اور مر نہیں سکتے اللہ تعالی کی کونی مشیئت کے آگے مجبور ہیں، مگر اس پر ان کی تعریف واجر نہیں دیا جائے گا کیونکہ وہ انہوں نے اپنی آزاد مرضی سے نہیں کیے۔ جبکہ شرعی مشیئت وہ ہے جو اللہ تعالی اپنی کتابوں اور رسولوں کے ذریعہ بتاتا ہے اور اس سے راضی بھی ہوتا ہے اور اس پر عمل پیرا ہونے والا قابل تعریف اور اجر ہوتا ہے۔ (ط ع)

ہے، اور ہر چیز کا سجدہ اس کے حسبِ حال ہوتا ہے جس میں رب کی اطاعت گزاری ہو، پس ہر چیز اپنے مطابق حقیقتاً تسبیح کرتی ہے نہ کہ مجازاً)[1]۔

اور شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے مجموع الفتاوی: (۲۰/۱۰) اللہ تعالی کے اس ارشاد کے بارے میں:

﴿أَفَغَيْرَ دِينِ اللَّهِ يَبْغُونَ وَلَهُ أَسْلَمَ مَنْ فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ طَوْعًا وَكَرْهًا وَإِلَيْهِ يُرْجَعُونَ﴾

(آل عمران: ۸۳)

(کیا وہ اللہ تعالی کے دین کے سوا اور دین کی تلاش میں ہیں؟ حالانکہ تمام آسمانوں والے اور سب زمین والے اللہ تعالی ہی کے فرمانبردار ہیں خوشی سے ہوں یا ناخوشی سے، اور سب اسی کی طرف لوٹائے جائیں گے)

آپ نے فرمایا: (اللہ تعالی نے بیان کیا ہے کہ کائنات کی ہر چیز مطیع اور فرمانبردار ہوئی چاہے خوشی سے ہو یا ناخوشی سے۔ کیونکہ تمام مخلوقات اللہ تعالی کے آگے پوری طرح سے عبودیت میں جھک گئی ہے چاہے کوئی اس کا اقرار کرے یا انکار، وہ سب کے سب اس کے تابع ہیں، سب اس کے فرمانبردار ہیں خوشی سے ہوں یا ناخوشی سے، کسی کے اختیار میں اس کی مشیئت، تقدیر اور فیصلہ سے خارج ہونا ممکن نہیں، کسی میں طاقت اور قدرت نہیں مگر اس کی مدد سے، وہ تمام جہانوں کا رب اور مالک ہے، ان کے بارے میں جیسا چاہتا ہے ویسا تصرف کرتا ہے، وہی ان تمام چیزوں کا خالق ہے، انہیں پیدا کر کے صورت عطاء کرنے والا ہے، اس کے سوا تمام چیزیں مخلوق و مربوب (رزق دی جاتی) ہیں، پست، فقیر اور محتاج ہیں، عبادت گزار اور مقہور ہیں، اور وہ سبحانہ وتعالی ایک اکیلا زبردست قدرت والا ہے، خالق باری اور مصور ہے)

---

[1] مجموع الفتاوی (۴۵/۱)۔

چوتھی فصل: خالق کا وجود اور اس کی وحدانیت ثابت کرنے کے قرآنی انداز کا بیان

خالق کا وجود اور اس کی وحدانیت کو ثابت کرنے کا قرآنی انداز ہی در حقیقت فطرتِ صحیحہ اور عقولِ سلیمہ کے عین مطابق ہے، اور وہ اس طرح سے کہ صحیح دلائل کے ذریعہ ایسی حجت قائم کی جاتی ہے جسے عقل تسلیم و قبول کرلے اور مخالفین اس کے آگے ہتھیار ڈال دیں، مثلاً:

۱- یہ بات بدیہی طور پر معلوم ہے کہ ہر واقع ہونے والی چیز کا کوئی واقع کرنے والا ہے:

یہ ایک ایسا بدیہی معاملہ ہے جو فطرتاً سب کو معلوم ہے، یہاں تک کہ بچے بھی اس بات کو سمجھتے ہیں، اگر بچے کو کوئی مارے اور بچہ اسے نہ دیکھ رہا ہو، تو بچہ یہ سوال کرتا ہے: کس نے مجھے مارا؟ اگر جواباً کہا جائے: کسی نے نہیں، تو اس کی عقل اس بات کو تسلیم نہیں کرے گی کہ ضرب بغیر کسی ضرب لگانے والے کے کیسے لگ سکتی ہے، پھر اگر کہا جائے کہ فلاں نے تمہیں ضرب لگائی (مارا)، تو وہ روتا ہے یہاں تک کہ اس مارنے والے کو بھی مارا جائے، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿أَمْ خُلِقُوا مِنْ غَيْرِ شَيْءٍ أَمْ هُمُ الْخَالِقُونَ﴾ (الطور: ۳۵)

(کیا یہ بغیر کسی (پیدا کرنے والے) کے خود بخود پیدا ہوگئے ہیں؟ یا یہ خود (اپنے آپ کو) پیدا کرنے والے ہیں؟)

یہ محصور تقسیم ہے، اللہ تعالیٰ نے استفہام انکاری کے صیغے میں اس کا ذکر کیا ہے، تاکہ یہ واضح ہو جائے کہ یہ باتیں لازماً معلوم ہوتی ہیں، ان کا انکار ممکن ہی نہیں، فرمایا:

﴿أَمْ خُلِقُوا مِنْ غَيْرِ شَيْءٍ﴾ (الطور: ۳۵)

(کیا یہ بغیر کسی (پیدا کرنے والے) کے خود بخود پیدا ہوگئے ہیں؟)

یعنی: بغیر کسی پیدا کرنے والے کے پیدا ہو گئے، یا انہوں نے خود اپنے آپ کو پیدا کیا ہے؟ اور دونوں ہی باتیں باطل اور ناممکن ہیں، لہذا ثابت یہ ہوا کہ لازماً کوئی پیدا کرنے والا ہے جس نے انہیں پیدا کیا ہے، اور وہ اللہ سبحانہ وتعالی ہیں، ان کے سوا اور کوئی خالق نہیں، ارشاد باری تعالی ہے:

﴿هَذَا خَلْقُ اللَّهِ فَأَرُونِي مَاذَا خَلَقَ الَّذِينَ مِن دُونِهِ﴾ (لقمان: ۱۱)

(یہ ہے اللہ کی مخلوق، اب تم مجھے اس کے سوا دوسرے کسی کی کوئی مخلوق تو دکھاؤ)

﴿أَرُونِي مَاذَا خَلَقُوا مِنَ الْأَرْضِ﴾ (الاحقاف: ۴)

(مجھے بھی تو دکھاؤ کہ انہوں نے زمین کا کون سا ٹکڑا بنایا ہے)

﴿أَمْ جَعَلُوا لِلَّهِ شُرَكَاءَ خَلَقُوا كَخَلْقِهِ فَتَشَابَهَ الْخَلْقُ عَلَيْهِمْ قُلِ اللَّهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ وَهُوَ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ﴾ (الرعد: ۱۶)

(کیا جنہیں یہ اللہ کے شریک ٹھہرا رہے ہیں انہوں نے بھی اللہ کی طرح مخلوق پیدا کی ہے کہ ان کی نظر میں پیدائش مشتبہ ہو گئی ہو، کہہ دیجئے کہ صرف اللہ ہی تمام چیزوں کا خالق ہے، وہ اکیلا ہے اور زبردست غالب ہے)

﴿إِنَّ الَّذِينَ تَدْعُونَ مِن دُونِ اللَّهِ لَن يَخْلُقُوا ذُبَابًا وَلَوِ اجْتَمَعُوا لَهُ﴾ (الحج: ۷۳)

(اللہ کے سوا جن جن کو تم پکارتے ہو وہ ایک مکھی بھی تو پیدا نہیں کر سکتے، گو سارے کے سارے ہی جمع ہو جائیں)

﴿وَالَّذِينَ يَدْعُونَ مِن دُونِ اللَّهِ لَا يَخْلُقُونَ شَيْئًا وَهُمْ يُخْلَقُونَ﴾ (النحل: ۲۰)

(اور جن جن کو یہ لوگ اللہ تعالی کے سوا پکارتے ہیں وہ کسی چیز کو پیدا نہیں کر سکتے،

بلکہ وہ خود پیدا کیے ہوئے ہیں)

﴿أَفَمَن يَخْلُقُ كَمَن لَّا يَخْلُقُ أَفَلَا تَذَكَّرُونَ﴾ (النحل: ۱۷)

(تو کیا وہ جو پیدا کرتا ہے اس جیسا ہے جو پیدا نہیں کر سکتا؟ کیا تم بالکل نہیں سوچتے)

اور اس بار بار چیلنج کے باوجود کسی نے یہ دعویٰ نہیں کیا کہ اس نے کچھ پیدا کیا ہے، محض دعویٰ تک نہیں کیا ثابت کرنا تو دور کی بات رہی، لہذا یقیناً یہ ثابت ہو گیا کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ ہی اکیلے خالق ہیں اور ان کا کوئی شریک نہیں۔

۲- کائنات کے تمام معاملات اور احکامات کا (اکیلے) انتظام فرمانا:

اس بات کی سب سے عمدہ اور ٹھوس دلیل کہ اللہ تعالیٰ ہی تمام کائنات میں تدبیر کرتے ہیں اور وہ بلا تنازعہ اکیلے رب ہیں ان کا کوئی شریک نہیں، اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے:

﴿مَا اتَّخَذَ اللَّهُ مِن وَلَدٍ وَمَا كَانَ مَعَهُ مِنْ إِلَٰهٍ إِذًا لَّذَهَبَ كُلُّ إِلَٰهٍ بِمَا خَلَقَ وَلَعَلَا بَعْضُهُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ﴾ (المؤمنون: ۹۱)

(نہ تو اللہ نے کسی کو بیٹا بنایا اور نہ اس کے ساتھ اور کوئی معبود ہے، ورنہ ہر معبود اپنی مخلوق کو لیے لیے پھرتا اور ہر ایک دوسرے پر چڑھ دوڑتا)

حقیقی الٰہ (معبود) کے لیے لازم ہے کہ وہ خالق (پیدا کرنے والا) اور فاعل (عمل وفعل کرنے والا) ہو۔ اگر اللہ تعالیٰ کے ساتھ کوئی اور الٰہ ہوتا جو مملکت میں اس کا شریک ہوتا (پاک ہے اللہ تعالیٰ کی ذات اس سے) تو پھر اس کی بھی مخلوق ہوتی اور اس کا بھی فعل (عمل دخل) ہوتا، اور اگر ایسا ہوتا تو ہر الٰہ دوسرے کی شرکت کو پسند نہیں کرتا، بلکہ جس سے بھی ہو سکتا وہ دوسرے پر غالب آنے کی کوشش کرتا اور اکیلا ہی مملکت کا مالک اور معبود بن جاتا، اور اگر ایسا نہ کر سکتا تو مملکت اور مخلوق میں سے اپنا حصہ لیکر الگ ہو جاتا، جیسا کہ دنیا کے بادشاہ اپنی اپنی مملکت لیکر الگ ہوتے ہیں اور اس کے نتیجے میں تقسیم ہو جاتی، اور تین میں سے ایک بات

لازماً واقع ہوتی:

۱۔ دونوں میں سے کوئی ایک دوسرے کو شکست دیتا اور اکیلا مملکت کا مالک بن جاتا۔

۲۔ یا دونوں میں سے ہر ایک اپنی اپنی مملکت اور مخلوق لیکر الگ ہو جاتے، اور اس کے نتیجہ میں تقسیم ہو جاتی۔

۳۔ یا دونوں کسی ایک بادشاہ کے ماتحت ہو جائیں اور وہ جیسا چاہے ان کے بارے میں تصرف کرے، اور اس کے نتیجہ میں دونوں اس ایک اللہ کے بندے ہو جاتے اور وہ ان دونوں کا معبودِ حقیقی۔

دراصل حقیقت یہی ہے، اس لیے کہ جہان میں کوئی تقسیم اور خلل واقع نہیں ہوا جو اس بات کی دلیل ہے کہ اس کی تدبیر کرنے والا ایک ہی ہے جس کا کوئی مقابل نہیں، اور اس کا مالک بھی ایک ہی ہے جس کا کوئی شریک نہیں۔

۴۔ مخلوقات کو اپنی خصوصیات کے ساتھ کام انجام دینے کے لیے مسخر کیا گیا ہے:

اس جہان میں کوئی ایسی مخلوق نہیں جو نافرمانی کرتی ہو اور اپنا کام (جس کے لئے وہ پیدا کی گئی ہے) سرانجام نہ دیتی ہو، اور یہی دلیل موسی علیہ السلام نے پیش کی جب فرعون نے دریافت کیا:

﴿قَالَ فَمَن رَّبُّكُمَا يَا مُوسَىٰ﴾ (طہ: ۴۹)

(فرعون نے پوچھا کہ اے موسیٰ! تم دونوں کا رب کون ہے؟)

موسی علیہ السلام نے کافی شافی جواب دیا:

﴿رَبُّنَا الَّذِي أَعْطَىٰ كُلَّ شَيْءٍ خَلْقَهُ ثُمَّ هَدَىٰ﴾ (طہ: ۵۰)

(ہمارا رب وہ ہے جس نے ہر ایک کو اس کی خاص صورت، شکل عطا فرمائی پھر راہ سجھادی)

یعنی: ہمارا رب وہ ہے جس نے تمام مخلوقات کو پیدا کیا، اور ہر مخلوق کو ایسی خلقت عطاء فرمائی جو اس کے لائق تھی، کسی کا جسم بڑا کسی کا درمیانہ اور کسی کا چھوٹا اور ہر ایک کی اس کے مطابق مخصوص صفات، پھر جو مخلوق جس کام کے لیے پیدا کی گئی ہے اس کی اس جانب ہدایت (رہنمائی) بھی فرمادی، اور یہ ہدایت ہدایتِ دلالت والہام (فطری الہامی) ہے، اور یہ ایسی مکمل ہدایت ہے جس کا مشاہدہ تمام مخلوقات میں کیا جاسکتا ہے۔ آپ دیکھیں گے کہ ہر مخلوق ان فوائد کی تگ ودو میں ہے جن کے لیے وہ پیدا کی گئی ہے اور نقصانات کو اپنے سے دور کرتی ہے، یہاں تک کہ ایک جانور کو بھی اللہ تعالی نے اتنا شعور عطاء کیا ہے کہ وہ اپنے فائدہ کی چیز حاصل کر سکتا ہے، اور نقصان دہ چیز کو اپنے سے دور کرتا ہے، اور ہر چیز زندگی میں اپنا کردار ادا کر رہی ہے، اور یہی بات اللہ تعالی کے اس فرمان میں بیان ہوئی:

﴿الَّذِي أَحْسَنَ كُلَّ شَيْءٍ خَلَقَهُ﴾ (السجدۃ: ٧)

(جس نے نہایت خوب بنائی جو چیز بھی بنائی)

لہذا جس نے تمام مخلوقات کو پیدا کیا، اور اسے ایسی اچھی شکل عطاء کی کہ عقل اس سے زیادہ بہتر شکل کبھی تجویز نہیں کر سکتی اور اسے اپنے مصالحِ حیات کی رہنمائی عطا فرمائی، وہ ذات ہی درحقیقت ربِ کریم کی ذات اقدس ہے۔ لہذا اس ذات کا انکار کرنا درحقیقت وجود کے اعتبار سے سب سے عظیم ترین چیز کا انکار ہے، یہ تکبر اور کھلے عام جھوٹ بولنا ہے، اللہ تعالی ہی نے مخلوقات کو ہر وہ چیز عطاء فرمائی جس کی انہیں دنیا میں ضرورت ہے، پھر انہیں ان چیزوں سے فائدہ اٹھانے کا طریقہ سکھایا، اور اس میں کوئی شک نہیں کہ اللہ تعالی نے ہر چیز کو اس کی مناسب شکل وصورت عطاء فرمائی، اور ہر نر اور مادہ کو اس کی خاص شکل عطاء فرمائی جو نکاح، الفت اور معاشرت کے اعتبار سے اس کی جنس کے ساتھ مناسبت رکھتی ہو، اور ہر عضوء

کو اس کی مناسبت سے خاص شکل عطاء فرمائی جس سے وہ اس کے مطابق فوائد حاصل کر سکے، ان سب میں واضح اور قطعی دلائل ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہی ہر چیز کے رب ہیں، اور صرف وہ ہی عبادت کے لائق ہیں۔ . .

وفي كُلِّ شيءٍ لهُ آيةٌ　　　تدلُّ على أنَّه الواحدُ

(ہر چیز میں اس کی نشانی ہے　　　جو نشاندہی کر رہی ہے کہ وہ ایک ہے)

اس میں کوئی شک نہیں کہ اللہ (سبحانہ وتعالیٰ) کی اپنی مخلوق پر ربوبیت کے اثبات اور اس میں انفرادیت سے مقصود اللہ (سبحانہ وتعالیٰ) کی بلاشرکتِ غیرے عبادت کے وجوب پر استدلال ہے، اور یہی توحیدِ الوہیت ہے۔ لہذا اگر کوئی انسان توحیدِ ربوبیت کا تو اقرار کرے لیکن توحیدِ الوہیت کا اقرار نہ کرے یا جیسا کہ اس کا حق ہے اس پر قائم نہ رہے تو وہ مسلمان اور موحد نہیں ہوتا، بلکہ وہ منکر اور کافر ہی ہوگا، اور اسی کے بارے میں ہم آنے والی فصل میں بات کریں گے — ان شاءاللہ تعالیٰ۔

پانچویں فصل: اس بات کا بیان کہ توحیدِ ربوبیت توحیدِ الوہیت کو مستلزم ہے

اس کا مطلب یہ ہے کہ جو کوئی بھی اللہ تعالیٰ کے لیے توحیدِ ربوبیت کا اقرار کرتا ہے، اور اس بات کا اعتراف کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی پیدا کرنے والا نہیں، کوئی رزق دینے والا نہیں، کوئی کائنات میں تدبیر اور تصرف کرنے والا نہیں، اس پر یہ بات لازم ہوتی ہے کہ وہ اس بات کا بھی اقرار کرے کہ کسی بھی قسم کی عبادت کا حقدار اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی اور نہیں، اور یہی توحیدِ الوہیت ہے۔ الوہیت درحقیقت عبادت ہے، الٰہ کا مطلب ہے: معبود، لہذا اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو نہ پکارا جائے، کسی سے مدد نہ مانگی جائے، کسی پر توکل نہ کیا جائے، کسی کے

لیے قربانیاں اور ذبح نہ کیا جائے اور نہ ہی نذر و نیاز کی جائیں، اور ہر قسم کی عبادت اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کے لیے نہ کی جائیں۔ لہٰذا توحیدِ ربوبیت در حقیقت توحیدِ الوہیت کے وجوب کی دلیل ہے، اسی لیے غالباً اللہ تعالیٰ توحیدِ الوہیت کے منکرین پر ان کا توحیدِ ربوبیت کا اقرار کرنا بطورِ حجت قائم کرتے ہیں، مثلاً اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان:

﴿يَاأَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ وَالَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ الْأَرْضَ فِرَاشًا وَالسَّمَاءَ بِنَاءً وَأَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَخْرَجَ بِهِ مِنَ الثَّمَرَاتِ رِزْقًا لَكُمْ فَلَا تَجْعَلُوا لِلَّهِ أَنْدَادًا وَأَنْتُمْ تَعْلَمُونَ﴾ (البقرۃ: ٢١-٢٢)

(اے لوگو! اپنے اس رب کی عبادت کرو جس نے تمہیں اور تم سے پہلے کے لوگوں کو پیدا کیا، یہی تمہارا بچاؤ ہے (یا تاکہ تمہیں تقویٰ حاصل ہو) * جس نے تمہارے لئے زمین کو فرش اور آسمان کو چھت بنایا اور آسمان سے پانی برسا کر اس سے پھل پیدا کر کے تمہیں روزی دی، خبردار! باوجود جاننے کے اللہ کے شریک مقرر نہ کرو۔)

پس اللہ تعالیٰ نے توحیدِ الوہیت کا حکم دیا جو کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنا ہے، اور ان پر توحیدِ ربوبیت یعنی تمام اگلے پچھلے لوگوں کو پیدا کرنا، آسمان اور زمین کو اور جو کچھ ان میں ہے سب کو پیدا کرنا، ہواؤں کو مسخر کرنا، بارش برسانا، نباتات اور پودے اگانا، بندوں کے لیے بطورِ رزق پھل نکالنا سے حجت قائم کی، چنانچہ بندوں کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی اور کو شریک ٹھہرائیں جبکہ وہ جانتے ہیں کہ جنہیں وہ شریک ٹھہرا رہے ہیں انہوں نے مذکورہ افعال یا ان کے علاوہ جو ہیں میں سے کچھ نہیں کیا ہے۔ پس توحیدِ ربوبیت سے استدلال کرتے ہوئے توحیدِ الوہیت کا اثبات کرنا فطری طریقہ ہے کیونکہ انسان کا سب سے پہلے تعلق اس کے پیدا کرنے والے سے اور اس کے فائدے اور نقصانات کے ماخذ سے ہوتا ہے، اس کے بعد وہ دیگر دوسرے ذرائع کی طرف منتقل ہوتا ہے جو اسے اس سے قریب

کر دیں، اور اسے راضی کر دیں، اور دونوں کے درمیان مضبوط تعلق قائم ہو جائے، لہذا توحید ربوبیت در حقیقت دروازہ ہے توحید الوہیت کا، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے مشرکین پر اسی طریقہ سے حجت قائم کی ہے، اور اسی طریقہ سے حجت قائم کرنے کا اپنے رسول (ﷺ) کو بھی حکم فرمایا، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿قُلْ لِمَنِ الْأَرْضُ وَمَنْ فِيهَا إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ سَيَقُولُونَ لِلَّهِ قُلْ أَفَلَا تَذَكَّرُونَ قُلْ مَنْ رَبُّ السَّمَاوَاتِ السَّبْعِ وَرَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيمِ سَيَقُولُونَ لِلَّهِ قُلْ أَفَلَا تَتَّقُونَ قُلْ مَنْ بِيَدِهِ مَلَكُوتُ كُلِّ شَيْءٍ وَهُوَ يُجِيرُ وَلَا يُجَارُ عَلَيْهِ إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ سَيَقُولُونَ لِلَّهِ قُلْ فَأَنَّى تُسْحَرُونَ﴾

(المؤمنون: ۸۴-۸۹)

(پوچھئے تو سہی کہ زمین اور اس کی کل چیزیں کس کی ہیں؟ بتلاؤ اگر جانتے ہو؟* فوراً جواب دیں گے کہ اللہ کی، کہہ دیجئے کہ پھر تم نصیحت کیوں نہیں حاصل کرتے* دریافت کیجئے کہ ساتوں آسمانوں کا اور بہت باعظمت عرش کا رب کون ہے؟* وہ لوگ جواب دیں گے کہ اللہ ہی ہے، کہہ دیجئے کہ پھر تم کیوں نہیں ڈرتے؟* پوچھئے کہ تمام چیزوں کا اختیار کس کے ہاتھ میں ہے؟ جو پناہ دیتا ہے اور جس کے مقابلہ میں کوئی پناہ نہیں دیا جاتا، اگر تم جانتے ہو تو بتلادو؟* یہی جواب دیں گے کہ اللہ ہی ہے، کہہ دیجئے پھر تم کدھر سے جادو کر دیے جاتے ہو؟)

اور ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ذَلِكُمُ اللَّهُ رَبُّكُمْ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ فَاعْبُدُوهُ﴾ (الانعام: ۱۰۲)

(یہ ہے اللہ تعالیٰ تمہارا رب! اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، ہر چیز کا پیدا کرنے والا ہے، تو تم اسی کی عبادت کرو)

پس اللہ تعالیٰ نے ربوبیت پر اپنی انفرادیت کے ذریعہ عبادت کے مستحق ہونے پر

حجت قائم کی، اور وہ توحیدِ الوہیت ہی ہے کہ جس کے لئے اللہ تعالی نے تمام مخلوقات کو پیدا فرمایا، ارشاد باری تعالی ہے:

﴿وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ﴾ (الذاریات: ٥٦)

(میں نے جنات اور انسانوں کو محض اسی لیے پیدا کیا ہے کہ وہ صرف میری عبادت کریں)

آیت میں ﴿يَعْبُدُونِ﴾ کا مطلب: (صرف میری عبادت کریں) ہے، اور بندہ محض توحیدِ ربوبیت کا اقرار کرنے سے موحد نہیں ہوتا، یہاں تک کہ وہ توحیدِ الوہیت کا بھی اقرار نہ کرلے اور اس پر عمل کرے، ورنہ تو مشرکین بھی توحیدِ ربوبیت کا اقرار کرتے تھے اس کے باوجود وہ اسلام میں داخل نہیں تصور کیے گئے، بلکہ نبی (ﷺ) نے ان سے قتال کیا جبکہ وہ اس بات کا اقرار کررہے تھے کہ اللہ تعالی ہی خالق، رازق، زندگی اور موت دینے والے ہیں، جیسا کہ ارشاد باری تعالی ہے:

﴿وَلَئِن سَأَلْتَهُم مَّنْ خَلَقَهُمْ لَيَقُولُنَّ اللَّهُ﴾ (الزخرف: ٨٧)

(اگر آپ ان سے دریافت کریں کہ انہیں کس نے پیدا کیا ہے؟

تو یقیناً یہ جواب دیں گے کہ اللہ نے)

﴿وَلَئِن سَأَلْتَهُم مَّنْ خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ لَيَقُولُنَّ خَلَقَهُنَّ الْعَزِيزُ الْعَلِيمُ﴾

(الزخرف: ٩)

(اگر آپ ان سے دریافت کریں کہ آسمانوں اور زمین کو کس نے پیدا کیا تو یقیناً ان کا جواب یہی ہوگا کہ انہیں غالب ودانا (اللہ) نے ہی پیدا کیا ہے)

﴿قُلْ مَن يَرْزُقُكُم مِّنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ أَمَّن يَمْلِكُ السَّمْعَ وَالْأَبْصَارَ وَمَن يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَيُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَمَن يُدَبِّرُ الْأَمْرَ فَسَيَقُولُونَ اللَّهُ﴾ (یونس: ٣١)

(آپ کہیے کہ وہ کون ہے جو تم کو آسمان اور زمین سے رزق پہنچاتا ہے یا وہ کون ہے جو کانوں اور آنکھوں پر پورا اختیار رکھتا ہے اور وہ کون ہے جو زندہ کو مردہ سے نکالتا ہے اور مردہ کو زندہ سے نکالتا ہے اور وہ کون ہے جو تمام کاموں کی تدبیر کرتا ہے؟ ضرور وہ یہی کہیں گے کہ "اللہ")

اس بات کا ذکر قرآن کریم میں بہت جگہ ہوا ہے، لہذا جس نے یہ دعوی کیا کہ توحید کا مطلب اللہ تعالی کے وجود کا اقرار کرنا ہے، یا اس بات کا اقرار کہ اللہ تعالی خالق ہیں اور کائنات میں تدبیر کرتے ہیں، اور بس اسی پر اکتفاء کیا، تو درحقیقت اسے اس توحید کی حقیقت کا علم ہی نہیں ہوا جس کی دعوت رسولوں نے دی، اس لیے کہ اس نے لازم کو چھوڑ کر صرف ملزوم پر اکتفا کیا، یا صرف دلیل پر اکتفا کیا اور یہ دلیل جس پر دلالت کر رہی تھی (مدلول) اسے چھوڑ دیا۔

اور الوہیت کے خصائص میں ہے: ہر اعتبار سے کمال مطلق، جس میں کسی بھی اعتبار سے کوئی نقص نہ ہو، جو اس بات کا متقاضی ہے کہ ساری عبادت اکیلے اس ہی کے لیے کی جائے، اس ہی کے لیے تعظیم اور اجلال ہو، خشیت اور دعاء ہو، امید، رجوع وانابت، توکل، استعانت (مدد طلب کرنا) واستغاثہ (فریاد کرنا)، انتہائی عاجزی کے ساتھ انتہائی محبت ہو، یہ سب عقلاً اور شرعاً اور فطرتاً اس بات کا تقاضا کر رہی ہیں کہ یہ سب صرف ایک اللہ کے لیے ہونا چاہیے جبکہ عقل، شریعت اور فطرت اس بات کی نفی کرتی ہیں کہ یہ اللہ تعالی کے سوا کسی اور کے لیے ہو۔

۲۔ توحید الوہیت

یہ درج ذیل فصول پر مشتمل ہے:

پہلی فصل: توحید الوہیت کے مطلب کے بارے میں ہے، اور یہ کہ یہی رسولوں کی دعوت کا

اصل موضوع ہے۔

دوسری فصل: شہادتین کے بارے میں ہے: ان دونوں کا مطلب، ارکان، شرائط، تقاضے اور نواقض۔

تیسری فصل: شریعت سازی کے بارے میں ہے، کہ تحلیل و تحریم اللہ تعالیٰ کا حق ہے۔

چوتھی فصل: عبادت کے بارے میں ہے: اس کا مطلب، اقسام اور شمولیت۔

پانچویں فصل: عبادت کا تعین کرنے میں غلط تصورات کے بارے میں ہے (مثلاً عبادت کے مفہوم میں تقصیر یا غلو کرنا)۔

چھٹی فصل: صحیح عبادت کی بنیادوں کے بارے میں ہے: محبت — خوف — عاجزی — امید۔

ساتویں فصل: عمل اور عبادت قبول ہونے کی شرائط کے بارے میں ہے: اور وہ ہیں اخلاص اور شریعت کے بتائے ہوئے طریقے (سنت) کی پابندی۔

آٹھویں فصل: دین کے مراتب کے بارے میں ہے، اور وہ ہیں: اسلام — ایمان — احسان، ان کی تعریف اور ان کے مابین عموم اور خصوص کا بیان۔

پہلی فصل: توحید الوہیت کا مطلب، اور یہ کہ یہی رسولوں کی دعوت کا موضوع ہے

الوہیت عبادت ہے اور توحید الوہیت یہ ہے کہ: بندوں کے وہ شرعی اعمال جن سے وہ اللہ تعالیٰ کا تقرب حاصل کرنا چاہتے ہیں وہ صرف اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ادا کیے جائیں، مثلاً دعا، نذر و نیاز، منت، قربانی، امید، خوف، توکل، رغبت، خشیت، انابت، اور توحید کی یہ ہی قسم اول تا آخر تمام رسولوں کا موضوع رہا ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِي كُلِّ أُمَّةٍ رَّسُولًا أَنِ اعْبُدُوا اللَّهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوتَ﴾ (النحل: ٣٦)

(ہم نے ہر امت میں رسول بھیجا کہ (لوگو!) صرف اللہ کی عبادت کرو اور اس کے سوا تمام معبودوں سے بچو)

اور ارشاد باری تعالی ہے:

﴿وَمَا أَرْسَلْنَا مِن قَبْلِكَ مِن رَّسُولٍ إِلَّا نُوحِي إِلَيْهِ أَنَّهُ لَا إِلَٰهَ إِلَّا أَنَا فَاعْبُدُونِ﴾ (الانبیاء: ٢٥)

(آپ سے پہلے بھی جو رسول ہم نے بھیجا اس کی طرف یہی وحی نازل فرمائی کہ میرے سوا کوئی معبودِ برحق نہیں پس تم سب میری ہی عبادت کرو)

اور ہر رسول اپنی قوم کو دعوت دینا توحید الوہیت ہی سے شروع کرتے تھے، جیسا کہ نوح، ہود، صالح اور شعیب علیہم السلام نے فرمایا:

﴿يَا قَوْمِ اعْبُدُوا اللَّهَ مَا لَكُم مِّنْ إِلَٰهٍ غَيْرُهُ﴾ (الاعراف: ٥٩)

(اے میری قوم! تم اللہ کی عبادت کرو اس کے سوا کوئی تمہارا معبود ہونے کے قابل نہیں)

﴿وَإِبْرَاهِيمَ إِذْ قَالَ لِقَوْمِهِ اعْبُدُوا اللَّهَ وَاتَّقُوهُ﴾ (العنکبوت: ١٦)

(اور ابراہیم علیہ السلام نے بھی اپنی قوم سے فرمایا کہ اللہ تعالی کی عبادت کرو اور اس سے ڈرتے رہو)

اور محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر بھی یہی نازل کیا گیا:

﴿قُلْ إِنِّي أُمِرْتُ أَنْ أَعْبُدَ اللَّهَ مُخْلِصًا لَّهُ الدِّينَ﴾ (الزمر: ١١)

(آپ کہہ دیجئے! کہ مجھے حکم دیا گیا ہے کہ اللہ تعالی کی اس طرح عبادت کروں۔ اسی کے لیے عبادت کو خالص کرلوں)

اور نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) کا ارشاد ہے: ''أُمِرْتُ أَنْ أُقَاتِلَ النَّاسَ حَتَّى يَشْهَدُوا أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللّٰهِ''[1] (مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں لوگوں سے قتال کروں یہاں تک کہ وہ اس بات کی گواہی دیں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ کے رسول ہیں)

لہٰذا ہر مکلف شخص پر سب سے پہلے یہ واجب ہوتا ہے کہ وہ: اس بات کی گواہی دے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اور اس پر عمل کرے، ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿فَاعْلَمْ أَنَّهُ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْبِكَ﴾ (محمد: ١٩)

(سو (اے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم)) آپ یقین کرلیں اور اس بات کا علم حاصل کریں کہ اللہ کے سوا کوئی معبودِ حقیقی نہیں، اور اپنے گناہوں کی بخشش مانگا کریں)

اور جو کوئی بھی اسلام میں داخل ہونا چاہتا ہے اسے سب سے پہلے: کلمۂ شہادت کا زبان سے تلفظ کرنے کا حکم دیا جاتا ہے، چنانچہ اس سے واضح ہو گیا کہ: توحیدِ الوہیت ہی رسولوں کی دعوت کا مقصود ہے، اور یہ توحیدِ الوہیت اس لیے کہلاتی ہے کیونکہ الوہیت اللہ تعالیٰ کا ایسا وصف ہے جو اس کے نام (اللہ) پر دلالت کرتا ہے، اللہ یعنی: الوہیت والا، یعنی معبودِ حقیقی۔

اور اسے توحیدِ عبادت بھی کہا جاتا ہے، اس اعتبار سے کہ عبودیت بندے کا وصف ہے، کیونکہ اس پر واجب ہے کہ وہ اخلاص کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرے، اس لیے کہ وہ اپنے رب کا محتاج ہے اور اپنے رب پر انحصار کرنے والا ہے، شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے

[1] البخاري الإيمان (٢٥)، مسلم الإيمان (٢٢)۔

فرمایا: (یہ بات اچھی طرح جان لو کہ بندہ اللہ تعالیٰ کا ایسا محتاج ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرے اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائے، اس کی کوئی نظیر نہیں کہ اس پر قیاس کیا جائے، لیکن کچھ اعتبارات سے مشابہت پائی جاتی ہے جیسا کہ جسم کو کھانے اور پینے کی ضرورت ہوتی ہے، جبکہ ان کے درمیان بھی بہت فرق پایا جاتا ہے۔ کیونکہ بندے کی حقیقت اس کا دل اور روح ہے، اور اس کی درستگی اس کے الٰہ اللہ تعالیٰ کے بغیر ممکن نہیں جس کے سوا کوئی معبودِ حقیقی نہیں، لہذا دنیا میں اللہ تعالیٰ کے ذکر کے بغیر اطمینان حاصل نہیں ہو سکتا، اور اگر بندہ کو کچھ لذت اور سرور اللہ تعالیٰ کے (ذکر کے) بغیر حاصل بھی ہو جائے تو اسے دوام حاصل نہیں رہتا، بلکہ وہ ایک قسم سے دوسری قسم کی طرف اور ایک شخص سے دوسرے شخص کی طرف منتقل ہوتا رہتا ہے، لیکن الٰہ کی ضرورت اسے ہر حال میں اور ہر وقت رہتی ہے، وہ جہاں کہیں بھی ہو وہ (اپنی رحمت، علم و قدرت کے اعتبار سے) اس کے ساتھ ہوتا ہے)[1]

اور توحید کی یہی قسم تمام رسولوں کی دعوت کا موضوع رہا ہے، اس لیے کہ یہ وہ بنیاد ہے جس پر تمام اعمال کی عمارت تعمیر کی جاتی ہے، اگر یہ نہ ہو تو تمام اعمال درست نہیں ہوتے، اور اگر یہ نہ ہو تو اس کا مخالف ضرور ہوتا ہے اور وہ ہے شرک، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهِ﴾ (النساء: ۴۸)

(یقیناً اللہ تعالیٰ اپنے ساتھ شریک کیے جانے کو نہیں بخشتا)

اور ارشاد باری تعالیٰ ہے:

[1] مجموع الفتاوی: (۲۴/۱).

﴿وَلَوْ أَشْرَكُوا لَحَبِطَ عَنْهُمْ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ﴾ (الانعام: ۸۸)

(اور اگر بالفرض یہ (انبیاء کرام) بھی شرک کرتے تو جو کچھ یہ اعمال کرتے تھے وہ سب اکارت ہو جاتے)

اور ارشاد باری تعالی ہے:

﴿لَئِنْ أَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ وَلَتَكُونَنَّ مِنَ الْخَاسِرِينَ﴾ (الزمر: ۶۵)

(اگر آپ (ﷺ) نے شرک کیا تو بلا شبہ آپ کا عمل ضائع ہو جائے گا اور بالیقین آپ زیاں کاروں میں سے ہو جائیں گے)

اور اس لیے بھی کیونکہ توحید کی یہ قسم بندے پر جو کچھ واجب ہے اس میں سے اولین حق ہے، جیسا کہ ارشاد باری تعالی ہے:

﴿وَاعْبُدُوا اللَّهَ وَلَا تُشْرِكُوا بِهِ شَيْئًا وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا﴾ (النساء: ۳۶)

(اور اللہ تعالی کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو اور ماں باپ کے ساتھ اچھا سلوک کرو)

﴿وَقَضَى رَبُّكَ أَلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا إِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا﴾ (الاسراء: ۲۳)

(اور تیرا رب صاف صاف حکم دے چکا ہے کہ تم اس کے سوا کسی اور کی عبادت نہ کرنا اور ماں باپ کے ساتھ احسان کرنا)

اور ارشاد باری تعالی ہے:

﴿قُلْ تَعَالَوْا أَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبُّكُمْ عَلَيْكُمْ أَلَّا تُشْرِكُوا بِهِ شَيْئًا وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا﴾

(الانعام: ۱۵۱)

(آپ (ﷺ) کہیں کہ آؤ میں تم کو وہ چیزیں پڑھ کر سناؤں جن کو تمہارے رب نے تم پر حرام فرمادیا ہے، وہ یہ کہ اللہ کے ساتھ کسی چیز کو شریک مت ٹھہراؤ اور والدین کے ساتھ احسان کرو)

دوسری فصل: شہادتین: ان کا صحیح مطلب اور اس میں جو غلطیاں واقع ہوئیں، اور ان کے ارکان، شرائط، تقاضے اور نواقض (مبطلات) کا بیان

شہادتین کا صحیح مطلب اور اس کی باطل تفسیرات

۱- "شہادة ان لا الٰہ الا اللہ" کا مطلب یہ ہے کہ: "الاعتقاد والإقرار أنه لا يستحق العبادة إلا الله ، والتزام ذلك والعمل به" (اس بات کا اقرار کرنا اور اعتقاد رکھنا کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، اس کا التزام کرنا اور اس پر عمل کرنا)۔ چنانچہ (لا الٰہ) اس بات کی نفی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق ہو خواہ کوئی بھی ہو، (الا اللہ) اس بات کا اثبات ہے کہ عبادت کے مستحق صرف اللہ تعالیٰ ہیں، اور اس کلمہ کا اجمالی مطلب یہ ہے کہ: "لا معبود بحق إلا الله" (اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں)، اور (لا) کی خبر کو (بحق) (برحق) سے ہی تعبیر کیا جائے گا، اس کو موجود سے تعبیر کرنا درست نہیں[1]، کیونکہ یہ حقیقتِ حال کے خلاف ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کے سوا معبودات تو بکثرت موجود ہیں

[1] یعنی "لا الٰہ الا اللہ" کا معنی "لا معبود بحق الا اللہ" (اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود حقیقی نہیں) کیا جانے کا نہ کہ "لا معبود الا اللہ" (اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں) یا پھر "لا معبود موجود الا اللہ" (اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود موجود نہیں)۔ (طع)

اور اس سے یہ بات لازم آتی ہے کہ ان معبودات کی عبادت کرنا بھی گویا اللہ تعالی کی ہی عبادت ہے، جبکہ یہ باطل ترین بات ہوگی۔ اور یہ وحدت الوجود کے قائل لوگوں کا مذہب ہے جو کہ اس زمین کے سب سے بڑے کافر لوگ ہیں۔

اس کلمہ کی بہت سی باطل تفسیرات بھی کی گئیں، ان میں سے بعض درج ذیل ہیں:

١. اس کا مطلب ہے: "لا معبودَ إلا الله" (کوئی معبود نہیں سوائے اللہ تعالی کے)۔

جبکہ یہ باطل تفسیر ہے، اس لیے کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ: ہر معبود خواہ حق ہو یا باطل وہ اللہ ہے، جیسا کہ ہم نے کچھ پہلے اس کا بیان کیا ہے۔

٢. اس کا مطلب ہے: "لا خالقَ إلا الله" (کوئی پیدا کرنے والا نہیں سوائے اللہ تعالی کے)، یہ اس کلمہ کے معنی کا صرف ایک جزء ہے، حالانکہ یہ اصل مقصود نہیں، کیونکہ اس سے صرف توحیدِ ربوبیت ثابت ہوتی ہے، اور محض یہ توحید کافی نہیں یہ تو مشرکین کی بھی توحید ہے۔

٣- اس کا مطلب ہے: "لا حاکمیةَ إلا الله" (کسی کی حاکمیتِ اعلی نہیں سوائے اللہ تعالی کے)۔

یہ بھی در حقیقت اس کلمہ کے معنی کا صرف ایک جزء ہے، اصل مقصود نہیں، اور نا ہی یہ کافی ہے، کیونکہ اگر کوئی اللہ تعالی کو صرف حاکمیتِ اعلی میں اکیلا تسلیم بھی کر لے لیکن ساتھ ہی اللہ تعالی کے سوا کسی اور کو پکارے، اس سے دعاء کرے یا کچھ عبادت اس کے لیے ادا کرے تو وہ موحد نہیں ہوگا۔ پس اس قسم کی تمام تفسیرات باطل یا ناقص ہیں، ہم نے اس پر اس لئے تنبیہ کی ہے کیونکہ یہ بعض عام طور پر پڑھی جانے والی کتابوں میں موجود ہے[1]۔

[1] اس کے علاوہ بھی اس کلمے کے بہت سے غلط یا ناقص و مبہم معنی سننے میں آتے ہیں جیسے عوام کا عام تصور کہ (اللہ تعالی ایک ہے) یا پھر ہم نے ایک عالم کو کلمے کا مطلب یہ کہتے ہوئے سنا کہ (میں صرف اللہ کی ہی مانوں گا اور کسی کی نہیں مانوں گا!) (طارق)

چنانچہ اس کلمے کی صحیح تفسیر سلف صالحین اور محققین کی نظر میں یہ ہے کہ اس طرح کہا جائے: "لامعبود بحق إلا الله" (اللہ تعالی کے سوا کوئی معبودِ برحق نہیں) جیسا کہ اس کا پہلے ذکر ہو چکا ہے[1]۔

۲- "شهادة ان محمدا رسول الله" کا مطلب یہ ہے: اس بات کا اعتراف باطن اور ظاہر میں کیا جائے کہ محمد (ﷺ) اللہ تعالی کے بندہ اور اس کے رسول ہیں جو تمام لوگوں کی طرف بھیجے گئے ہیں، اور اس کے تقاضوں کے مطابق عمل کیا جائے اس طرح کہ: "طاعته فيما أمر، وتصديقه فيما أخبر، واجتناب ما نهى عنه وزجر، وألا يُعبدَ الله إلا بما شرع" (جن باتوں کا وہ حکم فرمائیں ان کی اطاعت کی جائے، جن باتوں کی وہ خبر فرمائیں ان کی تصدیق کی جائے، جن باتوں سے منع اور خبردار فرمائیں ان سے اجتناب کیا جائے اور اللہ تعالی کی عبادت آپ (ﷺ) کے بتائے ہوئے طریقے کے مطابق کی جائے)۔

شہادتین کے ارکان

۱- لا الہ الا اللہ: اس کے دو ارکان ہیں (نفی اور اثبات):

رکنِ اول: نفی: لا الہ (کوئی معبود نہیں)، اس سے شرک کی تمام اقسام کی نفی ہوتی ہے، اور اس سے لازم ہوتا ہے کہ اللہ تعالی کے سوا تمام معبودات کا انکار کیا جائے۔

رکنِ ثانی: اثبات: الا اللہ (سوائے اللہ کے)، اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ کوئی عبادت کے

---

[1] اسکی تفصیل جاننے کے لیے پڑھیں کتاب "فتح الملک الوھاب فی رد شبہ المرتاب" از شیخ عبد اللطیف بن عبد الرحمن بن حسن بن محمد بن عبد الوہاب رحمہ اللہ، "دروس من القرآن الکریم" از شیخ صالح الفوزان، دینی سیاسی جماعتوں کا انبیاء کرام کے منہج سے انحراف از شیخ ربیع المدخلی۔ (ط ع)

لائق اور حقدار نہیں سوائے اللہ کے، اور اس پر عمل کرنا لازم ہوتا ہے۔ لہذا ان دونوں ارکان کے مفہوم کا ذکر بہت سی آیات میں آیا ہے، جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿فَمَن يَكْفُرْ بِالطَّاغُوتِ وَيُؤْمِن بِاللَّهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقَىٰ﴾ (البقرۃ: ۲۵۶)

(جو شخص اللہ تعالیٰ کے سوا دوسرے معبودوں کا انکار کر کے اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے اس نے مضبوط کڑے کو تھام لیا)

اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد: ﴿فَمَن يَكْفُرْ بِالطَّاغُوتِ﴾ (جو شخص اللہ تعالیٰ کے سوا دوسرے معبودوں کا انکار کرے) یہ رکنِ اول کا مطلب ہے (لا الـٰہ)، اور یہ فرمان: ﴿وَيُؤْمِن بِاللَّهِ﴾ (اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے) یہ رکنِ ثانی کا مطلب ہے (الا اللہ)۔

اور ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان:

﴿إِنَّنِي بَرَاءٌ مِّمَّا تَعْبُدُونَ إِلَّا الَّذِي فَطَرَنِي﴾ (الزخرف: ۲۷)

(میں ان چیزوں سے بیزار ہوں جن کی تم عبادت کرتے ہو* بجز اس ذات کے جس نے مجھے پیدا کیا ہے)

ابراہیم علیہ السلام کا یہ کہنا: ﴿إِنَّنِي بَرَاءٌ مِّمَّا تَعْبُدُونَ﴾ (میں ان چیزوں سے بیزار ہوں جن کی تم عبادت کرتے ہو) یہ وہی نفی ہے جو رکنِ اول "لا الہ" کے مفہوم میں ہے، اور یہ کہنا: ﴿إِلَّا الَّذِي فَطَرَنِي﴾ (بجز اس ذات کے جس نے مجھے پیدا کیا ہے) یہ اثبات ہے جو رکنِ ثانی کے مفہوم میں ہے۔

۲- شهادة أن محمداً رسول الله: اس کے دو ارکان ہیں اور وہ ہمارا یہ کہنا ہے عبده ورسوله (اللہ کے بندے اور رسول ہیں):

عبدہ ورسولہ میں نبی (ﷺ) کے حق میں افراط اور تفریط دونوں کی نفی ہے کہ وہ اللہ تعالی کے بندے اور رسول ہیں، اور وہ ان دونوں عظیم الشان صفات کے اعتبار سے اکمل الخلق ہیں۔

یہاں پر عبد (بندہ) کا مطلب ہے: "المملوك العابد. أي: أنه بشرٌ مخلوق مما خلق منه البشر، يجري عليه ما يجري عليهم" (عبادت گزار مملوک، یعنی کہ: وہ ایک مخلوق انسان وبشر ہیں باقی انسانوں کی طرح، وہ بھی ان تمام چیزوں سے دوچار ہوتے ہیں جن سے دوسرے انسان ہوتے ہیں)، جیسا کہ ارشاد باری تعالی ہے:

﴿ قُلْ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ ﴾ (الکہف: ١١٠)

(آپ کہہ دیجئے کہ میں تو تم جیسا ہی ایک انسان ہوں)

اور نبی (ﷺ) نے عبودیت (بندگی) کا بھرپور حق ادا کیا اور اللہ تعالی نے ان کی اس بات پر تعریف فرمائی، ارشاد باری تعالی ہے:

﴿ أَلَيْسَ اللَّهُ بِكَافٍ عَبْدَهُ ﴾ (الزمر: ٣٦)

(کیا اللہ تعالی اپنے بندے کے لیے کافی نہیں؟)

﴿ الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي أَنْزَلَ عَلَى عَبْدِهِ الْكِتَابَ ﴾ (الکہف: ١)

(تمام تعریفیں اسی اللہ کے لیے سزاوار ہیں جس نے اپنے بندے پر یہ قرآن اتارا)

﴿ سُبْحَانَ الَّذِي أَسْرَى بِعَبْدِهِ لَيْلًا مِنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ إِلَى الْمَسْجِدِ الْأَقْصَى ﴾ (الاسراء: ١)

(پاک ہے وہ اللہ تعالی جو اپنے بندے کو رات ہی رات میں
مسجد حرام سے مسجد اقصی تک لے گیا)

رسول کا مطلب ہے : "المبعوث إلى الناس كافة بالدعوة إلى الله بشيرًا ونذيرًا" (جو دعوت الی اللہ (کی ذمہ داری) لے کر تمام لوگوں کی طرف مبعوث کیا گیا ہو اور وہ خوشخبری بھی سناتا ہو اور خبردار بھی کرتا ہو)۔

رسالت کی ان دونوں صفات کے ساتھ گواہی دینے میں نبی اکرم (ﷺ) کے حق میں افراط اور تفریط کی نفی ہوتی ہے۔ بہت سے لوگ جو نبی کریم (ﷺ) کے امتی ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں انہوں نے نبی اکرم (ﷺ) کے حق میں افراط اور غلو سے کام لیا، یہاں تک کہ انہیں عبودیت کے رتبہ سے بلند کر کے اللہ تعالیٰ کے ساتھ ان کی بھی عبادت کے رتبہ پہ پہنچا دیا، تو وہ اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر ان سے مدد مانگنے لگے، اور وہ چیزیں مانگنے لگے جن پر صرف اللہ تعالیٰ ہی قدرت رکھتے ہیں جیسے مشکل کشائی اور حاجت روائی کرنا۔ جبکہ دوسری طرف بعض نے یا تو ان کی رسالت کا انکار کیا یا ان کی پیروی میں کمی کی اور سنت کے مخالف آراء و اقوال پہ انحصار کیا، اور جو احکامات انہوں نے بتائے اور جو خبریں انہوں نے دیں ان میں ظلم اور ناانصافی سے کام لیا۔

شہادتین کی شرائط

۱- لا الٰہ الا اللہ کی شرائط :

لا الٰہ الا اللہ کی گواہی دینے کے لیے سات شرائط لازم ہیں، اس کلمہ کا تلفظ کرنے والے کو ان کے بغیر کوئی فائدہ نہیں ہو گا اگر یہ سات شرطیں سب کی سب پوری نہ ہوں، اور یہ شرائط اجمالی طور پر درج ذیل ہیں :

پہلی : علم جو جہل کے منافی ہے۔

دوسری : یقین جو شک کے منافی ہے۔

تیسری : قبول جو رد کرنے کے منافی ہے۔

چوتھی : انقیاد (اطاعت گزاری) جو ترک (نافرمانی) کے منافی ہے۔

پانچویں : اخلاص جو شرک کے منافی ہے۔

چھٹی : صدق (سچائی) جو کذب (جھوٹ) کے منافی ہے۔

ساتویں : محبت جو بغض کے منافی ہے۔

اور اس کی تفصیل کچھ یوں ہے :

پہلی شرط (علم) : یعنی وہ علم جو اس سے مراد ہے "وما تنفیه وما تثبته، المنافی للجهل بذلك" (نفی اور اثبات دونوں صورتوں میں اور یہ جہالت اور لاعلمی کے منافی ہے) ارشاد باری تعالیٰ ہے :

﴿إِلَّا مَن شَهِدَ بِالْحَقِّ وَهُمْ يَعْلَمُونَ﴾ (الزخرف : ۸۶)

(سوائے ان کے جو حق بات کا اقرار کریں اور انہیں اس کا علم بھی ہو)

یعنی : ﴿شَهِدَ بِالْحَقِّ﴾ (حق بات کا اقرار کریں) وہ (حق بات) ہے لا الہ الا اللہ۔ ﴿وَهُمْ يَعْلَمُونَ﴾ (اور انہیں علم بھی ہو) جس بات کی انہوں نے زبان سے گواہی دی ہے اس کا اپنے دلوں میں بھی علم ہو۔ چنانچہ اگر کوئی شخص زبان سے تلفظ کرے جبکہ اسے اس کا مطلب معلوم نہ ہو تو اسے اس اقرار کا کچھ فائدہ نہیں ہوگا، کیونکہ جس چیز پر یہ کلمہ دلالت کرتا ہے وہ اس کا اعتقاد ہی نہیں رکھتا۔

دوسری شرط (یقین) : "بان یکون قائلها مستیقنا بما تدل علیه، فإن کان شاکًا بما تدل علیه لم تنفعه" (اس کلمہ کا اقرار کرنے والے کو اس کا پورا یقین بھی ہو کہ یہ کلمہ کس بات پر

دلالت کر رہا ہے، اگر اسے اس بات پر شک ہو جس پر یہ کلمہ دلالت کر رہا ہے تو اسے اس اقرار کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا) ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوا﴾ (الحجرات: ۱۵)

(مومن تو وہ ہیں جو اللہ پر اور اس کے رسول پر (پکا) ایمان لائیں پھر شک و شبہ نہ کریں) اگر اسے شک و شبہ ہوگا تو وہ منافق ہوگا۔

نبی کریم (ﷺ) نے ایک صحابی سے ارشاد فرمایا: "فَمَنْ لَقِيتَ مِنْ وَرَاءِ هَذَا الْحَائِطِ يَشْهَدُ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ مُسْتَيْقِنًا بِهَا قَلْبُهُ فَبَشِّرْهُ بِالْجَنَّةِ"[۱] (اس دیوار کے پیچھے تمہاری جس سے بھی ملاقات ہو، اگر وہ دل میں یقین کے ساتھ اس بات کی گواہی دیتا ہو کہ لا الٰہ الا اللہ تو اسے جنت کی بشارت سنا دو) گویا جس کے دل میں اس کلمہ کا یقین نہ ہو، وہ جنت میں داخل ہونے کا حقدار نہیں۔

تیسری شرط (قبول): "القبول لما اقتضته هذه الكلمة من عبادة الله وحده، وترك عبادة ما سواه؛ فمن قالها ولم يقبل ذلك ولم يلتزم به؛ كان من الذين قال الله فيهم:

﴿إِنَّهُمْ كَانُوا إِذَا قِيلَ لَهُمْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ يَسْتَكْبِرُونَ وَيَقُولُونَ أَئِنَّا لَتَارِكُوا آلِهَتِنَا لِشَاعِرٍ مَجْنُونٍ﴾ (الصافات: ۳۵-۳۶)"

(جو اس کلمہ کا تقاضا ہے اور وہ ہے اکیلے اللہ تعالیٰ کی عبادت، اور اس کے سوا ہر چیز کی عبادت کو چھوڑ دینا، لہٰذا جس نے یہ کلمہ زبان سے کہا لیکن اسے قبول کر کے اس کا التزام نہیں کیا، تو وہ

[۱] یہ حدیث صحیح مسلم میں ہے، کتاب الایمان (۳۱)۔

ان لوگوں میں سے ہوگا جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

(یہ وہ (لوگ) ہیں کہ جب ان سے کہا جاتا ہے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود حقیقی نہیں تو یہ سرکشی کرتے تھے اور کہتے تھے کہ کیا ہم اپنے معبودوں کو ایک دیوانے شاعر کی بات پر چھوڑ دیں؟))

یہ آج کے قبر پرستوں جیسا حال ہے جو کہتے تو ہیں (لا الٰہ الا اللہ)، لیکن قبروں کی عبادت کرنا نہیں چھوڑتے، لہذا وہ لا الٰہ الا اللہ کے قبول کرنے والے نہیں شمار ہوں گے۔

چوتھی شرط (انقیاد): "الانقیاد لما دلت علیہ" (یہ کلمہ جس چیز پر دلالت کرتا ہے اس کی پابندی اور اطاعت گزاری)، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمَنْ يُسْلِمْ وَجْهَهُ إِلَى اللَّهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقَىٰ﴾ (لقمان: ۲۲)

(اور جو (شخص) اپنے آپ کو اللہ کے تابع کر دے اور ہو بھی وہ نیکو کار،

یقیناً اس نے مضبوط کڑا تھام لیا)

اور ﴿الْعُرْوَةِ الْوُثْقَىٰ﴾ (مضبوط کڑا): لا الٰہ الا اللہ ہے، اور ﴿يُسْلِمْ وَجْهَهُ﴾ (اپنے آپ کو اللہ کے تابع کرنے) کا مطلب ہے: "ینقاد للہ بالإخلاص لہ" (اخلاص کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی اطاعت گزاری)۔

پانچویں شرط (سچائی): اور وہ یہ کہ "أن یقول ھذہ الکلمۃ مصدقًا بھا قلبہ. فإن قالھا بلسانہ ولم یصدق بھا قلبہ کان منافقًا کاذبًا" (اس کلمہ کو دل کی سچائی کے ساتھ کہا جائے، اگر شخص زبان سے تلفظ کرے گا اور دل میں سچائی نہیں ہوگی تو وہ جھوٹا اور منافق ہوگا)، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَقُولُ آمَنَّا بِاللَّهِ وَبِالْيَوْمِ الْآخِرِ وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِينَ * يُخَادِعُونَ اللَّهَ وَالَّذِينَ

آمَنُوا وَمَا يَخْدَعُونَ إِلَّا أَنفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُونَ* فِي قُلُوبِهِم مَّرَضٌ فَزَادَهُمُ اللَّهُ مَرَضاً وَلَهُم عَذَابٌ أَلِيمٌ بِمَا كَانُوا يَكْذِبُونَ ﴾ (البقرۃ: ۸-۱۰)

(بعض لوگ کہتے ہیں کہ ہم اللہ تعالیٰ پر اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتے ہیں، لیکن در حقیقت وہ ایمان والے نہیں ہیں* وہ اللہ تعالیٰ کو اور ایمان والوں کو دھوکا دیتے ہیں، لیکن دراصل وہ خود اپنے آپ کو دھوکہ دے رہے ہیں، مگر سمجھتے نہیں۔ ان کے دلوں میں بیماری تھی اللہ تعالیٰ نے انہیں بیماری میں مزید بڑھا دیا اور ان کے جھوٹ کی وجہ سے ان کے لئے دردناک عذاب ہے)

چھٹی شرط (اخلاص): اور وہ یہ کہ: "تصفيةُ العمل من جميع شوائب الشرك؛ بأن لا يقصد بقولها طمعًا من مطامع الدنيا. ولا رياء ولا سمعة؛ لما في الحديث الصحيح من حديث عتبان قال "فَإِنَّ اللهَ حَرَّمَ عَلَى النَّارِ مَنْ قَالَ لَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ يَبْتَغِي بِذَلِكَ وَجْهَ اللهِ" (الحديث أخرجه الشيخان)" (اس عمل (کلمہ کے اقرار) کو شرک کے ہر ادنی سے ادنی شائبہ تک سے پاک کیا جائے، وہ اس طرح کہ اس عمل (کلمہ کے اقرار) سے کوئی دنیاوی مقاصد اور لالچ مقصود نہ ہو، نہ ہی شہرت یا ریاکاری مقصود ہو، جیسا کہ عتبان رضی اللہ عنہ سے مروی ایک صحیح حدیث میں ہے، فرمایا: [جو لا الہ الا اللہ کا اقرار کرے اور اس کا مقصد اللہ کا تقرب حاصل کرنا ہو تو اللہ تعالیٰ نے اسے آگ پر حرام کر دیا ہے][1])

ساتویں شرط (محبت): "المحبة لهذه الكلمة. ولما تدل عليه. ولأهلها العاملين بمقتضاها" (اس کلمہ سے اور یہ کلمہ جس چیز پر دلالت کرتا ہے اس سے اور اس کا اقرار کر کے اس کے

[1] البخاري الأطعمة (٥٠٨٦)، مسلم المساجد ومواضع الصلاة (٣٣).

تقاضوں کے مطابق عمل کرنے والوں سے محبت رکھنا)

ارشاد باری تعالی ہے:

﴿وَمِنَ النَّاسِ مَن يَتَّخِذُ مِن دُونِ اللَّهِ أَندَادًا يُحِبُّونَهُمْ كَحُبِّ اللَّهِ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَشَدُّ حُبًّا لِّلَّهِ﴾

(البقرۃ: ۱۶۵)

(بعض لوگ ایسے بھی ہیں جو اللہ کے شریک اوروں کو ٹھہرا کر ان سے ایسی محبت رکھتے ہیں جیسی محبت اللہ سے ہونی چاہیے، اور ایمان والے اللہ کی محبت میں بہت سخت ہوتے ہیں)

پس (لا الٰہ الا اللہ) پر یقین رکھنے والے لوگ اللہ تعالی سے خالص محبت رکھتے ہیں۔ جبکہ اہلِ شرک اللہ تعالی سے اور اللہ تعالی کے ساتھ اوروں سے بھی (اللہ جیسی) محبت رکھتے ہیں، اور یہ بات اس کلمہ (لا الٰہ الا اللہ) کے منافی ہے[1]۔

ب- محمد رسول اللہ کی شرائط:

۱- محمد (ﷺ) کی رسالت کا اعتراف کیا جائے، اور باطن میں دل کے ساتھ اس کا اعتقاد رکھا جائے۔

۲- اس کا ظاہر طور پر بھی زبان سے تلفظ اور اعتراف کیا جائے۔

۳- ان کی پیروی کی جائے، اس طور پر کہ جس حق کو وہ لیکر آئے ہیں اس پر عمل کیا جائے، اور جس باطل کو چھوڑنے کا انہوں نے حکم دیا ہے اسے چھوڑ دیا جائے۔

۱ بعض علماء کرام آٹھویں شرط "الکفر بالطاغوت" (طاغوت کا انکار) بھی بیان کرتے ہیں اور جو سات بیان کرتے ہیں وہ کفر بالطاغوت کو اخلاص ہی میں شامل کرتے ہیں۔ تفصیل کے لیے دیکھیں شیخ محمد بن عبدالوہاب رحمہ اللہ کے رسالے "شروط لا الٰہ الا اللہ" کی مختصر شرح "تیسیر الاِلٰہ بشرح شروط لا الٰہ الا اللہ"۔ (ط ع)

۴- ماضی اور مستقبل کی جو غیبی خبریں انہوں نے دی ہیں انکی تصدیق کی جائے۔

۵- ان سے ایسی محبت کی جائے جو اپنی جان، مال، اولاد، والدین اور تمام لوگوں سے زیادہ ہو۔

۶- ان کی بات کو ہر کسی کی بات پر ترجیح دی جائے، اور ان کی سنت پر عمل کیا جائے۔

شہادتین کے لوازمات

۱- شہادۃ ان لا الہ الا اللہ کے لوازمات:

"هو ترك عبادة ما سوى الله من جميع المعبودات . المدلول عليه بالنفي ، وهو قولنا : (لا إله) ، وعبادة الله وحده لا شريك له . المدلول عليه بالإثبات ، وهو قولنا : (إلا الله) " (یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا تمام معبودات کی عبادت کو ترک کر دیا جائے، جو نفی کی صورت میں اس بات کا مدلول ہے (لا الہ)، اور ایک اللہ کی عبادت کی جائے جس کا کوئی شریک نہیں، جو اثبات کی صورت میں اس بات کا مدلول ہے (الا اللہ))۔ اس لیے کہ بہت سے لوگ جو اس کلمہ کو زبان سے کہتے ہیں در حقیقت اس کے تقاضوں کی مخالفت کرتے ہیں، اور وہ الوہیت کہ جس کی دیگر مخلوقات سے نفی کی گئی ہے کو مخلوقات کے لیے ثابت کرتے ہیں جیسے قبور، مزارات اور درخت، پتھر وغیرہ۔

ان لوگوں کا اعتقاد ہے کہ توحید بدعت ہے، اس لیے اس کی طرف دعوت دینے والوں کی یہ لوگ مخالفت کرتے ہیں، اور جو اللہ تعالیٰ کے لیے عبادت کو خالص کرتے ہیں ان کو یہ لوگ برا کہتے ہیں۔

۲- شہادۃ ان محمداً رسول اللہ کے لوازمات:

شہادتِ محمد رسول اللہ کے لوازمات یہ ہیں کہ: "طاعته وتصديقه . وترك ما نهى

عنه. والاقتصار على العمل بسنته. وترك ما عداها من البدع والمحدثات. وتقديم قوله على قول كل أحد" (ان کی اطاعت کی جائے اور ان کی باتوں کی تصدیق کی جائے، ساتھ ہی جن باتوں سے انہوں نے منع فرمایا ہے اسے چھوڑ دیا جائے، اور ان کی سنت پر عمل کرنے پر ہی اکتفا کیا جائے، ساتھ ہی اس کے سوا تمام بدعات کو ترک کر دیا جائے، اور ان کی بات کو ہر کسی کی بات پر فوقیت دی جائے)۔

شہادتین کے نواقض (مخالف امور)

یہ (نواقضِ اسلام) اسلام کے مخالف امور ہیں، اس لیے کہ شہادتین کے اقرار سے ہی انسان اسلام میں داخل ہوتا ہے، اور شہادتین کا زبان سے تلفظ کرنا ہی در حقیقت اس کے مدلول کا اعتراف ہے، اور اس کے لوازمات کی پابندی ہے، شعائرِ اسلام کو ادا کرنا ہے، لہذا اگر وہ اس التزام و پابندی کی مخالفت کرتا ہے تو وہ در حقیقت اس عہد کی مخالفت اور عہد شکنی کرتا ہے جو اس نے زبان سے شہادتین کا اقرار کرتے وقت کیا تھا۔

نواقضِ اسلام بہت سارے ہیں، فقہاء نے اپنی کتابوں میں اس کے لیے ایک باب مختص کر دیا ہے جسے وہ "باب الردة" (دین سے مرتد کر دینے والے امور کا باب) کے نام سے موسوم کرتے ہیں، جن میں سے سب سے اہم دس نواقض (مخالف امور) ہیں جن کا ذکر شیخ الاسلام محمد بن عبدالوہاب رحمہ اللہ نے اپنے اس کلام میں کیا ہے:

۱۔ اللہ تعالیٰ کی عبادت میں شرک، ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذَٰلِكَ لِمَنْ يَشَاءُ﴾ (النساء: ۴۸)

(یقیناً اللہ تعالیٰ اپنے ساتھ شریک کیے جانے کو نہیں بخشتا اور اس کے سوا جسے چاہے بخش دیتا ہے)

اور ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿إِنَّهُ مَن يُشْرِكْ بِاللَّهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللَّهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ وَمَأْوَاهُ النَّارُ وَمَا لِلظَّالِمِينَ مِنْ أَنصَارٍ﴾

(المائدۃ: ۷۲)

(یقین مانو کہ جو شخص اللہ کے ساتھ شریک کرتا ہے اللہ تعالیٰ نے اس پر جنت حرام کر دی ہے، اس کا ٹھکانہ جہنم ہی ہے اور ظالموں کی مدد کرنے والا کوئی نہیں ہوگا)

اسی میں اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کے لیے قربانی دینا بھی شامل ہے، مثلاً قبروں اور مزارات کے لیے یا جن وغیرہ کے لیے ذبح کرنا[1]۔

۲۔ جس نے اپنے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان کوئی واسطہ اور وسیلہ اختیار کیا، جنہیں وہ پکارے اور ان سے شفاعت طلب کرے اور ان پر توکل کرے، تو وہ اجماعاً کافر ہے[2]۔

[1] کیونکہ تقرب کے لیے جانور ذبح کرنا عبادت ہے جو کہ صرف اللہ وحدہ لا شریک کا حق ہے، اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: "فصلّ لربّك وانحر" (الکوثر: ۲) (اور اپنے رب کے لیے نماز پڑھ اور قربانی کر)، "قل إنّ صلاتي ونسكي ومحياي ومماتي للّه ربّ العالمين (۱٦۲) لا شريك له" (الانعام: ۱۶۲-۱۶۳) (کہ میری نماز، قربانی، میرا جینا مرنا اللہ رب العالمین کے لیے ہے، اس کا کوئی شریک نہیں)، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "لعن اللّه من ذبح لغير اللّه" (صحیح مسلم: ۱۹۷۹) (اللہ تعالیٰ نے اس شخص پر لعنت کی جس نے غیر اللہ کے لیے ذبح کیا)۔ مختلف عبادات کے دلائل کے لیے دیکھیں کتاب "الاصول الثلاثۃ" از شیخ الاسلام محمد بن عبد الوہاب رحمہ اللہ۔ (م ع)

[2] یہاں یہ فرق کرنا ضروری ہے کہ جو کوئی براہ راست غیر اللہ سے دعاء کرے اس عقیدے کے ساتھ کہ یہ اللہ تعالیٰ کے پاس میری سفارش کریں گے یا وسیلہ ہیں تو یہ شرک ہے کیونکہ دعاء عبادت ہے جو اللہ تعالیٰ کا حق ہے کسی اور کے لیے اسے ادا کرنا شرک ہے، اور یہی مشرکین عرب کا شرک تھا۔ لیکن جو دعاء تو اللہ تعالیٰ سے کرے لیکن اس دعاء میں اللہ تعالیٰ کو واسطہ دے کہ پیارے نبی کے واسطے یا وسیلے یا طفیل ہماری دعاء قبول فرمالے۔ تو یہ شرک نہیں بلکہ بدعت ہے۔ شرک اس لیے نہیں کیونکہ دعاء جو کہ عبادت ہے اس کا حق تو اللہ

(جاری ہے۔۔۔)

۳۔ جو مشرکین کو کفار نہ سمجھے، اور جو ان کے کفر میں شک کرے، یا ان کے مذہب کو درست قرار دے وہ بھی کافر ہے[1]۔

۴۔ جو یہ سمجھے کہ نبی اکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) کے طریقے سے کسی اور کا طریقہ افضل ہے، یا ان کے فیصلے سے کسی اور کا فیصلہ بہتر ہے، جیسے کہ وہ لوگ جو طاغوتی احکامات کو محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے احکامات سے اور ان قوانین کو اسلامی احکامات سے افضل سمجھتے ہیں[2]۔

۵۔ جس نے کسی ایسی چیز سے بغض اور نفرت کی جو رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) لے کر آئے ہیں،

تعالیٰ کو دیا ہے۔ بدعت اس لیے ہے کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ثابت نہیں۔ مدینہ نبویہ کے مشہور عالم شیخ صالح السحیمی حفظہ اللہ فرماتے ہیں لہٰذا ان دونوں میں فرق کرنا بہت ضروری ہے، بعض لوگ ان دو میں فرق کو نظر انداز کرتے ہوئے بدعتی وسیلے کو بھی شرک کہہ دیتے ہیں۔ (اتحاف الکرام البررۃ بشرح نواقض الاسلام العشرۃ از شیخ صالح السحیمی) (ط ح)

1 شیخ صالح السحیمی "اتحاف الکرام البررۃ بشرح نواقض الاسلام العشرۃ" میں فرماتے ہیں: کافر کو کافر نہ سمجھنے سے مراد اصلی کافر جیسے یہود و نصاریٰ، مجوس و بت پرست وغیرہ ہیں بعض لوگ جہالت میں کہہ دیتے ہیں کہ کسی کو بھی کافر نہیں کہنا چاہیے حالانکہ اس کا مطلب اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب ہے کہ جنھوں نے انہیں کافر قرار دیا ہے۔ البتہ اسلامی فرقوں میں سے بعض کی تکفیر کرنے کے بارے میں توقف کرنے والے پر اس کا اطلاق نہیں ہوگا کیونکہ ہو سکتا ہے اس کی تکفیر میں اختلاف ہو جیسے خوارج وغیرہ۔ (ط ح)

2 شیخ صالح الفوزان شرح نواقض اسلام میں فرماتے ہیں کہ جو غیر شرعی قوانین کو اسلامی قوانین سے افضل سمجھے، یا برابر سمجھے، یا اپنے آپ کو مختار سمجھے چاہے تو شریعت سے فیصلہ کرے یا کسی اور قانون سے، یا کسی غیر شرعی فیصلے کو جائز سمجھے تو ایسا شخص کافر ہے۔ لیکن جو اپنی خواہش نفس کی پیروی یا رشوت وغیرہ دنیاوی مفادات کی خاطر غیر شرعی فیصلے کرے تو وہ کفر اصغر کا مرتکب ہے جو دائرہ اسلام سے خارج نہیں جب تک اس کے حلال ہونے کا عقیدہ نہ رکھے۔ جیسا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے آیت کریمہ کی تفسیر میں وارد ہے۔ (ط ح)

اگرچہ وہ اس پر عمل ہی کیوں نہ کرتا ہو، تو اس نے کفر کیا۔

۶۔ جس نے رسول اللہ (ﷺ) کے بتائے ہوئے دین کی کسی چیز کا مذاق اڑایا تو اس نے کفر کیا، اور اس بات کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ ارشادِ مبارک ہے:

﴿قُلْ أَبِاللَّهِ وَآيَاتِهِ وَرَسُولِهِ كُنتُمْ تَسْتَهْزِئُونَ لَا تَعْتَذِرُوا قَدْ كَفَرْتُم بَعْدَ إِيمَانِكُمْ﴾

(التوبۃ: ٦٦)

(کہہ دیجئے کہ کیا اللہ تعالیٰ، اس کی آیتیں اور اس کا رسول (ﷺ) ہی تمہارے ہنسی مذاق کے لیے رہ گئے ہیں؟ * تم بہانے نہ بناؤ یقیناً تم نے ایمان کے بعد کفر کیا ہے)[1]

۷۔ جادو، اور اس میں صرف اور عطف بھی ہے (شاید اس سے شیخ الاسلام کا مقصد وہ عمل ہے جس کے ذریعہ سے ایک شخص کے دل میں اپنی بیوی سے نفرت پیدا کی جاتی ہے، یا کوئی ایسا عمل جس سے بیوی کی محبت دل میں ڈال دی جاتی ہے)، جس کسی نے کوئی ایسا عمل کیا، یا اس پر راضی ہوا تو اس نے کفر کیا، اس بات کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے:

﴿وَمَا يُعَلِّمَانِ مِنْ أَحَدٍ حَتَّىٰ يَقُولَا إِنَّمَا نَحْنُ فِتْنَةٌ فَلَا تَكْفُرْ﴾ (البقرۃ: ١٠٢)

(وہ دونوں بھی کسی شخص کو (جادو) اس وقت تک نہیں سکھاتے تھے جب تک یہ نہ کہہ دیں

[1] بہت سے مسلمان اس معاملے کو بہت ہلکا لیتے ہیں اور اللہ، رسول، فرشتوں، جنت و جہنم وغیرہ پر لطیفے بناتے ہیں حالانکہ یہ صریح کفر ہے جس سے انسان دائرہ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے۔ اس معاملے کی خطرناکی کو لوگوں میں عام کرنے کی اشد ضرورت ہے۔ شیخ فوزان شرح نواقض اسلام میں فرماتے ہیں اس معاملے میں سنجیدہ اور مذاق کرنے والا برابر ہیں اسی طرح سے استہزاء زبان سے بھی ہو سکتا ہے اور اشارے سے بھی، اور اس میں بھی فرق نہیں کہ دین کی کسی بڑی چیز کا مذاق اڑایا جائے یا چھوٹی سی چیز کو سب برابر کفر ہے۔ (ط ع)

کہ ہم تو ایک آزمائش ہیں تو کفر نہ کر)

۸۔ مسلمانوں کے خلاف مشرکین کی مدد و مظاہرت کرنا، اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے:

﴿وَمَن يَتَوَلَّهُم مِّنكُمْ فَإِنَّهُ مِنْهُمْ إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ﴾ (المائدۃ: ۵۱)

(تم میں سے جو بھی ان میں سے کسی سے دوستی کرے وہ بے شک انہی میں سے ہے، ظالموں کو اللہ تعالیٰ ہرگز راہ راست نہیں دکھاتا)[1]

۹۔ جو یہ اعتقاد رکھے کہ بعض لوگوں کے لیے محمد (ﷺ) کی شریعت کی پابندی سے نکلنا جائز ہے جیسا کہ خضر کے لیے موسیٰ علیہ السلام کی شریعت کی پابندی سے نکلنا جائز تھا، تو وہ کافر ہے، میں

[1] شیخ صالح السحیمی "التعلیق المختصر علی نواقض الاسلام" اور "التفصیل فی موالاۃ الکفار" میں فرماتے ہیں کفار کی مظاہرت، اعانت و مدد اور موالات (دوستی) کی چھ اقسام ہیں ا۔ ان کے کفر و شرک سے راضی ہو کر یعنی ان کے دین کی وجہ سے مسلمانوں کے خلاف ان کی مدد کرنا یہ کفر ہے۔ ۲۔ دنیاوی مصلحت یا ذاتی کی وجہ سے کافروں کی مدد کرنا یہ حرام اور کبیرہ گناہ ہے لیکن کفر نہیں جیسا کہ صحیح بخاری میں حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ کا قصہ سورۂ ممتحنۃ کی تفسیر میں مشہور ہے۔ ۳۔ جائز موالات یعنی ان کے فتنے کے ڈر سے ظاہراً دوستی دکھانا لیکن دل میں ان سے اور ان کے دین سے نفرت و بغض رکھنا ایسا ضرورت کے تحت کرنا جائز ہے جیسا کہ سورۂ آل عمران آیت ۲۸ اور سورۂ نحل آیت ۱۰۶ اور اس کی تفسیر میں عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کا قصہ مشہور ہے۔ ۴۔ ایسے معاملات جسے بعض جاہل لوگ موالات (دوستی و محبت) سمجھتے ہیں حالانکہ وہ تو معاملات ہیں جو کہ جائز ہیں جیسے تجارتی معاملات، خرید و فروخت، ادھار وغیرہ اس کا الولاء والبراء (اللہ تعالیٰ کے لیے دوستی و نفرت) کے عقیدے سے کوئی تعلق نہیں خود رسول اللہ ﷺ کی زرہ آپ ﷺ کی وفات کے وقت ایک یہودی کے پاس رہن رکھی ہوئی تھی جو آپ نے کچھ اناج کے عوض رہن رکھوائی تھی۔ لہذا بعض جوشیلے نوجوانوں اور جماعتوں کا اسلامی ممالک کے سربراہان کو محض کافروں سے تعلق رکھنے یا معاہدات کرنے یا کبھی مسلمانوں کے خلاف ان کی مدد کر لینے سے مطلقاً کافر قرار دینا جائز نہیں، مندرجہ بالا تفصیل کو مد نظر رکھنا بہت ضروری ہے۔ (طارق)

کہتا ہوں: یہ ویسا ہی ہے جیسا کہ غالی صوفیوں کا اعتقاد ہے کہ بعض لوگ اس درجہ پر پہنچ جاتے ہیں کہ انہیں نبی کریم (ﷺ) کی پیروی کی ضرورت نہیں رہتی۔

۱۰- اللہ تعالیٰ کے دین سے اعراض کرنا (منہ موڑنا)، کہ نہ اس کی تعلیم حاصل کرتا ہے اور نہ ہی اس پر عمل کرتا ہے، اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے:

﴿وَالَّذِينَ كَفَرُوا عَمَّا أُنذِرُوا مُعْرِضُونَ﴾ (الاحقاف: ۳)

(اور کافر لوگ جس چیز سے ڈرائے جاتے ہیں منہ موڑ لیتے ہیں)

﴿وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّن ذُكِّرَ بِآيَاتِ رَبِّهِ ثُمَّ أَعْرَضَ عَنْهَا إِنَّا مِنَ الْمُجْرِمِينَ مُنتَقِمُونَ﴾ (السجدۃ: ۲۲)

(اس سے بڑھ کر ظالم کون ہے جسے اللہ تعالیٰ کی آیتوں سے وعظ کیا گیا پھر بھی اس نے ان سے منہ پھیر لیا، (یقین مانو) کہ ہم مجرموں سے انتقام لینے والے ہیں)

شیخ الاسلام محمد بن عبدالوہاب رحمہ اللہ نے فرمایا: (ان تمام نواقض میں سے کسی کا بھی مرتکب خواہ مذاق میں کرے یا سنجیدگی سے یا پھر ڈر کی وجہ سے ان حالات میں (اس کے حکم میں) کوئی فرق نہیں، سوائے اس کے جسے زبردستی ایسا کرنے پر مجبور کیا گیا ہو، اور یہ تمام امور انتہائی خطرناک ہیں، اور کثرت سے موجود بھی ہیں، لہذا ایک مسلمان کو چاہیے کہ ان سے بچ کر رہے، اور اس میں واقع ہونے سے ڈرے، ہم اللہ تعالیٰ کے غضب اور اس کے دردناک عذاب میں مبتلا کرنے والے اسباب سے اس کی پناہ مانگتے ہیں)[1]

[1] مجموعة التوحيد النجدية: ص ۳۸-۳۹۔

تیسری فصل: شریعت سازی کے بارے میں

شریعت سازی اللہ تعالیٰ کا حق ہے: اور تشریع (شریعت سازی) سے مراد ہے:

(وہ منہج وضابطۂ حیات جو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لئے نازل فرمایا تاکہ اپنے عقائد ومعاملات وغیرہ کے سلسلے میں وہ اس کی پیروی کریں۔ اسی میں سے تحلیل وتحریم بھی شامل ہے۔ پس کسی کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ کسی چیز کو حلال قرار دے سوائے اس کے جسے اللہ تعالیٰ نے حلال قرار دیا ہو، اسی طرح کسی چیز کو حرام قرار دے سوائے اس کے جسے اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہو) اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَلَا تَقُولُوا لِمَا تَصِفُ أَلْسِنَتُكُمُ الْكَذِبَ هَٰذَا حَلَالٌ وَهَٰذَا حَرَامٌ لِّتَفْتَرُوا عَلَى اللَّهِ الْكَذِبَ﴾ (النحل: ۱۱۶)

(کسی چیز کو اپنی زبان سے جھوٹ موٹ نہ کہہ دیا کرو کہ یہ حلال ہے اور یہ حرام ہے کہ اللہ تعالیٰ پر جھوٹ بہتان باندھ لو)

اور فرمایا:

﴿قُلْ أَرَأَيْتُم مَّا أَنزَلَ اللَّهُ لَكُم مِّن رِّزْقٍ فَجَعَلْتُم مِّنْهُ حَرَامًا وَحَلَالًا قُلْ آللَّهُ أَذِنَ لَكُمْ أَمْ عَلَى اللَّهِ تَفْتَرُونَ﴾ (یونس: ۵۹)

(آپ (ﷺ) کہیں کہ یہ تو بتاؤ کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے جو کچھ رزق بھیجا تھا پھر تم نے اس کا کچھ حصہ حرام اور کچھ حلال قرار دے لیا۔ آپ (ﷺ) پوچھیں کہ کیا تم کو اللہ تعالیٰ نے اس کا حکم دیا تھا یا اللہ تعالیٰ پر افتراء ہی کرتے ہو؟)

پس اللہ تعالیٰ نے کتاب وسنت کی دلیل کے سوا تحلیل وتحریم کرنے سے منع فرمایا ہے، اور خبر دی کہ یہ اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھنے کے مترادف ہے، اسی طرح یہ بھی خبر دی کہ

جس کسی نے بنا دلیل کسی چیز کو واجب یا حرام قرار دیا تو اس نے گویا کہ اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کی اس خصیت یعنی حق شریعت سازی میں شریک مقرر کر لیا۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ أَمْ لَهُمْ شُرَكَاءُ شَرَعُوا لَهُم مِّنَ الدِّينِ مَا لَمْ يَأْذَن بِهِ اللَّهُ ﴾ (الشوریٰ: ۲۱)

(کیا ان لوگوں نے ایسے (اللہ تعالیٰ کے) شریک مقرر کر رکھے ہیں جنہوں نے ان کے لئے ایسے احکام دین مقرر کر دیئے ہیں جس کی اللہ تعالیٰ نے اجازت نہیں دی)

جس کسی نے اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی شریعت ساز کی اطاعت کی اور یہ جانتے ہوئے بھی اس کے اس فعل کی موافقت کی تو اس نے اسے اللہ تعالیٰ کا شریک قرار دے دیا، اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ وَإِنْ أَطَعْتُمُوهُمْ إِنَّكُمْ لَمُشْرِكُونَ ﴾ (الانعام: ۱۲۱)

(اور اگر تم ان لوگوں کی اطاعت کرنے لگو تو یقیناً تم بھی مشرک ہو جاؤ گے)

یعنی مثلاً اگر کسی نے اللہ تعالیٰ کے حرام کردہ مردار کو حلال قرار دیا، اور کسی نے اس بات میں اس کی اطاعت کی تو وہ مشرک ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے خبر دی کہ جس کسی نے احبار (علماء) اور رہبان (درویشوں) کی اللہ تعالیٰ کے حرام کردہ کی تحلیل اور حلال کردہ کی تحریم میں اطاعت کی پس یقیناً اس نے انہیں اللہ تعالیٰ کے علاوہ اپنا رب بنا لیا، اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ اتَّخَذُوا أَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ أَرْبَابًا مِّن دُونِ اللَّهِ وَالْمَسِيحَ ابْنَ مَرْيَمَ وَمَا أُمِرُوا إِلَّا لِيَعْبُدُوا إِلَٰهًا وَاحِدًا لَّا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ سُبْحَانَهُ عَمَّا يُشْرِكُونَ ﴾ (التوبۃ: ۳۱)

(ان لوگوں نے اللہ کو چھوڑ کر اپنے عالموں اور درویشوں کو رب بنایا ہے اور مریم کے بیٹے مسیح علیہ السلام کو حالانکہ انہیں صرف ایک اکیلے اللہ تعالیٰ ہی کی عبادت کا حکم دیا گیا تھا جس کے سوا کوئی معبود برحق نہیں، وہ پاک ہے ان کے شریک مقرر کرنے سے)

جب عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ نے یہ آیت سنی تو عرض کی: "يَا رَسُولَ اللهِ، إِنَّا لَسْنَا نَعْبُدُهُمْ. فَقَالَ لَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: - أَلَيْسُوا يُحِلُّونَ مَا حَرَّمَ اللهُ، فَتُحِلُّونَهُ، وَيُحَرِّمُونَ مَا أَحَلَّ اللهُ فَتُحَرِّمُونَهُ؟ قَالَ: بَلَى. قَالَ: فَتِلْكَ عِبَادَتُهُمْ"[1] (یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)! ہم تو ان کی عبادت نہیں کیا کرتے تھے۔ اس پر نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا: کیا ایسا نہیں تھا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی حرام کردہ چیز کو حلال قرار دیتے تھے تو تم بھی اسے حلال سمجھتے تھے، اور اسی طرح سے اللہ تعالیٰ کی حلال کردہ چیز کو حرام قرار دیتے تھے تو تم بھی اسے حرام سمجھتے تھے؟ انہوں نے فرمایا: ہاں (ایسا تو کرتے تھے)، آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا: یہی تو ان کی عبادت کرنا ہے)

شیخ عبدالرحمن بن حسن رحمہ اللہ فرماتے ہیں: (اس حدیث میں دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ کی معصیت میں احبار ورہبان کی اطاعت اللہ تعالیٰ کے علاوہ ان کی عبادت شمار ہوگی، اور اس شرکِ اکبر میں شمار ہوگی جسے اللہ تعالیٰ معاف نہیں فرماتے، کیونکہ اسی آیت کے آخر میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿وَمَا أُمِرُوا إِلَّا لِيَعْبُدُوا إِلَٰهًا وَاحِدًا لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ سُبْحَانَهُ عَمَّا يُشْرِكُونَ﴾ (التوبۃ: ۳۱)

(حالانکہ انہیں صرف ایک اکیلے اللہ تعالیٰ ہی کی عبادت کا حکم دیا گیا تھا جس کے سوا کوئی معبود برحق نہیں، وہ پاک ہے ان کے شریک مقرر کرنے سے)

اور اس کی نظیر اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان بھی ہے:

[1] ترمذی ۳۰۹۵

﴿وَلَا تَأْكُلُوا مِمَّا لَمْ يُذْكَرِ اسْمُ اللَّهِ عَلَيْهِ وَإِنَّهُ لَفِسْقٌ وَإِنَّ الشَّيَاطِينَ لَيُوحُونَ إِلَىٰ أَوْلِيَائِهِمْ لِيُجَادِلُوكُمْ وَإِنْ أَطَعْتُمُوهُمْ إِنَّكُمْ لَمُشْرِكُونَ﴾ (الانعام: ۱۲۱)

(اور ایسے جانوروں میں سے مت کھاؤ جن پر اللہ تعالیٰ کا نام نہ لیا گیا ہو اور یہ کام فسق ہے اور یقیناً شیاطین اپنے دوستوں کے دل میں ڈالتے ہیں تاکہ یہ تم سے جدال کریں اور اگر تم ان لوگوں کی اطاعت کرنے لگو تو یقیناً تم مشرک ہو جاؤ گے)

اور ایسا سلوک بہت سے لوگ ان کے ساتھ کر جاتے ہیں جن کی وہ تقلید کر رہے ہوتے ہیں، اس طور پر کہ وہ جس کی تقلید کر رہے ہوتے ہیں اس کے قول کے خلاف (واضح) دلیل تک کا اعتبار نہیں کرتے، چنانچہ یہ (حالت) اسی قسم کے شرک میں سے ہے)[1]

پس شریعتِ الٰہی کا التزام اور اس کے علاوہ ہر شریعت کو ترک کر دینا "لا الٰہ الا اللہ" کا لازمی تقاضہ ہے، واللہ المستعان۔

چوتھی فصل: عبادت: اس کے معنی اور شمولیت

عبادت کا معنی

[1] بلاشبہ مذہبی تقلید اور مذہبی تعصب قابل مذمت چیز اور گمراہی ہے مگر اس کی ہر صورت شرک اور اللہ کے علاوہ رب یا شریعت ساز بنانا نہیں، اس کی بالکل آخری صورت شرک ہے۔ چنانچہ مذاہب اربعہ وغیرہ کے عام مقلدین کو مطلقاً مشرک کہنا جائز نہیں جو مختلف آئمہ اسلام کے راجح و مرجوح اجتہادات کی پیروی کرتے ہیں۔ (ط ن)

عبادت کی اصل تذلل اور خضوع ہے۔ اور شریعت میں اس کی بہت سی تعریفات ہیں جن کا ایک ہی معنی بنتا ہے۔

ان میں سے ایک یہ ہے کہ: "أنّ العبادة هي طاعة الله بامتثال ما أمر الله به على ألسنة رسله" (عبادت اللہ تعالی کے ان احکامات کی اطاعت کرنا ہے جو اس نے اپنے رسولوں کی زبانی ہم تک پہنچائے)

ایک اور تعریف یہ بھی ہے کہ: "التذلل لله سبحانه فهي: غاية الذل لله تعالى مع غاية حبه" (اللہ تعالی کے تذلل اختیار کرنا یعنی انتہائی درجے کے تذلل کے ساتھ انتہائی درجہ کی محبت)

اور اس کی ایک جامع تعریف یہ ہے کہ: "اسم جامع لكل ما يحبه الله ويرضاه: من الأقوال والأعمال الظاهرة والباطنة" (عبادت ایک ایسا جامع اسم ہے جو ہر اس کام کو شامل ہے جسے اللہ تعالی پسند کرتا ہے اور اس سے راضی ہوتا ہے، خواہ وہ اقوال ہوں یا اعمال اور چاہے ظاہری ہوں یا باطنی)

اور یہ دل، زبان اور جوارح میں تقسیم ہوتی ہے۔ چنانچہ خوف، امید، محبت، توکل اور رغبت ورہبت دلی عبادتیں ہیں جبکہ تسبیح، تہلیل، تکبیر، اور دل وزبان سے حمد وشکر کرنا دلی اور زبانی عبادات ہیں۔ نماز، زکوۃ، حج وجہاد بدنی اور دلی عبادات ہیں، اسی طرح دیگر اقسام کی عبادات ہیں جو دل، زبان اور اعضاء وجوارح سے صادر ہوتی ہیں اور یہ بہت سی ہیں۔

عبادت ہی وہ چیز ہے جس کے لئے اللہ تعالی نے مخلوقات کو پیدا فرمایا، اللہ تعالی کا فرمان ہے:

﴿وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ مَا أُرِيدُ مِنْهُم مِّن رِّزْقٍ وَمَا أُرِيدُ أَن يُطْعِمُونِ إِنَّ اللَّهَ

هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِينُ ﴿ (الذاریات: ۵۶-۵۸)

(میں نے جنات اور انسانوں کو محض اسی لئے پیدا کیا ہے کہ وہ صرف میری عبادت کریں، نہ میں ان سے روزی چاہتا ہوں نہ میری یہ چاہت ہے کہ یہ مجھے کھلائیں، اللہ تعالیٰ تو خود ہی سب سے کا روزی رساں بہت قوت والا اور زور آور ہے)

پس اللہ تعالیٰ نے یہ خبر دی کہ جن و انس کی تخلیق کی حکمت ان کا عبادت ادا کرنا ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ ان کی عبادت سے مستغنی ہے، اور یہ اس کے محتاج ہیں اللہ تعالیٰ کے سامنے فقیر ہونے کی وجہ سے، پس وہ اس کی شریعت کے مطابق اس کی عبادت بجالاتے ہیں، اور جس کسی نے اللہ تعالیٰ کی عبادت سے انکار کیا تو وہ متکبر ہے۔ اور جس نے اس کی عبادت تو کی مگر اس کے ساتھ کسی غیر کی بھی عبادت کی تو وہ مشرک ہے۔ اور جس نے اس اکیلے ہی کی عبادت تو کی مگر اس کی بتائی ہوئی شریعت کے مطابق نہیں تو وہ بدعتی ہے۔ اور جس نے اس اکیلے کی عبادت اس کی بتائی ہوئی شریعت کے مطابق کی تو وہ مومن و موحد ہے۔

عبادت کی اقسام اور ان کی شمولیت

عبادت کی بہت سے انواع و اقسام ہیں، اور یہ ہر اس ظاہری اطاعت کو شامل ہے جو زبان، جوارح اور دل سے صادر ہوتی ہیں جیسے تسبیح، تہلیل، تلاوتِ قرآن، نماز، زکوٰۃ، روزہ، حج، جہاد، امر بالمعروف و نہی عن المنکر، رشتہ داروں یتیموں مساکین اور مسافروں سے حسن سلوک، اسی طرح اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول (ﷺ) سے محبت، اللہ تعالیٰ کی خشیت اور اس کی طرف انابت و رجوع، دین کو اللہ تعالیٰ کے لئے خالص کرنا، اس کے حکم پر صبر کرنا اور اس کی قضاء و قدر پر راضی رہنا، اسی پر توکل کرنا، اس کی رحمت کی امید رکھنا اور اس کے عذاب سے ڈرنا، الغرض یہ مومن کے تمام تر تصرفات کو مشتمل ہے اگر اس کی ان سے نیت

اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنا یا اس میں مددینا ہو۔ یہاں تک کہ جو عادات ہوتی ہیں اگر ان سے قصد اللہ تعالیٰ کی اطاعت گزاری میں تقویٰ کا حصول ہو جیسے نیند، کھانا پینا، خرید وفروخت، کمانا اور نکاح وغیرہ یہ سب عادات نیک نیتی کی وجہ سے عبادات بن جاتی ہیں، جن پر اسے ثواب حاصل ہوگا۔ تو معلوم ہوا کہ عبادت صرف معروف شعائر تک ہی محدود نہیں۔

پانچویں فصل: عبادت کی تحدید کے سلسلے میں غلط مفاہیم کا بیان

عبادات توقیفی ہیں یعنی: "أنه لا يشرع شيء منها إلا بدليل من الكتاب والسنة. وما لم يشرع يعتبر بدعة مردودة" (ان میں سے کوئی بھی عبادت مشروع (جائز) نہیں جب تک اس کی کتاب وسنت سے دلیل موجود نہ ہو، لہذا جو مشروع ثابت نہ ہو تو وہ بدعت ومردود (ناقابل قبول) ہے)۔ جیسا کہ رسول اللہ (ﷺ) کا ارشاد ہے: "مَنْ عَمِلَ عَمَلاً لَيْسَ عَلَيْهِ أَمْرُنَا فَهُوَ رَدٌّ"[1] (جس کسی نے کوئی ایسا عمل کیا جس پر ہمارا حکم نہیں تو وہ مردود ہے) یعنی اس کا عمل نہ صرف اس کے منہ پر مار دیا جائے گا بلکہ اسے گناہ بھی ہوگا، کیونکہ یہ معصیت (نافرمانی) ہے نا کہ اطاعت۔ بعد ازیں مشروع عبادات کو بھی ادا کرنے کے معاملے میں جو منہج سلیم ہے وہ تساہل وسستی اور تشدد اور غلو کے درمیان اعتدال کی راہ ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے نبی (ﷺ) کو فرماتے ہیں:

﴿فَاسْتَقِمْ كَمَا أُمِرْتَ وَمَنْ تَابَ مَعَكَ وَلَا تَطْغَوْا﴾ (ھود: ١١٢)

[1] البخاري الصلح (٢٥٥٠)، مسلم الأقضية (١٧١٨)، أبو داود السنة (٤٦٠٦)، ابن ماجه المقدمة (١٤)، أحمد (٦/٢٥٦).

(پس آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) جس چیز کا آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو حکم دیا گیا ہے اس پر استقامت کا مظاہرہ کیجئے اور وہ لوگ بھی جو آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ساتھ توبہ کر چکے ہیں، خبردار تم حد سے تجاوز نہ کرنا)

پس یہ آیتِ کریمہ عبادات ادا کرنے کے معاملہ میں اس منہجِ سلیم کا رسم الخط واضح کرتی ہے، اور وہ یہ ہے کہ معتدل طریقے سے ان کی ادا کرنے میں استقامت کا مظاہرہ کیا جائے کہ جس میں نہ افراط ہو اور نہ ہی تفریط، اور وہ شریعت کے مطابق ہو فرمایا ﴿كَمَا أُمِرْتَ﴾ (جیسا کہ آپ کو حکم دیا گیا ہے) پھر اس کی اس قول کے ساتھ مزید تاکید فرمائی کہ ﴿وَلَا تَطْغَوْا﴾ (اور حد سے تجاوز نہ کرنا) طغیان کا معنی ہے: "مجاوزة الحد بالتشدد والتنطع" (تشدد اور انتہاپسندی کے ساتھ حد سے تجاوز کرنا) اور یہی غلو کہلاتا ہے۔ جب نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) کے تین صحابہ رضی اللہ عنہم نے اپنے اعمال کو کم تصور کرتے ہوئے کچھ باتیں کی، ایک نے کہا کہ میں ہمیشہ روزے رکھوں گا اور کبھی ناغہ نہیں کروں گا، اور دوسرے نے کہا: میں ہمیشہ نماز پڑھتا رہوں گا اور رات کو نیند نہیں کروں گا، جبکہ تیسرے نے کہا کہ: میں عورتوں سے کبھی نکاح نہیں کروں گا، اس پر رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا: "أَمَّا أَنَا فَأُصَلِّي وَأَنَامُ، وَأَصُومُ وَأُفْطِرُ، وَأَتَزَوَّجُ النِّسَاءَ، فَمَنْ رَغِبَ عَنْ سُنَّتِي فَلَيْسَ مِنِّي"[1] (حالانکہ میں تہجد بھی پڑھتا ہوں اور نیند بھی کرتا ہوں، روزے بھی رکھتا ہوں اور چھوڑ بھی دیتا ہوں اور عورتوں سے نکاح بھی کرتا ہوں، جس کسی نے میری سنت سے بے رغبتی کی وہ مجھ سے نہیں)

آج بھی عبادت کے معاملہ میں دو متضاد گروہ ہیں۔

پہلا گروہ: جس نے عبادت کے مفہوم کو بہت محدود کر دیا ہے اور اس کی ادائیگی میں تساہل

[1] البخاري النكاح (۴۷۷۶)، مسلم النكاح (۱۴۰۱)، النسائي النكاح (۳۲۱۷)، أحمد (۲۸۵/۳).

سے کام لیا یہاں تک کہ اس کی بہت سے انواع کو معطل ہی کر کے رکھ دیا، اور اسے فقط چند اعمال اور شعائر تک ہی محدود کر دیا جو مسجد میں ادا کئے جاتے ہیں۔ ان کے یہاں گھر پہ عبادت کا کوئی عمل دخل نہیں، نہ ہی آفس، مارکیٹ، سڑکوں، معاملات، سیاست، تنازعات میں فیصلے وغیرہ جیسے دیگر دائرۂ حیات میں عبادت کا کوئی عمل دخل ہے۔

بالکل مسجد کی فضیلت اپنی جگہ ہے، اور واجب ہے کہ اس میں پنج وقتہ نمازیں ادا کی جائیں مگر عبادت تو ایک مسلمان کی پوری زندگی کو شامل ہے؛ خواہ مسجد کے اندر ہو یا اس سے باہر۔

دوسرا گروہ: انہوں نے عبادات کی تطبیق میں تشدد سے کام لیتے ہوئے انتہاپسندی کی راہ اختیار کی۔ پس انہوں نے مستحبات کا درجہ بڑھا کر واجبات تک پہنچا دیا، اور بہت سے مباحات کو حرام قرار دے دیا، اور جس نے ان کے اس منہج کی مخالفت کی تو اسے گمراہ اور خطاکار قرار دے کر ان کے (صحیح) مفاہیم کو غلط قرار دیا۔ حالانکہ سب سے بہتر طریقہ محمد رسول اللہ (ﷺ) کا طریقہ ہے اور سب سے بدترین کام وہ ہیں جو دین میں نئے ایجاد کردہ ہیں۔

چھٹی فصل: صحیح عبادت کے ارکان

عبادت تین ارکان پر مرکوز ہوتی ہے: محبت، خوف اور امید۔

پس محبت تذلل کے ساتھ، اور خوف امید کے ساتھ، لازم ہے کہ عبادت میں ان امور کو یکجا کیا جائے، اللہ تعالیٰ اپنے مومن بندوں کا وصف بیان کرتے ہوئے فرماتا ہے:

﴿يُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّونَهُ﴾ (المائدة: ۵۴)

(وہ اللہ تعالیٰ کی محبوب قوم ہوگی اور وہ بھی اللہ تعالیٰ سے محبت رکھتی ہوگی)

اور فرمایا:

﴿ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَشَدُّ حُبًّا لِلَّهِ ﴾ (البقرۃ: ۱۶۵)

(اور ایمان والوں کو سب سے شدید ترین محبت اللہ تعالی سے ہوتی ہے)

اور اپنے رسولوں اور انبیاء علیہم السلام کا وصف بیان کرتے ہوئے فرمایا:

﴿ إِنَّهُمْ كَانُوا يُسَارِعُونَ فِي الْخَيْرَاتِ وَيَدْعُونَنَا رَغَبًا وَرَهَبًا وَكَانُوا لَنَا خَاشِعِينَ ﴾

(الانبیاء: ۹۰)

(یہ (انبیاء کرام علیہم السلام) نیک کاموں کی طرف جلدی کرتے تھے اور ہمیں رغبت و طمع اور ڈر و خوف کے ساتھ پکارتے تھے، اور ہمارے سامنے عاجزی کرنے والے تھے)

بعض سلف کا قول ہے: (جس کسی نے اللہ تعالی کی محض محبت میں عبادت کی تو وہ زندیق ہے (جیسے صوفی)، اور جس نے صرف امید پر عبادت کی تو وہ مرجئی ہے، اور جس نے محض خوف میں عبادت کی تو وہ حروری (خارجی) ہے، جبکہ جس نے محبت، خوف اور امید کو یکجا کرکے عبادت کی تو وہ مومن وموحد ہے)[1]۔ یہ بات شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے اپنے

[1] کیونکہ صوفیہ کے یہاں مشہور ہے کہ اللہ تعالی کی عبادت جنت کی طلب یا جہنم کے ڈر سے نہیں بلکہ محض محبت میں کرنی چاہیے اور اس بارے میں رابعہ بصری وغیرہ کے قصے بھی مشہور ہیں۔ مرجئہ فرقے کا عقیدہ ہے کہ گناہ کرنے سے ایمان میں کوئی کمی نہیں ہوتی تو وہ محض مغفرت والے دلائل پر امید لگائیں رکھتے ہیں اور وعید سے متعلق دلائل کو نظر انداز کر دیتے ہیں۔ اس کے بالکل برعکس خوارج کے نزدیک گناہ کرنے سے انسان دائرۂ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے تو وہ محض وعید سے متعلق دلائل کو پیش نظر رکھ کر امید و مغفرت والے دلائل کو نظر انداز کر دیتے ہیں۔ جبکہ حقیقی اہل سنت والجماعت اہلحدیث خوف امید و محبت کو یکجا رکھتے

(جاری ہے۔۔۔)

رسالے "العبودية" میں ذکر کی اور یہ بھی فرمایا کہ: (پس اللہ تعالیٰ کا دین اس کی عبادت، اطاعت اور اس کے لئے خضوع اختیار کرنا ہے، اور عبادت کا اصل معنی تذلل ہے۔ جیسا کہ کہا جاتا ہے: ہموار راستہ جو قدموں تلے روندنے کی وجہ سے دب کر ہموار ہو گیا ہو۔ لیکن جس عبادت کا شریعت میں حکم دیا گیا ہے وہ تذلل کے معنی کے ساتھ ساتھ محبت کے معنی کو بھی شامل ہے۔ پس عبادت اللہ تعالیٰ کے لئے غایت درجے کے تذلل کے ساتھ غایت درجے کی محبت۔ اگر کوئی شخص کسی انسان کے لئے جھکتا ہے دل میں اس کے خلاف بغض رکھتے ہوئے تو وہ اس کی عبادت کرنے والا نہیں کہلائے گا۔ اس کے برعکس اگر کسی چیز سے محبت کرتا ہے لیکن اس کے لئے خضوع وتذلل اختیار نہیں کرتا تب بھی وہ اس کی عبادت کرنے والا نہیں شمار ہوگا۔ جیسا کہ انسان اپنے بیٹے اور دوست سے محبت کرتا ہے۔ اسی لئے محض ان میں سے کسی ایک کا ہونا اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لئے کافی نہیں بلکہ واجب ہے کہ ایک انسان کے نزدیک اللہ تعالیٰ تمام چیزوں سے بڑھ کر محبوب ہو، اور ہر چیز سے بڑھ کر عظیم ہو، بلکہ مکمل محبت وخضوع کا سوائے اللہ تعالیٰ کا کوئی مستحق نہیں۔۔۔)[1]

یہ ہیں وہ ارکانِ عبودیت جس کے گرد عبادت کا دارو مدار ہے۔ علامہ ابن القیم رحمہ اللہ اپنے قصیدہ نونیہ میں فرماتے ہیں:

وعبادةُ الرحمن غايةُ حُبِّه مع ذُلِّ عابده هما قطبان

ہیں۔ ان فرقوں کے بارے میں تفصیل جاننے کے لیے ہماری ویب سائٹ پر پڑھیں گمراہ فرقوں کا مختصر تعارف از شیخ صالح الفوزان۔ (طع)

[1] دیکھئے: مجموعة التوحيد النجدية ص ۵۴۹۔

وعلیهما فلك العبادة دائر ما دار حتی قامتِ القُطبان
ومدارہٗ بالامر أمرِ رسوله لا بالهوی والنفس والشیطانِ

(رحمٰن کی عبادت اس کے بندے کی کمالِ تذلل کے ساتھ اس سے غایت درجہ محبت کرنا ہے یہ دونوں ایسے ستون ہیں کہ جس پہ فلکِ عبادت قائم ہے، اور اس کے امر کا دار و مدار حکم رسول (ﷺ) پر ہے نہ کہ ہوی، خواہشِ نفس یا شیطان (کے وساوس) پر)

امام صاحب رحمہ اللہ نے عبادت کے دوران (گردش) جو کہ محبوب یعنی اللہ تعالی سے محبت اور اس کے لئے تذلل سے تعبیر ہے کو آسمان اور اس کے ستونوں کے دوران سے تشبیہ فرمائی، اور فرمایا کہ عبادت کے فلک کا جو دوران (دار و مدار) ہے وہ رسول اللہ (ﷺ) کے حکم پر ہے اور جو شریعت آپ (ﷺ) نے بیان فرمائی نا کہ ہوی نفس کی پیروی پر ہے، جس چیز کا حکم خواہشِ نفس اور شیطان دے وہ عبادت نہیں ہو سکتی۔ جس چیز کو رسول اللہ (ﷺ) نے مشروع فرمایا وہی چیز فلکِ عبادت میں گردش کر سکتی ہے جس میں بدعت، خرافات، اہواپرستی اور آباءواجداد کی تقلید کی کوئی گنجائش نہیں۔

ساتویں فصل: عمل اور عبادت قبول ہونے کی شرائط

عمل دو شرائط کے سوا قبول نہیں ہوتا:

پہلی شرط: اللہ تعالی کے لئے اخلاص

دوسری شرط: رسول اللہ (ﷺ) کی متابعت

یہ اللہ تعالی کے اس فرمان میں وارد ہوا ہے کہ:

﴿ وَقَالُوا لَن يَدْخُلَ الْجَنَّةَ إِلَّا مَن كَانَ هُودًا أَوْ نَصَارَىٰ تِلْكَ أَمَانِيُّهُمْ قُلْ هَاتُوا بُرْهَانَكُمْ إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ، بَلَىٰ مَنْ أَسْلَمَ وَجْهَهُ لِلَّهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ فَلَهُ أَجْرُهُ عِندَ رَبِّهِ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ﴾ (البقرۃ: ۱۱۱-۱۱۲)

(وہ (اہل کتاب) کہتے ہیں کہ جنت میں سوائے یہود اور نصاری کے کوئی داخل نہیں ہوگا، یہ تو ان کی نری خواہشات ہیں، کہو کہ اپنی دلیل لاؤ اگر تم سچے ہو، کیوں نہیں یقیناً جس نے خلوص کے ساتھ اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے آگے جھکا دیا۔ بیشک اسے اس کا رب پورا بدلہ دے گا، اس پر نہ تو کوئی خوف ہوگا اور نہ ہی غم و اداسی)

اللہ تعالیٰ کا فرمان ﴿ مَنْ أَسْلَمَ وَجْهَهُ لِلَّهِ ﴾ (جس نے اپنا چہرہ اللہ تعالیٰ کے لئے جھکا دیا) یہ اخلاص ہے، یعنی عمل میں اخلاص کا مطلب ہے کہ اس میں شرک کی ذرا بھی آمیزش نہ ہو نہ شرکِ اکبر کی اور نہ ہی اصغر کی۔

اور یہ فرمانا: ﴿ وَهُوَ مُحْسِنٌ ﴾ (اور وہ محسن (احسان کرنے والا) ہو) یہ دوسری شرط ہے، کیونکہ احسان متابعتِ رسول (ﷺ) کا نام ہے۔

چنانچہ ہر وہ عمل جس میں مذکورہ دو شرائط نہ پائی جائیں وہ باطل ہے۔ یعنی عمل میں اگر شرک کی آمیزش ہو جائے تو وہ مردود ہے اسی طرح اگر بدعت کی ملاوٹ ہو جائے تو بھی مردود ہے کیونکہ رسول اللہ (ﷺ) کا ارشاد گرامی ہے کہ: "مَنْ عَمِلَ عَمَلًا لَيْسَ عَلَيْهِ أَمْرُنَا فَهُوَ رَدٌّ"[1] (جس کسی نے کوئی ایسا عمل کیا جس کا ہم نے حکم نہ دیا ہو تو وہ مردود ہے)

[1] البخاري الصلح (۲۵۵۰)، مسلم الأقضية (۱۷۱۸)، أبو داود السنة (۴۶۰۶)، ابن ماجه المقدمة (۱۴)

(جاری ہے۔۔۔)

ایک دوسری روایت میں ہے کہ "مَنْ أَحْدَثَ فِی أَمْرِنَا هَذَا مَا لَيْسَ فِيهِ فَهُوَ رَدٌّ"[1] (جس کسی نے ہمارے اس امر (دین) میں کوئی نئی بات ایجاد کی جو اس میں نہ تھی، تو وہ مردود ہے) پس کتنی ہی انسان کی نیت اور ارادہ اچھا کیوں نہ ہوا گر وہ عمل رسول اللہ (ﷺ) نے مشروع قرار نہیں فرمایا تو وہ بدعت ہے اور کرنے والے کی طرف مردود ہے (اس کے منہ پر مار دی جائے گی) اس میں سے کوئی چیز بھی شرفِ قبولیت حاصل نہیں کر پائے گی۔ یہی ہے شہادتِ لا الہ الا اللہ وان محمداً رسول اللہ کا حقیقی مفہوم۔

شہادتِ ان محمداً رسول اللہ کا معنی ہے کہ: آپ (ﷺ) کی اتباع واقتداء کی جائے اور آپ (ﷺ) نے جس چیز سے منع فرمایا ہے اسے ترک کر دیا جائے، ساتھ ہی آپ (ﷺ) کی بتائی ہوئی خبروں کی تصدیق بھی کی جائے۔ اب جو شخص أشهد أن محمداً رسول اللہ (میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد (ﷺ) اللہ تعالی کے رسول ہیں) تو کہتا ہے لیکن نہ آپ (ﷺ) کی اتباع وپیروی کرتا ہے اور نہ ہی آپ (ﷺ) کی لائی ہوئی شریعت کے تابع فرمان ہے بلکہ بدعات ومحدثات پر عمل پیرا ہے تو ایسے شخص کی یہ شہادت صحیح نہیں ہے۔ لازم ہے کہ اخلاص ہو (اور یہ ہی شہادتِ أن لا إله إلا الله کا حقیقی مفہوم ہے) اور متابعت ہو (اور یہ ہی شہادتِ أن محمداً رسول الله کا حقیقی مفہوم ہے)۔

أحمد (۲۵٦/٦)۔

[1] البخاري الصلح (۲۵۵۰)، مسلم الأقضية (۱۷۱۸)، أبو داود السنة (۴٦۰٦)، ابن ماجه المقدمة (۱۴)، أحمد (۲٤۰/٦)

آٹھویں فصل: دین کے مراتب کے بارے میں ہے، اور وہ ہیں: اسلام — ایمان — احسان، ان کی تعریف اور ان کے مابین عموم اور خصوص کا بیان

مراتبِ دین کے متعلق تمہید

دین کے مراتب تین ہیں اسلام، ایمان اور احسان جیسا کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا۔

پہلا مرتبہ: اسلام، اس کے پانچ ارکان ہیں۔

دوسرا مرتبہ: ایمان، اس کے چھ ارکان ہیں جو قرآن کریم کی بہت سی آیات میں بیان ہوئے ہیں۔

تیسرا مرتبہ: جو کہ ان سب سے اعلیٰ و بلند ہے "احسان"۔

جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے مشہور حدیث جبرئیل علیہ السلام میں ان تینوں مراتب کے بارے میں استفسار کا جواب دیتے ہوئے سب کو ایک ایک کر کے بیان فرمایا[1]۔

اسلام کا معنی

اسلام کے عمومی معنی: اسلام سے مراد ہے جو شرک، کفر اور ادیان باطلہ کے مقابل ہو۔ جب

[1] مسلم: الایمان ۸، ترمذی: الایمان ۲۶۱۰، نسائی: الایمان وشرائعہ ۴۹۹۰، ابوداود: السنۃ ۴۶۹۵، ابن ماجہ: المقدمۃ ۶۳، احمد ۱/۵۲۔ اسے مسلم نے عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا: کتاب الایمان، باب ۱، رقم ۸، ۱/۱۰۱۔ اور یہ حدیث ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت سے متفق علیہ بھی ہے: بخاری، کتاب الایمان باب ۳۷، رقم ۵۰، ۱/۱۵۲، اور مسلم، کتاب الایمان، باب ۱، رقم ۹، ۱۰، ۱/۱۱۵۔

کہا جاتا ہے دین اسلام تو اس سے مراد ہوتی ہے کہ "مایقابل الادیان الاخری الباطلة" (جو دیگر باطل ادیان کے مقابل ہو)۔

لغت میں اس کی تعریف ہے کہ: "الانقیاد" (سر تسلیم خم کرنا) کہا جاتا ہے کہ: "اسلم واستسلم" (وہ اسلام لایا، سر تسلیم خم کر دیا)۔

شریعت میں اس کے معنی ہیں: "الاستسلام لله بالتوحید، والانقیاد له بالطاعة، الخلوص من الشرک واهله" (توحید کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کے لئے مکمل سر تسلیم خم کرنا، اور اطاعت گزاری کے ذریعہ مکمل انقیاد کرنا، اور شرک و مشرکین سے برات کا اظہار کرنا)

لہذا ایک مسلم اللہ تعالیٰ کے ساتھ ساتھ کسی غیر کے لئے استسلام یعنی سر تسلیم خم نہیں کر سکتا۔ اسی لئے جو اللہ تعالیٰ اور غیر کے لئے استسلام کرے وہ مشرک ہے۔ اور جو اللہ تعالیٰ ہی کے لئے استسلام نہ کرے تو وہ متکبر ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿بَلَىٰ مَنْ أَسْلَمَ وَجْهَهُ لِلَّهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ فَلَهُ أَجْرُهُ عِندَ رَبِّهِ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ﴾ (البقرۃ: ۱۱۲)

(کیوں نہیں بلکہ جس نے اپنا چہرہ اللہ تعالیٰ کے لئے جھکا دیا اور وہ محسن بھی ہے تو اس کا اجر اس کے رب کے پاس ہے، ایسوں پر نہ تو کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ غم زدہ ہوں گے)

یہ سب اسلام کہ اخلاص ہو اللہ تعالیٰ کے لئے توحید کے ذریعہ، اور اطاعت کے ذریعہ انقیاد ہو، ساتھ ہی شرک و مشرکین سے برأت کا اظہار ہو۔ برأت کے اظہار سے مراد ہے کہ مشرکین سے ان کے شرک کی وجہ سے بغض و عداوت رکھی جائے۔

تمام انبیاء ورسل علیہم السلام کا دین اسلام تھا:

اس تعریف کے لحاظ سے اسلام تمام رسولوں علیہم السلام کے دین کو شامل ہے۔ کیونکہ تمام انبیاء ورسل علیہم السلام دین اسلام پر تھے۔ اور سب کے سب اللہ تعالیٰ کے لئے توحید کے ذریعہ استسلام کرنے، اطاعت گزاری کے ذریعہ انقیاد کرنے اور عبادت کو اس کے لئے خالص کرنے والے تھے۔ اور شرک سے بچنے اور مشرکین سے عداوت رکھنے والے تھے۔ لہذا وہ تمام مسلمان تھے، ان کا دین اسلام تھا، اگرچہ ان کی شریعتیں مختلف تھیں۔ کیونکہ جیسا کہ اسلام کی تعریف میں بیان ہوا "الانقیاد له بعبادته" (عبادت کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کے لئے انقیاد ہو) یہ ہر دور کی اپنی منزل من اللہ شریعت کے مطابق ہوگا۔ یہ شریعتیں اگرچہ اللہ تعالیٰ کی عظیم حکمتوں اور بندوں کے مصالح کے اعتبار سے مختلف ہوتی رہی ہیں لیکن ان میں قدر مشترک یہی ہے کہ یہ سب کی سب خالص اللہ تعالیٰ کی لئے ہیں اور اسی کی شریعت سازی ہے۔

اسی لئے اللہ تعالیٰ نے نوح علیہ السلام کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا کہ وہ بھی مسلم تھے۔ فرمایا:

﴿وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَأَ نُوحٍ إِذْ قَالَ لِقَوْمِهِ يَا قَوْمِ إِنْ كَانَ كَبُرَ عَلَيْكُمْ مَقَامِي وَتَذْكِيرِي بِآيَاتِ اللَّهِ فَعَلَى اللَّهِ تَوَكَّلْتُ فَأَجْمِعُوا أَمْرَكُمْ وَشُرَكَاءَكُمْ ثُمَّ لَا يَكُنْ أَمْرُكُمْ عَلَيْكُمْ غُمَّةً ثُمَّ اقْضُوا إِلَيَّ وَلَا تُنْظِرُونِ. فَإِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَمَا سَأَلْتُكُمْ مِنْ أَجْرٍ إِنْ أَجْرِيَ إِلَّا عَلَى اللَّهِ

وَأُمِرْتُ أَنْ أَكُونَ مِنَ الْمُسْلِمِينَ﴾ (یونس: ۷۱-۷۲)

(اور آپ ان کو نوح علیہ السلام کا قصہ پڑھ کر سنائیے جب کہ انہوں نے اپنی قوم سے فرمایا کہ اے میری قوم! اگر تم کو میرا رہنا اور احکام الٰہی کی نصیحت کرنا بھاری معلوم ہوتا ہے تو میرا اللہ ہی پر

بھروسہ ہے تم اپنی تدبیر مع اپنے شرکا کے پختہ کر لو۔ پھر تمہاری تدبیر تمہاری گھٹن کا باعث نہ ہونی چاہئے، پھر میرے ساتھ کر گزرو جو کرنا ہے اور مجھ کو مہلت تک نہ دو۔ پھر بھی اگر تم اعراض ہی کئے جاؤ تو میں نے تم سے کوئی معاوضہ تو نہیں مانگا میرا معاوضہ تو صرف اللہ ہی کے ذمہ ہے اور مجھ کو حکم کیا گیا ہے کہ میں مسلمانوں میں سے رہوں)

مجھے بھی مسلم بننے یعنی اللہ تعالیٰ کے لئے سر تسلیم خم کرنے اور اس کی اطاعت گزاری کے ذریعہ انقیاد بجالانے کا حکم ہوا ہے۔ اور ابراہیم علیہ السلام کے متعلق فرمایا:

﴿ مَا كَانَ اِبْرٰهِيْمُ يَهُوْدِيًّا وَّلَا نَصْرَانِيًّا وَّلٰكِنْ كَانَ حَنِيْفًا مُّسْلِمًا وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴾

(آل عمران: ۶۷)

(ابراہیم علیہ السلام تو نہ یہودی تھے اور نہ نصرانی بلکہ وہ تو ایک طرفہ (خالص) مسلمان تھے اور وہ مشرک بھی نہ تھے)

اور ابراہیم و اسماعیل علیہما السلام کا یہ قول بیان فرمایا:

﴿ رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَآ اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ وَاَرِنَا مَنَاسِكَنَا وَتُبْ عَلَيْنَا ۚ اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴾ (البقرۃ: ۱۲۸)

(اے ہمارے رب ہمیں اپنا فرمانبردار بنالے اور ہماری اولاد میں سے بھی ایک جماعت کو اپنی اطاعت گزار رکھ اور ہمیں اپنی عبادتیں سکھا اور ہماری توبہ قبول فرما، تو توبہ قبول فرمانے والا اور رحم و کرم کرنے والا ہے)

یعقوب علیہ السلام کے بارے میں بیان کیا کہ انہوں نے فرمایا:

﴿يٰبَنِيَّ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰى لَكُمُ الدِّيْنَ فَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ﴾ (البقرۃ: ۱۳۲)

(ہمارے بچو! اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے اس دین کو پسند فرمایا، خبردار! تم مسلمان ہی مرنا)

یعنی عبادت کو اس کے لئے خالص کرتے ہوئے اور اطاعت گزاری کے ذریعہ مکمل انقیاد کرتے ہوئے موت آئے۔

موسیٰ علیہ السلام کے تعلق سے ارشاد فرمایا کہ وہ اپنی قوم سے فرماتے ہیں:

﴿يٰقَوْمِ اِنْ كُنْتُمْ اٰمَنْتُمْ بِاللّٰهِ فَعَلَيْهِ تَوَكَّلُوْا اِنْ كُنْتُمْ مُّسْلِمِيْنَ﴾ (یونس: ۸۴)

(اے میری قوم! اگر تم اللہ پر ایمان رکھتے ہو تو اسی پر توکل کرو اگر تم مسلمان ہو)

یعنی اگر اللہ تعالیٰ کے لئے انقیاد کرنے والے، اس کے لئے موحد اور عبادت میں مخلص ہو۔ تورات کا ذکر کرتے ہوئے بنی اسرائیل کے متعلق فرمایا:

﴿يَحْكُمُ بِهَا النَّبِيُّوْنَ الَّذِيْنَ اَسْلَمُوْا لِلَّذِيْنَ هَادُوْا وَالرَّبّٰنِيُّوْنَ وَالْاَحْبَارُ بِمَا اسْتُحْفِظُوْا مِنْ كِتٰبِ اللّٰهِ﴾ (المائدۃ: ۴۴)

(اسی تورات کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے لئے انقیاد و اطاعت کرنے والے (انبیاء علیہم السلام) اور اہل اللہ اور علماء فیصلے کرتے تھے کیونکہ انہیں اللہ کی اس کتاب کی حفاظت کا حکم دیا گیا تھا)

﴿اَسْلَمُوْا﴾ یعنی اللہ تعالیٰ کے لئے انقیاد و اطاعت اختیار کرنے والے۔

پس اسلام کے عمومی معنی کے اعتبار سے مراد جمیع انبیاء کرام علیہم السلام کا دین ہے اگرچہ ان کی شریعتیں مختلف ہی ہوں۔ اسی لئے کہا جائے گا کہ اسلام یہ ہے کہ "عبادة الله بما شرع في كل وقت بحسبه" (اسلام نام ہے اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنا ہر زمانے کی حسب حال نازل

کردہ شریعت کے مطابق)۔

چنانچہ اللہ کی عبادت اس کی شریعتِ توراۃ کے ذریعہ کرنا، یا اس کی شریعتِ انجیل کے ذریعہ کرنا، یا کسی بھی اللہ تعالی کی نازل کردہ شریعت جو اس نے اپنے انبیاء و رسل علیہم السلام پر نازل فرمائی کے مطابق اس کی عبادت کرنا اسلام ہے۔ البتہ شریعتیں مختلف و متعدد ہوتی ہیں، جیسا کہ اللہ تعالی کا فرمان ہے:

﴿لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنكُمْ شِرْعَةً وَمِنْهَاجًا﴾ (المائدۃ: ۴۸)

(تم میں سے ہر ایک کے لئے ہم نے ایک شریعت اور ایک منہج مقرر کر دیا ہے)

لیکن اگر ان شرائع میں سے کوئی حکم منسوخ ہو جائے تو منسوخ پر عمل جائز نہیں۔ جو منسوخ پر عمل کرنے پر مصر رہے گا وہ مسلم نہیں کہلا سکتا۔ مسلمان تو وہ اسی صورت میں کہلائے گا جب ناسخ احکام پر عمل کرے گا۔ کیونکہ ایک بندے کو بعض باتیں کرنے کا حکم ہے اور بعض سے منع کیا گیا ہے۔ وہ اللہ تعالی کے حکم کی تعمیل کا عقیدہ رکھتے ہوئے ان باتوں کی اتباع و پیروی کرتا ہے جن کے بجالانے کا اللہ تعالی نے حکم فرمایا ہے اور ان سے اجتناب کرتا ہے جن سے منع فرمایا ہے۔ درحقیقت "عبد" (بندہ) تو یہ ہے۔ وگرنہ اگر کوئی اپنی ہوائے نفس اور چاہت و رغبت کی پیروی کرتا ہے، یا جس چیز پر وہ اور اس کے آباء و اجداد ہیں ان کی وجہ سے تعصب کرتا ہے، یا جو چیز کہ اگرچہ دراصل مشروع تھیں مگر پھر بعد میں منسوخ ہو گئیں ان پر مصر رہتا ہے تو ایسا شخص اللہ کا عبد یا مسلم نہیں کہلا سکتا۔ کیونکہ جب حکم منسوخ ہو گیا تو اس پر عمل بھی ختم ہو گیا۔ جو کوئی کسی منسوخ دین پر کاربند رہے گا وہ مسلمان نہیں۔ بلکہ لازم ہے کہ ناسخ دین کی جانب منتقل ہو جائے۔

مثلاً ابتداء اسلام میں نماز بیت المقدس کی جانب منہ کر کے پڑھی جاتی تھی۔ نبی

کریم ﷺ اور سب مسلمان اللہ تعالی کے حکم سے بیت المقدس کی جانب بطور قبلہ متوجہ ہوتے تھے۔ ان کا یہ فعل اسلام تھا۔ لیکن جب قبلہ منسوخ ہوا اور تحویلِ قبلہ کعبہ شریف کی طرف ہوئی تو بایں صورت کعبۃ اللہ کی طرف منہ کرنا اسلامی حکم پر عمل کرنا ہوا۔ اب جو اس منسوخیت کے بعد بھی بیت المقدس کو قبلہ بنائے رکھے گا وہ مسلمان نہیں۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ وَمَا جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الَّتِي كُنتَ عَلَيْهَا إِلَّا لِنَعْلَمَ مَن يَتَّبِعُ الرَّسُولَ مِمَّن يَنقَلِبُ عَلَىٰ عَقِبَيْهِ ﴾ (البقرة: ۱۴۳)

(جس قبلہ پر تم پہلے تھے اسے ہم نے صرف اس لئے مقرر کیا تھا کہ ہم جان لیں کہ رسول کا سچا تابعدار کون ہے اور کون ہے جو اپنی ایڑیوں کے بل پلٹ جاتا ہے)

پس دین تو اتباعِ رسول کا نام ہے نا کہ ہوائے نفس کے لئے تعصب برتنے کا۔ لہذا جب منسوخیٔ قبلہ کا حکم آیا تو لوگ اس وقت نماز عصر باجماعت ادا کر رہے تھے شریعت کی اصل کے مطابق، مگر خبر رساں کی اس خبر دینے پر کہ قبلہ کعبہ مشرفہ کی جانب تبدیل ہو چکا ہے تو وہ اپنی نماز ہی کے دوران کعبہ کی طرف پھر گئے [1]، یعنی ان کی نماز کا پہلا حصہ بیت المقدس کی طرف تھا تو آخری حصہ کعبہ کی طرف۔ دیکھیں کہ کس طرح سے انہوں نے اپنی نماز شریعت کی اصل کو بنیاد بناتے ہوئے بیت المقدس کی طرف شروع کی کیونکہ انہیں تحویل قبلہ کی خبر ابھی ملی نہ تھی، اور جب خبر ملی تو خبر ملتے ہیں انہوں نے مکمل انقیاد و اطاعت کا مظاہرہ کرتے ہوئے بیچ نماز میں ہی کعبہ کی طرف منہ پھیر لیا۔ اگر وہ خبر مل جانے کے بعد بھی

[1] جیسا کہ ابن عمر رضی اللہ عنہ کی متفق علیہ حدیث میں وارد ہے۔ بخاری: کتاب الصلاۃ، باب ۳۲، رقم ۴۰۳، ۶۵۵/۱۔ مسلم: کتاب المساجد، باب ۲، رقم ۵۲۶، ۱۳/۴۔

بیت المقدس کی طرف منہ کرکے نماز پڑھتے رہتے تو ان کی نماز باطل ہو جاتی۔ یہی ہے اللہ تعالیٰ کے لئے مکمل استسلام وانقیاد اختیار کرنا۔

اللہ تعالیٰ ہر وقت کے لئے اس دور کے بندوں کے حق میں جو مصلحت ہوتی ہے اس کے مطابق اپنی حکمت کے تابع شریعت نازل کرتا ہے اور بندوں پر واجب ہوتا ہے کہ اسی کی پابندی کریں۔ اس لئے سب سے بڑی سعادت مندی یہی ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کے احکامات کی اتباع وپیروی کرے، پس ایک مسلمان ویسے ہی چلتا ہے جیسا شریعت اسے چلانا چاہتی ہے۔

البتہ جو اپنی ہوائے نفس یا رغبت کا پیروکار ہے تو وہ اپنی خواہش نفس کا ہی بندہ ہے، نا کہ اللہ تعالیٰ کا، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے:

﴿أَفَرَءَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ إِلَـٰهَهُ هَوَاهُ وَأَضَلَّهُ اللَّهُ عَلَىٰ عِلْمٍ﴾ (الجاثیۃ: ۲۳)

(کیا آپ نے اسے بھی دیکھا؟ جس نے اپنی خواہش نفس کو اپنا معبود بنا رکھا ہے اور باوجود علم کے اللہ نے اسے گمراہ کر دیا)

اسلام کے خصوصی معنی: یہ ہے دین اسلام کی اصلیت کہ یہ تمام انبیاء کرام علیہم السلام کا دین ہے۔ پھر جب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ہوگئی تو اس کے بعد اسلام سے مراد وہ شریعت ہے جو یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم لے کر آئے، جس نے تمام سابقہ ادیان کو منسوخ کر دیا۔ پس اسلام اپنے سے پہلے ادیان کا ناسخ ہے۔ اب جو کوئی یہودیت یا نصرانیت پر باقی رہے گا تو وہ کافر ہے۔ کیونکہ وہ ایسے دین پر باقی ہے جو کہ منسوخ ہو چکا ہے۔ جبکہ تمام انسانیت کو اس رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور اس کی لائی ہوئی شریعت اسلامیہ کی پابندی کا حکم دیا گیا ہے۔ لہذا یہود کے لئے جائز نہیں کہ وہ اپنی یہودیت پر اور نہ نصاریٰ کے لئے جائز ہے کہ وہ اپنی نصرانیت پر باقی رہیں۔ اسی وجہ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے

فرمایا: ''لَوْ كَانَ مُوسَىٰ حَيًّا مَا وَسِعَهُ إِلَّا اتِّبَاعِي''[1] (اگر آج موسیٰ علیہ السلام بھی زندہ ہوتے تو انہیں بھی میری پیروی کے سوا کوئی چارۂ کار نہ ہوتا)۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے تمام انبیاء و رسل علیہم السلام سے یہ عہد و میثاق لیا تھا کہ اگر ان میں کسی کی موجودگی میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم رسول بن کر تشریف لے آئیں تو انہیں ان کی اتباع کرنی ہوگی۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَإِذْ أَخَذَ اللَّهُ مِيثَاقَ النَّبِيِّينَ لَمَا آتَيْتُكُمْ مِنْ كِتَابٍ وَحِكْمَةٍ ثُمَّ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مُصَدِّقٌ لِمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهِ وَلَتَنْصُرُنَّهُ قَالَ أَأَقْرَرْتُمْ وَأَخَذْتُمْ عَلَىٰ ذَٰلِكُمْ إِصْرِي قَالُوا أَقْرَرْنَا قَالَ فَاشْهَدُوا وَأَنَا مَعَكُمْ مِنَ الشَّاهِدِينَ - فَمَنْ تَوَلَّىٰ بَعْدَ ذَٰلِكَ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ - أَفَغَيْرَ دِينِ اللَّهِ يَبْغُونَ وَلَهُ أَسْلَمَ مَنْ فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ طَوْعًا وَكَرْهًا وَإِلَيْهِ يُرْجَعُونَ﴾

(آل عمران: ۸۱-۸۳)

(جب اللہ تعالیٰ نے نبیوں سے عہد لیا کہ جو کچھ میں تمہیں کتاب و حکمت سے دوں پھر تمہارے پاس وہ رسول آئے جو تمہارے پاس کی چیز کو سچ بتائے تو تمہارے لئے اس پر ایمان لانا اور اس کی مدد کرنا ضروری ہے۔ فرمایا کہ تم اس کے اقراری ہو اور اس پر میرا ذمہ لے رہے ہو؟ سب نے کہا کہ ہمیں اقرار ہے۔ فرمایا تو اب گواہ رہو اور خود میں بھی تمہارے ساتھ گواہوں میں ہوں۔ پس اس کے بعد بھی جو پلٹ جائیں وہ یقیناً پورے نافرمان ہیں۔ کیا وہ اللہ کے دین کے سوا اور دین کی تلاش میں ہیں؟ حالانکہ تمام آسمانوں اور سب زمین والے اللہ تعالیٰ ہی کے فرمانبردار ہیں خوشی سے ہوں یا ناخوشی سے سب اسی کی

[1] احمد (۳/۳۸۷)، الدارمی المقدمۃ ۴۳۵، احمد نے جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت بیان کی ہے: رقم ۱۵۲۲۳، ۵/۲۴۳۔

طرف لوٹائے جائیں گے)

یہی وجہ ہے کہ جب مسیح علیہ السلام قبل از قیامت نازل ہوں گے تو وہ شریعت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہی تابع ہوں گے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بعد تمام انس وجن پر تاقیام قیامت ان کی اتباع واجب ہے۔ جو کوئی دین محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ کسی اور دین پر باقی رہے گا تو وہ کافر ہے۔ اگرچہ وہ دین اپنی بنیاد یا اصلیت میں مشروع تھا، مگر اب وہ منسوخ ہو چکا ہے اور لوگوں کو اس رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کا حکم دیا گیا ہے۔

﴿قُلْ يَاأَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ جَمِيعًا الَّذِي لَهُ مُلْكُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ﴾

(الاعراف: ١٥٨)

(آپ کہہ دیجئے کہ اے لوگو! میں تم سب کی طرف سے اس اللہ کا بھیجا ہوا رسول ہوں، جس کی بادشاہی تمام آسمانوں پر اور زمین میں ہے)

لہذا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام دنیا کے بادشاہان کو خطوط لکھے اور دین اسلام کی جانب دعوت دی۔ پس آپ نے کسریٰ اور قیصر وغیرہ کی طرف خطوط ارسال فرمائے [1]۔ اور ان سے کہا کرتے تھے کہ: "أَسْلِمْ تَسْلَمْ يُؤْتِكَ اللّٰهُ أَجْرَكَ مَرَّتَيْنِ، فَإِنْ تَوَلَّيْتَ فَإِنَّ عَلَيْكَ إِثْمَ الْأَرِيسِيِّينَ" [2] (اسلام لاؤ سلامتی پاؤ گے، اور اللہ تعالیٰ تمہیں دوہرا اجر دے گا، لیکن اگر

[1] جیسا کہ انس رضی اللہ عنہ کی حدیث صحیح مسلم میں ہے: کتاب الجہاد، باب ٢٧، رقم ١٧٧٤، ٣٢٩/٦

[2] البخاری بدء الوحی ٧، مسلم: الجہاد والسیر ١٧٧٣، احمد ٢٥٣/١۔ جیسا کہ قصہ ہرقل کے تعلق سے ابوسفیان رضی اللہ عنہ کی متفق علیہ حدیث میں آیا ہے، بخاری: کتاب بدء الوحی، باب ٦، رقم ٧، ٤٣/١۔ مسلم: کتاب الجہاد، باب ٢٦، رقم ١٧٧٣، ٣٢٢/٦۔

منہ پھیر لوگے تو تم پر تمہاری رعایا کا بھی گناہ ہوگا) یعنی کسانوں اور عوام وغیرہ میں سے جو تمہاری پیروی کریں گے تم ان کا بھی بوجھ اپنے سر لوگے۔

اور اسی لئے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''وَالَّذِی نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِیَدِهِ لَا یَسْمَعُ بِی أَحَدٌ مِنْ هَذِهِ الْأُمَّةِ یَهُودِیٌّ، وَلَا نَصْرَانِیٌّ، ثُمَّ یَمُوتُ وَلَمْ یُؤْمِنْ بِی إِلَّا دَخَلَ النَّارَ''[1] (اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں محمد ﷺ کی جان ہے کہ اس امت میں سے کوئی بھی یہودی یا نصرانی میرے بارے میں سن لے پھر وہ اس حال میں مرے کہ مجھ پر ایمان نہ لایا ہو تو وہ جہنم میں داخل ہوگا)

اور اس سے یہ بکواس بالکل باطل ثابت ہوتی ہے جو آجکل حریتِ اعتقاد یا آزادیٔ ادیان کے نام سے پھیلائی جارہی ہے۔ یہ قول کفر ہے العیاذ باللہ۔ کیونکہ اس رسول کی اتباع کے سوا کوئی چارہ نہیں اور ان کی پیروی کے بغیر نجات کا کوئی تصور نہیں۔

اسی طرح کی ایک اور چیز تقارب یا گفتگو بین الادیان (انٹر فیتھ ڈائلاگ) کے نام سے گڑھ رکھی ہے! یہ باطل کلام ہے، العیاذ باللہ۔ کیسے ایک باطل ومنسوخ دین اور دین حق یعنی اسلام کے درمیان افہام وتفہیم ہو سکتی ہے؟! کیا کفر واسلام کے مابین افہام وتفہیم ہوگی، یا کفر اور اسلام کے درمیان مساوات قائم کی جائے گی!! کہا جاتا ہے کہ یہ بھی تو آسمانی ادیان ہیں! بالکل، اپنی اصل وبنیاد کے اعتبار سے تو یہ آسمانی ادیان تھے، لیکن رسول اللہ ﷺ کی

---

[1] مسلم کتاب الایمان ۱۵۳۔ احمد ۲/ ۳۵۰، مسلم میں ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: کتاب الایمان باب ۷۰، رقم ۱۵۳، ۱/ ۳۶۴۔

بعثت کے بعد تمام معاملات اسی شریعت کے تابع ہو گئے جو رسول اللہ ﷺ لے کر آئے۔ اب جو رسول اللہ ﷺ کے لائے ہوئے دین کے علاوہ کسی اور دین پر قائم ودائم رہتا ہے تو وہ کافر ہے جس کا خون ومال مباح ہے۔ اس سے قتال کرنا واجب ہے یہاں تک کہ وہ دین اسلام میں داخل ہو جائے، یا پھر وہ اپنے ہاتھوں سے ذلیل ومطیع بن کر جزیہ ادا کرے گا اگر وہ اہل کتاب یا مجوس میں سے ہے۔

یہ ہے اسلام اپنے عمومی معنی کے لحاظ سے، اور اپنے خاص معنی کے اعتبار سے اسلام وہ دین ہے جسے لیکر محمد رسول اللہ ﷺ آئے۔

ارکانِ اسلام

یہ وہ اسلام ہے کہ جسے لے کر رسول اللہ ﷺ تشریف لائے۔ اس کی بنیاد اس کے ارکان پر ہے جو اس کے ستونوں کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اور اس کے ساتھ ساتھ اللہ کا تقرب حاصل کرنے اور اطاعت بجالانے سے ان ارکان کی تکمیل ہوتی ہے۔ الغرض ہر وہ چیز جو اوامر ونواہی کی صورت میں رسول اکرم ﷺ لے کر آئے اسلام ہیں۔ لیکن بعض ایسی چیزیں ہیں جو اسلام کے ستون یا اس کے ارکان کہلاتے ہیں۔ جنہیں حدیث جبرئیل علیہ السلام بیان کرتی ہے، کہ جبرئیل علیہ السلام رسول اللہ ﷺ کے پاس تشریف لائے اور فرمایا: ''أَخْبِرْنِی عَنِ الإِسْلَامِ قَالَ الإِسْلَامُ أَنْ تَشْهَدَ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ، وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللهِ ﷺ وَتُقِيمَ الصَّلَاةَ، وَتُؤْتِيَ الزَّكَاةَ، وَتَصُومَ رَمَضَانَ، وَتَحُجَّ الْبَيْتَ إِنِ اسْتَطَعْتَ إِلَيْهِ سَبِيلًا''[1] (مجھے

[1] مسلم: الایمان ۸، ترمذی: الایمان ۲۶۱۰، نسائی: الایمان وشرائعہ ۴۹۹۰، ابوداود: السنۃ ۴۶۹۵، ابن

(جاری ہے۔۔۔)

اسلام کے بارے میں بتائیں، آپ ﷺ نے فرمایا: اسلام یہ ہے کہ تم گواہی دو کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اور محمد ﷺ اس کے رسول ہیں، اور نماز قائم کرو، اور زکوٰۃ ادا کرو، اور رمضان کے روزے رکھو، اور بیت اللہ کا حج کرو اگر اس کی استطاعت رکھتے ہو) پس آپ ﷺ نے اسلام کی تفسیر ان ارکان سے فرمائی۔ کیونکہ اسلام انہی پر قائم ہے جیسے کہ عمارت اپنے ستونوں پر قائم ہوتی ہے لیکن یہ مکمل اسلام نہیں بلکہ یہ اس کے ستون وارکان ہیں۔ اور اسلام مجموعہ ہے ان تمام اوامر ونواہی کا جو نبی کریم ﷺ لے کر آئے۔

اس کی دلیل ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث ہے جس میں فرمایا: "بُنِيَ الْإِسْلَامُ عَلَى خَمْسٍ، شَهَادَةِ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللهِ، وَإِقَامِ الصَّلَاةِ، وَإِيتَاءِ الزَّكَاةِ، وَالْحَجِّ، وَصَوْمِ رَمَضَانَ"[1] (اسلام کی بنیاد پانچ ارکان پر ہے۔ ۱۔شہادتین کا اقرار، ۲۔ نماز قائم کرنا، ۳۔زکوٰۃ ادا کرنا، ۴۔حج اور ۵۔رمضان کے روزے)

پس آپ ﷺ کا یہ فرمانا "بُنِيَ" (ان بنیاد پر مبنی ہے) اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ یہ ارکان خمسہ ایسے ستون ہیں جن پر اسلام کی عمارت قائم ہے۔ اور ابن عمر رضی اللہ عنہما کی یہ

ماجہ: المقدمہ ٦٣، احمد ۱/ ۵۲۔ اسے مسلم نے عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا: کتاب الایمان، باب ۱، رقم ۸، ۱/۱۰۱۔ اور یہ حدیث ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت سے متفق علیہ بھی ہے: بخاری، کتاب الایمان باب ۳۷، رقم ۵۰، ۱/ ۱۵۲، اور مسلم، کتاب الایمان، باب ۱، رقم ۹ اور ۱۰، ۱/ ۱۱۵۔

[1] بخاری الایمان ۸، مسلم الایمان ۱٦، ترمذی الایمان ۲٦۰۹، نسائی الایمان وشرائعہ ۵۰۰۱، احمد ۲/ ۹۳۔ ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت سے یہ حدیث متفق علیہ ہے۔ بخاری کتاب الایمان، باب ۲، رقم ۸، ۱/ ٦۹، مسلم، کتاب الایمان باب ۵، رقم ۱۲، ۱/ ۱۳۰۔

حدیث عمر رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث جبریل علیہ السلام کی تفسیر کرتی ہے۔ اور ان امور کو بیان کرتی ہے جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیث جبریل علیہ السلام میں بیان فرمائے۔ کہ یہ ارکان اسلام اور اس کے مبانی ہیں۔ جبکہ اس کے علاوہ بھی شرعی احکامات ہیں جو ان مبانی کی تکمیل کرتے ہیں۔ اسی لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اَلْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُونَ مِنْ لِسَانِهِ وَيَدِهِ"[1] (مسلمان تو درحقیقت وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں) پس ہر قسم کی طاعات بجالانا خواہ وہ واجب ہو یا مستحب سب اسلام میں سے ہے۔ اسی طرح سے ہر ان محرمات سے اجتناب جن سے اللہ تعالیٰ نے روکا ہے اسلام میں سے ہے۔ مثلاً زنا، چوری، شراب، سود، غیبت و چغل خوری اور تمام وہ چیزیں جن سے اللہ تعالیٰ نے منع کیا ہے ان کا ترک کرنا اسلام ہے۔ لیکن یہ پانچ اس کے ارکان و ستون ہیں اور جو کچھ ان سے زائد ہیں وہ اسلام کے متممات ومکملات (جن سے اسلام کا اتمام و تکمیل ہوتی ہے) میں سے ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ نے ان ارکان خمسہ کا ذکر قرآن کریم کی بہت سے آیات کریمہ میں فرمایا ہے۔

ایمان کی تعریف

عربی لغت میں ایمان کا معنی ہے تصدیق کرنا یعنی کسی غائب شیء کے متعلق خبر کی تصدیق کرنا جس کے ساتھ خبر دینے والے پر مکمل اعتماد ہو اس طور پر کہ تصدیق کرنے والا خبر دینے والے کی خبر کے متعلق مکمل امان میں ہو (کہ وہ جھوٹ نہیں بول رہا دھوکہ نہیں دے رہا)۔

[1] بخاری الایمان ۱۰، مسلم الایمان ۴۰، نسائی الایمان وشرائعہ ۴۹۹۶، ابوداود الجہاد ۲۴۸۱، احمد ۲/۱۹۲، دارمی الرقائق ۲۷۱۶۔ بخاری نے عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت بیان کی ہے: کتاب الایمان، باب ۲۶، رقم ۱۱،۶۴۸۴/۳۸۳، اور جابر رضی اللہ عنہما سے مسلم نے

جبکہ شرعی اعتبار سے ایمان کی تعریف یہ ہے: "القول باللسان، والتصدیق بالقلب، والعمل بالجوارح، یزید بالطاعة وینقص بالمعصية" (ایمان نام ہے زبان سے اقرار، دل سے تصدیق، اعضاء وجوارح سے عمل کرنے کا جو نیکی کرنے سے بڑھتا ہے اور گناہ کرنے سے کم ہوتا ہے)۔ یہ سب باتیں اس میں شامل ہیں نا کہ لغوی معنی کی طرح محض تصدیق کرنا۔

جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ ایمان محض تصدیق کرنے کا نام ہے وہ مرجئہ ہیں۔ اور یہ لوگ صریح غلطی پر ہیں۔ ایمان ان سب مندرجہ بالا امور کے مجموعے کا نام ہے اور اس کی یہ شرعی تعریف دلائل سے اخذ کی گئی ہیں۔ یہ محض اصطلاحی یا فکری تعریف نہیں بلکہ یہ دلائل قرآن وسنت سے ماخوذ ہیں ان کے تتبع واستقراء (غور وفکر) سے حاصل شدہ ہے۔

زبان کے قول کا معنی ہے کہ انسان اپنی زبان سے لا الہ الا اللہ اور محمد رسول اللہ کی شہادت دے۔ اس کا تلفظ ادا کرے اور اعلان کرے۔ اور اس میں تمام قولی عبادات بھی شامل ہیں جیسے تسبیح وتہلیل، تلاوت قرآن وذکر الٰہی یہ سب زبان کے قول میں داخل ہیں اور یہ سب ایمان ہیں۔

اسی طرح سے ایمان دل سے اعتقاد کا نام ہے۔ یعنی محض زبان سے تلفظ کافی نہیں۔ اگر کوئی محض زبان سے اقرار کرتا ہے جبکہ دل میں اس کا اعتقاد نہیں رکھتا تو یہ منافقین کا ایمان ہے، جو کہ زبانوں سے وہ باتیں کہتے تھے جس کا دل میں اعتقاد نہیں رکھتے تھے۔ بالکل اسی طرح سے وہ شخص بھی جو دل میں تو تصدیق کرتا ہو مگر زبان سے اقرار نہ کرے تو وہ مومن نہیں۔ کیونکہ مشرکین وکفار اپنے دل میں رسول اللہ ﷺ کی صداقت کا یقین رکھتے تھے لیکن مختلف اغراض میں سے کسی غرض کی خاطر اپنی زبان سے اقرار نہیں کیا، یا تو اپنے دین کی حمیت میں جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے کفار قریش سے مطالبہ کیا کہ وہ لا الہ الا اللہ کا زبان سے اقرار کریں تو انہوں نے کہا:

﴿أَجَعَلَ الْآلِهَةَ إِلَٰهًا وَاحِدًا ۖ إِنَّ هَٰذَا لَشَيْءٌ عُجَابٌ﴾ (ص: ۵)

(کیا اس نے سب معبودات کا ایک ہی معبود بنا دیا! کہ تو بڑی عجیب بات ہے)

پس انہوں نے لا الہ الا اللہ کی گواہی دینے سے انکار محض اپنے دین کی حمیت اور اوثان وبتوں کی عبادت کے سبب سے کیا۔

فرقہ مرجئہ کے نزدیک ایمان کی تعریف:

لہذا دلی تصدیق زبان سے اقرار کے بغیر کافی نہیں۔ اور نہ ہی ایمان کہلا سکتی ہے۔ یہ مرجئہ کے نزدیک ہی ایمان ہو سکتا، اور مرجئہ ایک فرقہ ہے جس نے اہل سنت والجماعت کی مخالفت کی ہے، جس کی وجہ سے اس کے قول کا کوئی اعتبار بھی نہیں۔

پھر جو شخص زبان سے اقرار کرے اور دل سے بھی تصدیق کرے مگر اپنے اعضاء وجوارح سے عمل نہ کرے تو وہ بھی مومن نہیں سوائے مرجئہ کے نزدیک۔ کیونکہ بعض مرجئہ جیسے مرجئۃ الفقہاء کہتے ہیں ایمان کی تعریف یہ ہے کہ زبان کا قول اور دل کی تصدیق۔ جوارح سے عمل کرنے کو وہ ایمان کی تعریف میں داخل نہیں کرتے۔

مرجئہ کی اقسام: مرجئہ کے چار فرقے ہیں:

۱- ایک فرقہ کا یہ کہنا ہے کہ ایمان فقط زبان سے اقرار کا نام ہے اور یہ کرامیہ کہلاتے ہیں۔

۲- دوسرے فرقہ کا کہنا ہے کہ ایمان محض دل کی تصدیق کا نام ہے اگرچہ زبان سے اقرار نہ کیا جائے۔ اور یہ اشاعرہ کا قول ہے۔

۳- تیسرا فرقہ کا یہ کہنا ہے کہ ایمان محض دل کی معرفت کا نام ہے اگرچہ تصدیق بھی نہ ہو۔ اگر وہ دل سے جانتا ہے مگر تصدیق نہیں بھی کرتا تو وہ مومن ہے اور یہ جہمیہ کا قول ہے۔ جو کہ

مرجئہ کا سب سے بدترین فرقہ ہے۔

۴۔چوتھا فرقہ کا یہ کہنا ہے ایمان زبان سے اقرار اور دل سے اعتقاد کا نام ہے۔ اور یہ گمراہی میں سب سے ہلکے ترین مرجئہ کا فرقہ ہے۔ اسی لئے انہیں مرجئة الفقهاء کہا جاتا ہے۔

اہل سنت والجماعت کے نزدیک ایمان کی تعریف:

جبکہ جمہور اہل سنت والجماعت کہتے ہیں کہ مندرجہ ذیل حقائق کا ایمان میں ہونا ضروری ہے:

زبان کا قول، دل کا اعتقاد، جوارح سے عمل، نیکی سے بڑھنا اور بدی سے کم ہونا۔ پس جب بھی کوئی شخص نیکی و فرمانبرداری کا کام کرتا ہے تو اس کے ایمان میں اضافہ ہوتا ہے۔ اور جب کبھی بھی کوئی معصیت و گناہ کا ارتکاب کرتا ہے تو اس کے ایمان میں نقص پیدا ہوتا ہے۔ لہذا اگر آپ چاہتے ہیں کہ آپ کے ایمان میں اضافہ ہو تو اطاعت گزاری کو لازم پکڑو جیسے اللہ تعالیٰ کا ذکر ایمان میں اضافہ کرتا ہے اسی طرح سے قرآن کریم کو سننا ایمان میں اضافے کا سبب ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ إِذَا ذُكِرَ اللَّهُ وَجِلَتْ قُلُوبُهُمْ وَإِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ آيَاتُهُ زَادَتْهُمْ إِيمَانًا وَعَلَىٰ رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُونَ﴾ (الانفال: ۲)

(بس ایمان والے تو ایسے ہوتے ہیں جب اللہ تعالیٰ کا ذکر آتا ہے تو ان کے قلوب ڈر جاتے ہیں اور جب اللہ تعالیٰ کی آیتیں ان کو پڑھ کر سنائی جاتی ہیں تو وہ آیتیں ان کے ایمان کو اور زیادہ کر دیتی ہیں اور وہ لوگ اپنے رب پر توکل کرتے ہیں)

اور فرمایا:

﴿وَيَزِيدُ اللَّهُ الَّذِينَ اهْتَدَوْا هُدًى﴾ (مریم: ۷۶)

(اور ہدایت یافتہ لوگوں کو اللہ تعالی ہدایت میں بڑھاتا ہے)

اور

﴿وَيَزْدَادَ الَّذِينَ آمَنُوا إِيمَانًا﴾ (المدثر: ۳۱)

(اور ایماندار ایمان میں اور بڑھ جائیں)

یہ آیات اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ ایمان نیکیوں سے بڑھتا اور برائیوں سے گھٹتا ہے۔ جب کبھی بھی کوئی شخص اپنے رب کی نافرمانی کرتا رہتا ہے اس کے ایمان میں نقص واقع ہوتا رہتا ہے یہاں تک کہ اس کا ایمان انتہائی ضعیف وکمزور ہو جاتا ہے کہ وہ ایک رائی کے دانے برابر یا اس سے بھی کم تک پہنچ جاتا ہے۔ اور مزید اس میں کمی وکمزوری آتی رہتی ہے یہاں تک کہ وہ کفر سے قریب تر ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالی کا فرمان ہے:

﴿هُمْ لِلْكُفْرِ يَوْمَئِذٍ أَقْرَبُ مِنْهُمْ لِلْإِيمَانِ﴾ (آل عمران: ۱۶۷)

(وہ اس دن بہ نسبت ایمان کے کفر کے بہت نزدیک تھے)

چنانچہ معاصی ایمان کے نقص کا سبب ہیں۔ اب جو کوئی بھی اپنے ایمان میں نقص وکمی سے ڈرتا ہے تو اسے چاہیے کہ معاصی سے اجتناب کرے۔ ورنہ وہ یہ جان لے کہ یہ سب کی سب ایمان کے کھاتے ہی میں ڈالی جاتی ہیں۔ جب بھی معصیت کرو گے تمہارا ایمان اس کی وجہ سے کم ہوتا رہے گا یہاں تک کہ اس میں سے بہت ہی قلیل مقدار باقی رہ جائے گی۔ بلکہ یہ بھی عین ممکن ہے کہ وہ بالکل ہی ختم ہو جائے۔ کیونکہ بعض ایسی معاصی ونافرمانیاں بھی ہیں جو ایمان کو بالکل ہی ختم کر دیتی ہے کہ اس کے مرتکب کے ساتھ ایمان نام کی کوئی چیز باقی نہیں رہتی۔ جیسے اللہ تعالی کے ساتھ کفر وشرک کرنا اور نماز ترک کرنا ان سے ایمان بالکلیہ زائل ہو جاتا ہے۔ یہ ہے اہل سنت والجماعت کے نزدیک ایمان کی تعریف۔

ارکانِ ایمان

ایمان کے بھی ارکان ہیں یعنی اس کے ستون ہیں کہ جن پر وہ قائم ہے اور ان کے بغیر وہ قائم رہ ہی نہیں سکتا۔ جب یہ ارکان و ستون موجود ہوں گے تو ایمان بھی قائم رہے گا۔ اور ان ارکان کا ذکر نبی اکرم ﷺ نے اپنی مشہور حدیث جبرئیل علیہ السلام میں فرمایا کہ جب جبرئیل علیہ السلام نے آپ ﷺ سے ایمان کی بابت سوال کیا تو فرمایا: ''أَخْبِرْنِي عَنِ الإِيمَانِ. فَقَالَ: أَنْ تُؤْمِنَ بِاللهِ، وَمَلَائِكَتِهِ، وَكُتُبِهِ، وَرُسُلِهِ، وَالْيَوْمِ الآخِرِ، وَتُؤْمِنَ بِالْقَدَرِ خَيْرِهِ وَشَرِّهِ''[1] (مجھے ایمان کے متعلق خبر دیں: تو فرمایا: ایمان یہ ہے کہ تم ایمان لاؤ اللہ تعالیٰ پر، اس کے فرشتوں پر، اس کی کتابوں پر، اس کے رسولوں پر، یوم آخرت پر، اور تقدیر کے اچھا برا ہونے پر) یہ ہیں چھ ارکان ایمان۔

احسان کی تعریف

احسان کی تعریف بھی رسول اللہ ﷺ نے اپنی مشہور حدیث جبرئیل میں فرمائی: ''أَخْبِرْنِي عَنِ الإِحْسَانِ، قَالَ: أَنْ تَعْبُدَ اللهَ كَأَنَّكَ تَرَاهُ، فَإِنْ لَمْ تَكُنْ تَرَاهُ، فَإِنَّهُ يَرَاكَ''[2] (مجھے احسان کے بارے میں خبر دیں؟ فرمایا: احسان یہ ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کی اس طرح سے عبادت کرو گویا کہ تم اسے دیکھ رہے ہو، اور اگر یہ دیکھنے کی کیفیت پیدا نہیں ہوتی تو اتنا احساس ضرور ہو کہ وہ تو تمہیں دیکھ رہا ہے) اور احسان کا ایک ہی رکن ہے۔

---

[1] تخریج گزر چکی ہے۔

[2] تخریج گزر چکی ہے۔

اسلام اور ایمان میں فرق

جب اسلام اور ایمان کا شرعی نصوص میں کسی ایک مقام پر ایک ساتھ ذکر ہو یا پھر دونوں کا علیحدہ علیحدہ مقام پر انفرادی طور پر ذکر ہو تو اس بارے میں علماء کرام نے ایک قاعدہ بیان فرمایا ہے: "انهما اذا اجتمعا افترقا، واذا افترقا اجتمعا" (جب یہ دونوں ایک ساتھ ذکر ہوں تو ان کے معنی میں فرق کیا جائے گا، اور اگر انفرادی طور پر الگ مقامات پر ذکر ہو تو ایک دوسرے کے معنی کو شامل ہوں گے) یعنی جب دونوں کا ایک ساتھ ذکر ہو گا تو ان کے معنی میں فرق کیا جائے گا۔ پس اسلام کا معنی اس صورت میں دین کے ظاہری اعمال ہو گا اور ایمان کا معنی باطنی یا دلی اعمال ہو گا۔ جیسا کہ حدیث جبرئیل علیہ السلام میں بیان ہوا کہ انہوں نے بھی اسلام کی تفسیر اعمال ظاہرہ سے کی اور ایمان کی تفسیر اعمال باطنہ سے کی۔

لیکن اگر اسلام انفرادی طور پر کہیں مذکور ہو تو اس میں ایمان بھی داخل سمجھا جائے گا۔ اور اسی طرح سے اگر ایمان انفرادی طور پر کہیں مذکور ہو تو اس میں اسلام بھی داخل سمجھا جائے گا۔ کیونکہ اسلام ایمان کے بغیر ممکن نہیں اور ایمان اسلام کے بغیر ناممکن ہے۔

یہ ہے ایمان کی تعریف کتاب و سنت اور مذہب اہل سنت والجماعت میں۔

توحید اسماء وصفات

یہ مندرجہ ذیل فصول پر مشتمل ہے:

پہلی فصل: اثباتِ اسماء وصفات کے بارے میں کتاب وسنت اور عقلی دلائل۔

دوسری فصل: اللہ تعالیٰ کے اسماء وصفات کے بارے میں اہلسنت والجماعت کا منہج۔

تیسری فصل: جو لوگ تمام اسماء وصفات کا یا ان میں سے بعض کا انکار کرتے ہیں ان کا رد۔

پہلی فصل: اثباتِ اسماء وصفات کے بارے میں کتاب وسنت اور عقلی دلائل

۱۔ قرآن کریم سے دلائل:

اس بات کا پہلے بیان گزر چکا ہے کہ توحید تین اقسام میں تقسیم ہوتی ہے: توحیدِ ربوبیت، توحیدِ الوہیت اور توحیدِ اسماء وصفات، پھر اس کی پہلی دو اقسام یعنی توحیدِ ربوبیت اور توحیدِ الوہیت کے بارے میں جملہ دلائل بیان کئے۔ اب ہم اس کی تیسری قسم یعنی توحیدِ اسماء وصفات کے بارے میں دلائل بیان کریں گے۔

پس کتاب وسنت کے یہ کچھ دلائل ملاحظہ ہوں، قرآن کریم کے دلائل میں سے اللہ تعالی کا یہ فرمان ہے:

﴿وَلِلَّهِ الْأَسْمَاءُ الْحُسْنَى فَادْعُوهُ بِهَا وَذَرُوا الَّذِينَ يُلْحِدُونَ فِي أَسْمَائِهِ سَيُجْزَوْنَ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ﴾ (الاعراف: ۱۸۰)

(اور اچھے اچھے نام اللہ تعالی ہی کے لئے ہیں سو انہی ناموں سے اللہ تعالی کو موسوم کیا کرو اور ایسے لوگوں سے تعلق بھی نہ رکھو جو اس کے ناموں میں کج روی اختیار کرتے ہیں، ان لوگوں کو ان کے کئے کی ضرور سزا ملے گی)

اللہ تعالی نے اس آیت میں اپنے لئے اسماء (ناموں) کا اثبات فرمایا ہے، اور یہ بھی خبر دی کہ وہ حسنیٰ (اچھے) ہیں، پھر ان کے ذریعہ دعاء کرنے کا حکم ارشاد فرمایا، جیسا کہ پکارا جائے یااللہ، یارحمن، یارحیم، یاحی یاقیوم، یارب العالمین وغیرہ۔ ساتھ ہی جو لوگ اس کے اسماء کے بارے میں کج روی اختیار کرتے ہیں انہیں وعید سنائی ہے یعنی جو اس کے اسماء کے بارے میں حق بات سے انحراف کرتے ہیں خواہ ان کی اللہ تعالی سے نفی کرنے کی صورت میں ہو یا اس کے صحیح معنی سے ہٹ کر غلط تاویل کرنے کی صورت میں، یا پھر ان کے علاوہ جو الحاد

کی مختلف اقسام ہیں اللہ تعالیٰ نے انہیں یہ وعید سنائی ہے کہ وہ ان کے اس برے فعل کی ضرور انہیں سزا دے گا اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ اللَّهُ لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ لَهُ الْأَسْمَاءُ الْحُسْنَىٰ ﴾ (طٰہٰ : ۸)

(وہی اللہ ہے جس کے سوا کوئی معبود حقیقی نہیں، بہترین نام اسی کے ہیں)

﴿ هُوَ اللَّهُ الَّذِي لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ عَالِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ هُوَ الرَّحْمَٰنُ الرَّحِيمُ هُوَ اللَّهُ الَّذِي لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ الْمَلِكُ الْقُدُّوسُ السَّلَامُ الْمُؤْمِنُ الْمُهَيْمِنُ الْعَزِيزُ الْجَبَّارُ الْمُتَكَبِّرُ سُبْحَانَ اللَّهِ عَمَّا يُشْرِكُونَ هُوَ اللَّهُ الْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ لَهُ الْأَسْمَاءُ الْحُسْنَىٰ يُسَبِّحُ لَهُ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ﴾ (الحشر : ۲۲-۲۴)

(وہی اللہ ہے جس کے سوا کوئی معبود حقیقی نہیں، چھپے کھلے کا جاننے والا مہربان اور رحم کرنے والا، وہی اللہ ہے جس کے سوا کوئی معبود حقیقی نہیں، بادشاہ، نہایت پاک، سب عیبوں سے صاف، امن دینے والا، نگہبان، غالب زورآور، اور بڑائی والا، پاک ہے اللہ تعالیٰ ان چیزوں سے جنہیں یہ اس کا شریک بناتے ہیں، وہی اللہ ہے پیدا کرنے والا وجود بخشنے والا، صورت بنانے والا، اسی کے لئے (نہایت) اچھے نام ہیں، ہر چیز خواہ وہ آسمانوں میں ہو یا زمین میں اس کی پاکی بیان کرتی ہے، اور وہی غالب حکمت والا ہے)

پس یہ آیات اللہ تعالیٰ کے اسماء کے اثبات پر دلالت کرتی ہیں۔

۲- سنت نبوی (ﷺ) سے اثبات اسماء باری تعالیٰ کے دلائل:

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ (ﷺ) نے فرمایا: "إِنَّ لِلَّهِ تِسْعَةً

وَتِسْعِينَ اسْمًا مِائَةً إِلَّا وَاحِدًا مَنْ أَحْصَاهَا دَخَلَ الْجَنَّةَ"[1] (اللہ تعالیٰ کے ننانوے (۹۹) یعنی ایک کم سو (۱۰۰) نام ہیں، جس نے ان کا احصاء کیا تو وہ جنت میں داخل ہوگا) اور اللہ تعالیٰ کے اسماء اس عدد میں محصور نہیں ہیں جس کی دلیل عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ جس میں رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا: "أَسْأَلُكَ بِكُلِّ اسْمٍ هُوَ لَكَ. سَمَّيْتَ بِهِ نَفْسَكَ. أَوْ أَنْزَلْتَهُ فِي كِتَابِكَ. أَوْ عَلَّمْتَهُ أَحَدًا مِنْ خَلْقِكَ. أَوِ اسْتَأْثَرْتَ بِهِ فِي عِلْمِ الْغَيْبِ عِنْدَكَ. أَنْ تَجْعَلَ الْقُرْآنَ رَبِيعَ قَلْبِي ـ ـ ـ"[2] (اے اللہ! میں تیرے ہر اس نام کے واسطے سے سوال کرتا ہوں جس سے تو نے اپنے آپ کو موسوم فرمایا ہے، یا پھر اسے اپنی کتاب میں نازل فرمایا ہے، یا پھر اپنی کسی مخلوق کو سکھایا ہے، یا پھر تو نے اسے اپنے پاس صیغۂ غیب میں رکھا ہے کہ تو قرآن کریم کو میرے دل کی بہار بنا دے ـ ـ ـ)

اللہ تعالیٰ کے ناموں میں سے ہر نام اس کی کسی نہ کسی صفت کو متضمن ہوتا ہے جیسا کہ اسم "علیم" صفتِ علم پر دلالت کرتا ہے، اور "حکیم" صفتِ حکمت پر دلالت کرتا ہے۔ "سمیع وبصیر" صفتِ سماعت وبصارت پر دلالت کناں ہیں۔ اسی طرح تمام اسماء اللہ تعالیٰ کی صفات میں سے کسی نہ کسی صفت پر دلالت کناں ہوتے ہیں، اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

[1] البخاري الشروط (٢٥٨٥)، مسلم الذكر والدعاء والتوبة والاستغفار (٢٦٧٧)، الترمذي الدعوات (٣٥٠٧)، ابن ماجه الدعاء (٣٨٦١)، أحمد (٢/٢٦٧).

[2] رواه أحمد (١/٣٩١) في المسند، وصححه ابن حبان. پس یہ حدیث اللہ تعالیٰ کے اسماء کے کسی خاص عدد میں محصور ہونے کی نفی کرتی ہے۔ اسی لئے ننانوے (۹۹) اسماء والی حدیث سے مراد یہ ہے کہ جس نے ان ننانوے ناموں کی تعلیم حاصل کی اور ان کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ سے دعا کی اور اس کی عبادت کی تو وہ جنت میں داخل ہوگا لہذا یہ ان مخصوص ناموں کی خاص فضیلت ہے، واللہ اعلم۔

﴿ قُلْ هُوَ اللّٰهُ أَحَدٌ اللّٰهُ الصَّمَدُ لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُولَدْ وَلَمْ يَكُنْ لَّهُ كُفُوًا أَحَدٌ ﴾ (الاخلاص)

(آپ (ﷺ) کہہ دیجئے کہ وہ اللہ تعالیٰ ایک (ہی) ہے، اللہ تعالیٰ بے نیاز ہے، نہ اس سے کوئی پیدا ہوا نہ وہ کسی سے پیدا ہوا، اور نہ کوئی اس کا ہمسر ہے)

سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرمایا کہ: ''كَانَ رَجُلٌ مِنَ الْأَنْصَارِ يَؤُمُّهُمْ فِي مَسْجِدِ قُبَاءٍ وَكَانَ كُلَّمَا افْتَتَحَ سُورَةً يَقْرَأُ بِهَا لَهُمْ فِي الصَّلَاةِ مِمَّا يَقْرَأُ بِهِ افْتَتَحَ بِ ﴿ قُلْ هُوَ اللّٰهُ أَحَدٌ ﴾ حَتَّى يَفْرُغَ مِنْهَا ثُمَّ يَقْرَأُ سُورَةً أُخْرَى مَعَهَا وَكَانَ يَصْنَعُ ذَلِكَ فِي كُلِّ رَكْعَةٍ فَكَلَّمَهُ أَصْحَابُهُ فَقَالُوا إِنَّكَ تَفْتَتِحُ بِهَذِهِ السُّورَةِ ثُمَّ لَا تَرَى أَنَّهَا تُجْزِئُكَ حَتَّى تَقْرَأَ بِأُخْرَى فَإِمَّا تَقْرَأُ بِهَا وَإِمَّا أَنْ تَدَعَهَا وَتَقْرَأَ بِأُخْرَى فَقَالَ مَا أَنَا بِتَارِكِهَا إِنْ أَحْبَبْتُمْ أَنْ أَؤُمَّكُمْ بِذَلِكَ فَعَلْتُ وَإِنْ كَرِهْتُمْ تَرَكْتُكُمْ وَكَانُوا يَرَوْنَ أَنَّهُ مِنْ أَفْضَلِهِمْ وَكَرِهُوا أَنْ يَؤُمَّهُمْ غَيْرُهُ فَلَمَّا أَتَاهُمُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَخْبَرُوهُ الْخَبَرَ فَقَالَ يَا فُلَانُ مَا يَمْنَعُكَ أَنْ تَفْعَلَ مَا يَأْمُرُكَ بِهِ أَصْحَابُكَ وَمَا يَحْمِلُكَ عَلَى لُزُومِ هَذِهِ السُّورَةِ فِي كُلِّ رَكْعَةٍ فَقَالَ إِنِّي أُحِبُّهَا فَقَالَ حُبُّكَ إِيَّاهَا أَدْخَلَكَ الْجَنَّةَ''[1] (انصار میں سے ایک شخص مسجد قباء میں ان کی امامت کروایا کرتا تھا، وہ جب کبھی بھی نماز میں کوئی سورۃ تلاوت کرتا تو اس سے پہلے ﴿ قُلْ هُوَ اللّٰهُ أَحَدٌ ﴾ پوری سورۃ ضرور تلاوت کرتا، پھر اس کے بعد کوئی دوسری سورۃ اس کے ساتھ تلاوت کرلیتا، اور وہ اپنی ہر رکعت میں ایسا ہی کرتا تھا، چنانچہ اس بارے میں اس کے ساتھیوں نے دریافت کرتے ہوئے کہا: کہ آپ اپنی ہر رکعت میں اس سورۃ کی تلاوت سے شروع کرتے ہیں اور پھر اسے گویا کہ ناکافی سمجھتے ہوئے اس کے ساتھ دوسری سورۃ بعد میں تلاوت

[1] ترمذی فضائل القرآن (۲۹۰۱) ، بخاری فضائل القرآن (۳۶۳۵)

کرتے ہیں! آپ یا تو محض اس سورۃ ہی کی تلاوت کر لیا کریں، یا پھر اسے چھوڑ کر کسی دوسری کی کیا کریں۔ تو اس نے جواب دیا کہ: میں تو اسی طرح سے آپ کی امامت کرتا رہوں گا اگر آپ کو پسند ہے تو ٹھیک اور اگر ناپسند ہے تو میں تمہاری امامت چھوڑ دیتا ہوں۔ حالانکہ وہ سب اسے اپنے میں سے سب سے افضل تصور کرتے تھے اور اس کے علاوہ کسی اور کی امامت کو بھی ناپسند کرتے تھے۔ پس جب وہ نبی کریم (ﷺ) کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ (ﷺ) کو یہ ماجرا سنایا تو آپ (ﷺ) نے فرمایا: اے فلاں! تجھے کس بات نے تیرے ساتھیوں کی خواہش پر عمل کرنے سے روکا ہے؟ اور کس چیز نے تجھے ہر رکعت میں اس سورۃ کو لازم کرنے پر ابھارا ہے؟ اس نے جواب دیا: مجھے اس سے محبت ہے۔ تو رسول اللہ (ﷺ) نے فرمایا: تمہاری اس سے محبت نے تمہیں جنت میں داخل کر دیا)

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ (ﷺ) نے ایک شخص کو ایک سریہ[1] کے لئے روانہ فرمایا جو ان کی نمازوں میں امامت کرایا کرتا تھا تو وہ اپنی ہر رکعت کی تلاوت کو ﴿قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ﴾ پر ختم کرتا۔ چنانچہ جب وہ واپس لوٹے تو اس بات کا ذکر انہوں نے نبی اکرم (ﷺ) کے سامنے کیا۔ جس پر آپ (ﷺ) نے فرمایا: "سَلُوهُ لِأَيِّ شَيْءٍ يَصْنَعُ ذَلِكَ؟" (اس سے پوچھو کہ وہ ایسا کیوں کرتا ہے؟) پس انہوں نے دریافت کیا تو اس نے جواب دیا کہ: "لِأَنَّهَا صِفَةُ الرَّحْمَنِ وَأَنَا أُحِبُّ أَنْ أَقْرَأَ بِهَا" (کیونکہ یہ رحمن کی صفت ہے، اس لئے مجھے محبوب ہے کہ میں اس کی تلاوت کروں) اس پر نبی کریم (ﷺ) نے

[1] وہ جنگ جس میں رسول اللہ (ﷺ) بنفس نفیس شریک نہ ہوئے ہوں بلکہ صحابہ رضی اللہ عنہم کو روانہ فرمایا ہو اسے "سریہ" کہا جاتا ہے جبکہ جس میں آپ (ﷺ) خود شریک ہوں اسے "غزوہ" کہا جاتا ہے۔ (م ع)

فرمایا: ''أَخْبِرُوهُ أَنَّ اللهَ يُحِبُّهُ''[1] (اسے خبر دے دو کہ اللہ تعالیٰ بھی اس سے محبت فرماتا ہے) یعنی یہ اللہ تعالیٰ کی صفات پر مشتمل سورۃ ہے۔

اللہ تعالیٰ نے یہ خبر دی ہے کہ اس کا چہرہ مبارک ہے، فرمایا:

﴿ وَيَبْقَىٰ وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ ﴾ (الرحمن: ۲۷)

(صرف تیرے رب کا چہرہ (اور اس کی ذات) جو جلالت و اکرام والا ہے باقی رہ جائے گا)

اور اس کے دو دستِ مبارک ہیں، فرمایا:

﴿ لِمَا خَلَقْتُ بِيَدَيَّ ﴾ (ص: ۷۵)

((اے ابلیس تجھے کس چیز نے اسے سجدہ کرنے سے روکا) جسے میں نے اپنے دونوں ہاتھوں سے پیدا فرمایا)

﴿ بَلْ يَدَاهُ مَبْسُوطَتَانِ ﴾ (بلکہ اس کے دونوں ہاتھ کشادہ ہیں)

((یہود کے جھوٹ کے مطابق اللہ تعالیٰ کے ہاتھ بندھے ہوئے نہیں) بلکہ اس کے دونوں ہاتھ کھلے ہوئے اور کشادہ ہیں)۔ اور وہ راضی ہوتا ہے، محبت فرماتا ہے، غصہ فرماتا ہے وغیرہ جو صفات بھی اس نے اپنے لئے یا اس کے رسول (ﷺ) نے اس کے لئے ثابت فرمائی ہیں۔

۳- <u>شریعت سے ثابت شدہ اسماء وصفات کے اثبات کے لئے عقلی دلائل:</u>

۱- یہ عظیم مخلوقات اپنی تنوع، اختلاف، اور اپنے ادائیگیِ مصالحِ حیات کے انتظام، اور اپنے

[1] البخاري التوحيد (٦٩٤٠)، مسلم صلاة المسافرين وقصرها (٨١٣)، النسائي الافتتاح (٩٩٣).

مقرر کردہ نظام کی پیروی میں دلالت کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کی عظمت اس کی قدرت، علم وحکمت اور ارادے ومشیئت پر۔

۲- انعام واحسان فرمانا، مشکل کشائی وحاجت روائی فرمانا یہ چیزیں دلالت کرتی ہیں اللہ تعالیٰ کی رحمت اور جود وکرم پر۔

۳- نافرمانوں سے عقاب وانتقام لینا دلالت کرتا ہے اللہ تعالیٰ کا ان پر غصہ ہونے اور ناپسند کرنے پر۔

۴- فرمانبرداروں کا اکرام کرنا اور انہیں ثواب عطا کرنا دلالت کرتا ہے اللہ تعالیٰ کی ان سے رضا مندی اور محبت پر۔

دوسری فصل: اسماء وصفاتِ الٰہیہ کے بارے میں اہل سنت والجماعت کا منہج

سلف اور ان کی اتباع کرنے والے اہل سنت والجماعت کا اسماء وصفات کے بارے میں یہ منہج ہے کہ: "إثباتُ أسماءِ الله وصفاته كما وردت في الكتاب والسنة" (اللہ تعالیٰ کے اسماء وصفات کا اسی طرح سے اثبات کرنا جیسا کہ وہ کتاب وسنت میں وارد ہوئے ہیں) اور انہوں نے اپنے منہج کی بنیاد مندرجہ ذیل قواعد پر رکھی ہے:

۱- وہ لوگ اللہ تعالیٰ کے اسماء وصفات کا اثبات کتاب وسنت میں وارد ہونے والے ان کے ظاہر پر کرتے ہیں، جن معانی پر وہ الفاظ دلالت کرتے ہیں اسے ظاہر پر رکھنا اور تاویل نہ کرنا، ان الفاظ اور ان کی دلالتوں کو ان کے اصل مقام سے تحریف نہ کرنا۔

۲- اس کی مخلوقات کی مشابہت سے نفی کرنا، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ وَهُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ﴾ (الشوریٰ: ۱۱)

(اس جیسی کوئی چیز نہیں اور وہ سننے والا اور دیکھنے والا ہے)

۳- وہ اسماء وصفات کے اثبات کے بارے میں کتاب وسنت سے تجاوز نہیں کرتے لہذا جو کچھ اللہ تعالی اور اس کے رسول (ﷺ) نے ثابت فرمایا اسے ثابت کرتے ہیں، جس کی نفی فرمائی اس کی نفی کرتے ہیں، اور جس پر سکوت اختیار فرمایا اس پر سکوت اختیار کرتے ہیں۔

۴- وہ یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ اسماء وصفات کے بارے میں جو نصوص ہیں وہ محکمات میں سے ہیں جن کا معنی معلوم ہے اور اس کی تفسیر کی جاتی ہے، یہ متشابہات میں سے نہیں کہ وہ اس کا معنی بھی اللہ تعالی کے سپرد (تفویض) کرتے ہوں، جیسا کہ ان کی طرف جھوٹ منسوب کرنے والوں کا دعوی ہے، یا پھر وہ ان کے منہج سے واقف ہی نہیں جیسا کہ موجودہ دور کے بعض قلم کاروں اور مؤلفین کا حال ہے۔

۵- وہ اللہ تعالی کی صفات کی کیفیت کو اس کے سپرد (تفویض) کرتے ہیں، اور اس بارے میں کھوج نہیں لگاتے۔

تیسری فصل: اللہ تعالی کے تمام اسماء وصفات یا بعض کا انکار کرنے والوں پر رد

جو لوگ اللہ تعالی کے اسماء وصفات کا انکار کرتے ہیں وہ تین اقسام کے ہیں:

۱- الجہمیہ: یہ جہم بن صفوان[1] کے پیروکار ہیں، یہ لوگ تمام اسماء وصفات کے منکر ہیں۔

[1] الجہم بن صفوان: ابو محرز الراسبی ان کے موالی السمرقندی ہیں، کاتب واہل الکلام میں سے ہیں گمراہوں اور جہمیوں کے سردار ہیں۔ بڑے ذہین ومناظر تھے، امیر حارث بن سریج التمیمی کے لئے لکھتے تھے۔ وہ صفات کے منکر تھے جس کے ذریعہ سے اپنے زعم میں وہ اللہ تعالی کو پاک قرار دیتے تھے۔ اور خلق قرآن کا عقیدہ رکھتے تھے اور کہتے تھے کہ اللہ تعالی اپنی ذات کے اعتبار سے ہر جگہ پر موجود ہے۔ ابن حزم رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

(جاری ہے۔۔۔)

۲- المعتزلہ: یہ واصل بن عطاء[۱] کے پیروکار ہیں، جس نے امام حسن بصری رحمہ اللہ کی مجلس سے اعتزال (علیحدگی) اختیار کیا تھا۔ یہ لوگ اسماء کو اس طور پر ثابت کرتے ہیں کہ یہ مجرد الفاظ ہیں جن کے کوئی معانی نہیں، اور تمام صفات کے منکر ہیں۔

۳- اشاعرہ[۲] اور ماتریدیہ[۳] اور جو ان کے پیروکار ہیں: یہ لوگ اسماء کو ثابت کرتے ہیں اور ساتھ ہی بعض صفات کو بھی، البتہ بعض صفات کے انکاری ہیں، اور وہ شبہ جس پر ان تمام

"وہ مقاتل سے تجسیم کے بارے میں اختلاف رکھتے تھے" اور وہ کہتے تھے کہ "ایمان محض دل کے عقیدے کا نام ہے اگرچہ زبان سے کفر ہی کیوں نہ بکا جائے" کہا جاتا ہے کہ سلم بن احوز نے جہم کو اس بات پر قتل کیا تھا کہ وہ اللہ تعالیٰ کا موسیٰ علیہ السلام سے کلام کرنے کا انکار کیا کرتا تھا۔

[1] واصل بن عطاء بہت فصیح اللسان تھا مگر حرف "ر" ادا نہیں کر پاتا تھا۔ اس کے باوجود وہ اتنی فصاحت سے بولتا تھا کہ "ر" سے اجتناب کرتے ہوئے بڑے بڑے اشعار اور تقاریر کر جاتا تھا۔ اس کا اصل نام عمرو بن عبید تھا معتزلہ کا بانی۔ امام حسن بصری رحمہ اللہ نے اسے اپنی مجلس سے نکال دیا تھا جب اس نے یہ کہا کہ ایک فاسق و فاجر مسلمان نہ مومن ہوتا ہے نہ کافر اور عمرو نے اس کا ساتھ دیا، اور ان دونوں نے امام حسن بصری کی مجلس سے اعتزال (جدائی) اختیار کر لی، جس کے بعد سے یہ لوگ معتزلہ کہلائے جانے لگے۔

[2] یہ امام ابوالحسن اشعری رحمہ اللہ نے مذہب اہل سنت کی جانب رجوع کرنے سے پہلے کے مذہب کی اتباع کرتے ہیں جو صفات کی تاویلات پر مبنی تھا، حالانکہ امام صاحب نے اپنے اس باطل مذہب سے قبل از وفات رجوع فرما لیا تھا اور صحیح سلفی موقف پر کتب بھی تصنیف فرمائیں جیسے "الابانۃ فی اصول الدیانۃ" اور "مقالات الاسلامیین" وغیرہ، مگر جو آج ان کی جانب منسوب ہیں وہ ان کے اسی قدیم باطل مذہب کے پیروکار ہیں، لہذا ان کا انتساب امام صاحب کی طرف درست نہیں۔ (ط ح)

[3] یہ ابو منصور ماتریدی رحمہ اللہ کے پیروکار ہیں، ان کا مذہب بھی تقریباً اشعری مذہب جیسا ہے کہ صفات کی تاویلات کرتے ہیں۔ ہمارے یہاں اکثریت احناف انہی اشعری وماتریدی مذہب کی پیروکار ہیں۔ ماتریدیت کے رد پر بہترین کتاب "الماتریدیۃ" از شیخ شمس الدین سلفی افغانی رحمہ اللہ کا مطالعہ نہایت مفید رہے گا۔ (ط ح)

نے اپنے مذاہب کی بنیاد رکھی ہے وہ ان کے زعم میں مخلوق سے خالق کی تشبیہ ہونے سے راہِ فرار اختیار کرنا ہے، کیونکہ مخلوق بھی بعض ان اسماء سے موسوم ہیں یا پھر ان صفات سے متصف ہیں۔ لہٰذا الفاظ، صفات اور معانی میں اشتراک ہونے سے اس کی حقیقت میں بھی اشتراک لازم آتا ہے، اور یہ ان کی نظر میں خالق کو مخلوق سے تشبیہ دینا ہے، اس وجہ سے یہ دو میں ایک بات کی طرف مجبور ہوئے:

۱- یا تو اسماء وصفات کے بارے میں نصوص کی اس کے ظاہر سے تاویل کی جائے، جیسا کہ وجہ (چہرے) کی تاویل ذات سے کرنا اور ید (ہاتھ) کی تاویل نعمت سے کرنا وغیرہ۔

۲- یا پھر ان نصوص کے معانی کو بھی اللہ تعالیٰ کے سپرد کرنا (تفویض کرنا)، چنانچہ وہ کہتے ہیں اللہ تعالیٰ کو ہی اس کی مراد کا علم ہے؛ جبکہ دل میں اس کے ظاہر کا اعتقاد نہیں رکھتے[1]۔

سب سے پہلے جن لوگوں سے اسماء وصفات کا انکار کرنا ثابت ہے وہ مشرکین عرب تھے، کہ جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

﴿كَذَٰلِكَ أَرْسَلْنَاكَ فِي أُمَّةٍ قَدْ خَلَتْ مِن قَبْلِهَا أُمَمٌ لِّتَتْلُوَ عَلَيْهِمُ الَّذِي أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ وَهُمْ يَكْفُرُونَ بِالرَّحْمَٰنِ﴾ (الرعد: ۳۰)

(اسی طرح ہم نے آپ کو اس امت میں بھیجا ہے جس سے پہلے بہت سی امتیں گزر چکی ہیں کہ

[1] حالانکہ امام مالک رحمہ اللہ کا مشہور ومعروف قول ہے جو "عقیدۂ طحاویہ" وغیرہ کتب میں بھی درج ہے کہ ان سے اللہ تعالیٰ کی صفت استواء علی العرش (اپنے عرش عظیم پر بلند ہونا) کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے ایک اصولی قاعدہ بیان فرمادیا: [استواء (کا معنی) معلوم ہے، لیکن اس کی (حقیقی) کیفیت مجہول ہے، اس پر (اس کے معنی کے ساتھ) ایمان لانا واجب ہے، اور اس (کی کیفیت) کے بارے میں سوال کرنا بدعت ہے]۔ (طاع)

آپ انہیں ہماری طرف سے جو وحی آپ پر اتری ہے پڑھ کر سنائیں، یہ رحمن کے منکر ہیں)

اس آیت کا سبب نزول یہ ہے کہ جب قریش نے نبی کریم (ﷺ) کو رحمن کا ذکر کرتے ہوئے سنا تو اس کا انکار کیا، پس اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

﴿ وَهُمْ يَكْفُرُونَ بِالرَّحْمَٰنِ ﴾

(یہ رحمن کے منکر ہیں)

اور ابن جریر رحمہ اللہ نے فرمایا یہ صلح حدیبیہ کے موقع پر ہوا: جب کاتب نے اس صلح کو لکھا جو رسول اللہ (ﷺ) اور قریش کے درمیان ہوئی تو اس میں "بسم اللہ الرحمن الرحیم" لکھا، اس پر قریش بول اٹھے کہ ہم تو رحمن کو نہیں جانتے۔

ابن جریر رحمہ اللہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی روایت فرمایا کہ رسول اللہ (ﷺ) سجدے میں فرمایا کرتے تھے: "یارحمن یارحیم" جس پر مشرکین نے کہا یہ گمان کرتا ہے کہ یہ ایک ہی (رب) کو پکارتا ہے حالانکہ یہ تو دو کو پکار رہا ہے (یعنی رحمن ورحیم اور اللہ) جس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

﴿ قُلِ ادْعُوا اللَّهَ أَوِ ادْعُوا الرَّحْمَٰنَ أَيًّا مَّا تَدْعُوا فَلَهُ الْأَسْمَاءُ الْحُسْنَىٰ ﴾ (الاسراء: ۱۱۰)

(کہہ دیجئے کہ اللہ تعالیٰ کو اللہ کہہ کر پکارو یا رحمن کہہ کر، جس نام سے بھی پکارو تمام اچھے نام اسی کے ہیں)

اللہ تعالیٰ نے سورۃ الفرقان میں ارشاد فرمایا:

﴿ وَإِذَا قِيلَ لَهُمُ اسْجُدُوا لِلرَّحْمَٰنِ قَالُوا وَمَا الرَّحْمَٰنُ ﴾ (الفرقان: ۶۰)

(ان سے جب بھی کہا جاتا ہے کہ رحمن کو سجدہ کرو تو جواب دیتے ہیں، رحمن ہے کیا؟)

پس یہ مشرکین کی جہمیہ، معتزلہ اور اشاعرہ (ماتریدیہ وغیرہ) اور جو کوئی بھی اللہ تعالیٰ کے ان اسماء وصفات کو جو اس نے اپنے لئے یا اس کے رسول (ﷺ) نے اس کے لئے ثابت فرمائے ہیں کی نفی کرتا ہے کے سلف ہیں، تو یہ کتنے ہی برے سلف ہیں اتنے برے خلف کے۔

ان کا رد مختلف صورتوں میں کیا جا سکتا ہے:

پہلی صورت: بیشک اللہ تعالیٰ نے اپنے لئے اور اس کے رسول (ﷺ) نے اس کے لئے اسماء وصفات کو ثابت فرمایا ہے چنانچہ ان سب کی یا ان میں سے بعض کی نفی کرنا اس چیز کی نفی کرنا ہے جسے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول (ﷺ) نے ثابت فرمایا ہے، لہذا یہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول (ﷺ) کی کھلی مخالفت کرنا ہے۔

دوسری صورت: ان صفات کا یا بعض اسماء کا مخلوق میں پایا جانا اس بات کو مستلزم (لازم) نہیں کہ اللہ تعالیٰ اور اس کی مخلوق میں مشابہت پائی جاتی ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کے اسماء وصفات اس کی شایان شان اسی کے ساتھ مخصوص ہیں، اور مخلوق کے اسماء وصفات اس کی حیثیت کے مطابق ہیں، جسطرح سے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات مخلوق کی ذات کی مانند نہیں[1] اسی طرح سے اس کے اسماء وصفات مخلوق کے اسماء وصفات کے قطعاً مشابہ نہیں۔ پس اسم (نام) اور عام معنی میں اشتراک ہونا اس کی حقیقت میں اشتراک کو مستلزم نہیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے آپ کو علیم وحلیم قرار دیا ساتھ ہی اپنے بعض بندوں کو بھی علیم اور حلیم کہا جیسے فرمایا:

[1] کتنی عجیب بات ہے کہ صفات الٰہی کا انکار یا تاویل کرنے والے اس کی ذات کو مانتے ہیں حالانکہ انسان کی بھی ذات کو وہ تسلیم کرتے ہیں اور ان میں مشابہت نہیں مانتے مگر یہی بات وہ صفات کے بارے میں نہیں سمجھتے، بجا فرمایا سلف نے کہ اللہ تعالیٰ کی صفات میں کلام کرنا اس کی ذات میں کلام کرنے کے مترادف ہے۔ (ط ع)

﴿وَبَشَّرُوهُ بِغُلَامٍ عَلِيمٍ﴾ (الذاریات: ۲۸)

(اور انہوں (فرشتوں) نے (ابراہیم علیہ السلام) کو ایک علیم لڑکے کی بشارت دی)

یعنی اسحاق (علیہ السلام) کی بشارت دی، اور دوسرے کے بارے میں فرمایا:

﴿فَبَشَّرْنَاهُ بِغُلَامٍ حَلِيمٍ﴾ (الصافات: ۱۰۱)

(تو ہم نے انہیں ایک حلیم بچے کی بشارت دی)

یعنی اسماعیل علیہ السلام کی، چونانچہ نہ یہ علیم (مخلوق) اس العلیم (اللہ) کی طرح ہے اور نہ ہی یہ حلیم (مخلوق) اس الحلیم (اللہ) کی طرح ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے اپنے آپ کو سمیع وبصیر قرار دیا، فرمایا:

﴿إِنَّ اللَّهَ كَانَ سَمِيعًا بَصِيرًا﴾ (النساء: ۵۸)

(بیشک اللہ تعالیٰ سمیع وبصیر ہے)

ساتھ ہی اپنے بعض بندوں کو سمیع وبصیر کہا، ذے فرمایا:

﴿إِنَّا خَلَقْنَا الْإِنسَانَ مِن نُّطْفَةٍ أَمْشَاجٍ نَّبْتَلِيهِ فَجَعَلْنَاهُ سَمِيعًا بَصِيرًا﴾ (الدھر: ۲)

(بیشک ہم نے انسان کو ملے جلے نطفے سے امتحان کے لئے پیدا کیا اور اس کو سمیع وبصیر بنایا)

یہاں بھی سمیع اس السمیع جیسا نہیں اور نہ ہی بصیر اس البصیر جیسا ہے۔ اسی طرح اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ نے رؤف ورحیم قرار دیا:

﴿إِنَّ اللَّهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوفٌ رَّحِيمٌ﴾ (الحج: ۶۵)

(بیشک اللہ تعالیٰ تو لوگوں پر بڑا ہی رؤف ورحیم ہے)

اور اپنے بعض بندوں کو بھی رؤف ورحیم کہا، جیسا کہ نبی کریم (ﷺ) کے بارے میں فرمایا:

﴿لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُولٌ مِّنْ أَنفُسِكُمْ عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيصٌ عَلَيْكُم بِالْمُؤْمِنِينَ رَءُوفٌ رَّحِيمٌ﴾ (التوبۃ: ۱۲۸)

(تمہارے پاس ایک ایسے رسول تشریف لائے ہیں جو تمہاری جنس سے ہیں جن کو تمہاری مضرت کی بات نہایت گراں گزرتی ہے، جو تمہاری منفعت کے بڑے خواہشمند رہتے ہیں، ایمان والوں کے ساتھ رؤف ورحیم ہیں)

پس یہ رؤف بھی اس الرؤف کی طرح نہیں اور نہ ہی یہ رحیم اس الرحیم کی طرح ہے۔

اسی طرح اپنے آپ کو اللہ تعالی نے بعض ایسی صفات سے متصف فرمایا جن کی مثل اپنے بعض بندوں کے بارے میں بھی فرمائی، مثلاً:

﴿وَلَا يُحِيطُونَ بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِهِ﴾ (البقرۃ: ۲۵۵)

(وہ اس کے علم میں سے کسی چیز کا احاطہ نہیں کر سکتے)

یہاں اللہ تعالی نے اپنے آپ کو علم کی صفت سے متصف فرمایا، ساتھ ہی اپنے بندوں کو بھی علم کی صفت سے متصف فرمایا ہے:

﴿وَمَا أُوتِيتُم مِّنَ الْعِلْمِ إِلَّا قَلِيلًا﴾ (الاسراء: ۸۵)

(اور تمہیں بہت ہی کم علم دیا گیا ہے)

اور فرمایا:

﴿وَفَوْقَ كُلِّ ذِي عِلْمٍ عَلِيمٌ﴾ (یوسف: ۷۶)

(اور ہر ذی علم پر فوقیت رکھنے والا دوسرا ذی علم موجود ہے)

اور فرمایا:

﴿وَقَالَ الَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ﴾ (القصص: ۸۰)

(ان لوگوں نے کہا کہ جنہیں علم دیا گیا تھا)

اسی طرح سے اللہ تعالی نے اپنے آپ کو قوت کی صفت سے متصف فرمایا:

﴿إِنَّ اللَّهَ لَقَوِيٌّ عَزِيزٌ﴾ (الحج: ۴۰)

(بیشک اللہ تعالی قوی اور عزیز ہے)

﴿إِنَّ اللَّهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِينُ﴾ (الذاریات: ۵۸)

(بیشک اللہ تعالی ہی تو رزاق اور قوتِ متین والا ہے)

ساتھ ہی اپنے بندوں کو بھی قوت کی صفت سے متصف فرمایا:

﴿اللَّهُ الَّذِي خَلَقَكُم مِّن ضَعْفٍ ثُمَّ جَعَلَ مِن بَعْدِ ضَعْفٍ قُوَّةً ثُمَّ جَعَلَ مِن بَعْدِ قُوَّةٍ ضَعْفًا وَشَيْبَةً﴾ (الروم: ۵۴)

(اللہ تعالی وہ ہے جس نے تمہیں کمزوری کی حالت میں پیدا فرمایا پھر اس کمزوری کے بعد قوت بخشی، پھر اس قوت کے بعد کمزوری اور بڑھاپا دیا)

اس کے علاوہ اور دیگر آیات۔

چنانچہ یہ بات معلوم ہے کہ اللہ تعالی کے اسماء وصفات اس کے ساتھ مخصوص ہیں جیسا کہ اس کی شان کے لائق ہیں، اور مخلوق کے اسماء وصفات اس کے ساتھ مخصوص ہیں جیسا کہ ان کی شان کے لائق ہے، لہذا محض نام اور اس کے معنی میں اشتراک اور یکسانیت کی وجہ سے اس کی حقیقت میں اشتراک لازم نہیں آتا؛ کیونکہ دونوں موسوم اور موصوف (خالق اور مخلوق) میں عدم مماثلت ہے، اور یہ بات بالکل ظاہر ہے الحمد للہ۔

تیسری صورت: جس ذات کی صفاتِ کمال نہ ہوں وہ کبھی الٰہ (معبود) نہیں ہو سکتی، اسی لئے تو ابراہیم علیہ السلام نے اپنے باپ سے فرمایا:

﴿لِمَ تَعْبُدُ مَا لَا يَسْمَعُ وَلَا يُبْصِرُ﴾ (مریم: ۴۲)

(ایسوں کی کیوں عبادت کرتے ہیں جو سمیع و بصیر نہیں یعنی نہ دیکھتے ہیں اور نہ سنتے)

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو رد فرمایا جنہوں نے بچھڑے کی عبادت کی تھی:

﴿أَلَمْ يَرَوْا أَنَّهُ لَا يُكَلِّمُهُمْ وَلَا يَهْدِيهِمْ سَبِيلًا﴾ (الاعراف: ۱۴۸)

(کیا انہوں نے یہ نہ دیکھا کہ وہ ان سے بات نہیں کرتا تھا اور نہ ان کو کوئی راہ بتلاتا تھا)

چوتھی صورت: صفاتِ الٰہیہ کا اقرار کمال ہے اور اس کی نفی کرنا نقص ہے، کیونکہ جس کی صفات نہ ہوں یا تو وہ معدوم ہوتا ہے یا پھر ناقص، جبکہ اللہ تعالیٰ ان سب سے پاک و منزہ ہے۔

پانچویں صورت: صفات کے بارے میں وارد ظاہر الفاظ کی تاویل کرنا جس پر کوئی دلیل نہ ہو باطل ہے، اور اس کی (حقیقت کے علاوہ) معنی کی بھی تفویض (اللہ تعالیٰ کے سپرد) کرنے سے یہ لازم آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ قرآن حکیم میں ہم سے ایسے کلام سے مخاطب ہوا جس کا معنی ہی ہمیں نہیں معلوم، مگر ساتھ ہی ہمیں پورے قرآن پر غور و تدبر کا حکم فرمایا، پس کیسے ہمیں اس پر غور و تدبر کا حکم ارشاد فرمایا حالانکہ ہم اس کا معنی ہی نہیں سمجھتے؟[1]

[1] اور اس سے دوسرا باطل یہ بھی لازم آتا ہے کہ امت کے سلف صالحین صحابہ کرام، تابعین و ائمہ دین عربی زبان سے اتنے نابلد اور جاہل تھے کہ انہیں ان عام فہم عبارات کے معنی تک نہیں آتے تھے بس وہ انہیں حروف سمجھ کر گزر جاتے تھے۔ حالانکہ ہرگز ایسا نہیں تھا بلکہ وہ تو اس کے معنی جانتے تھے جیسا کہ امام مالک (جاری ہے۔۔۔)

چنانچہ یہ بات واضح ہوئی کہ لازم ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اسماء وصفات کا اثبات کیا جائے جیسا کہ اس کی شان کے لائق ہے مگر ساتھ ہی مخلوق سے مشابہت کی نفی کی جائے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ وَهُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ﴾ (الشوریٰ: ۱۱)

(اس جیسی کوئی چیز نہیں اور وہ سمیع (سننے والا) اور بصیر (دیکھنے والا) ہے)

یہاں اللہ تعالیٰ نے اپنے آپ سے کسی بھی چیز کی مماثلت ومشابہت کی نفی فرمائی، ساتھ ہی اپنے لئے صفاتِ سماعت وبصارت کو ثابت فرمایا[1]، جو دلیل ہے اس بات کی کہ صفات کا اثبات کرنے سے مخلوق سے مشابہت لازم نہیں آتی، اور یہ کہ صفات کے اثبات کے ساتھ مشابہت کی نفی واجب ہے، اور یہی معنی ہے اہل سنت والجماعت کے اس قول کا جو اللہ تعالیٰ کے اسماء وصفات کی نفی واثبات کے بارے میں وہ کہتے ہیں: "إثبات بلا تمثيل وتنزيه بلا تعطيل" (بلا مشابہت کے اثبات کرتے ہیں اور بلا تعطیل (انکار) کے تنزیہ (نفی) کرتے ہیں)

نے بیان فرمایا مگر اس کی حقیقی کیفیت کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کرتے تھے مگر بعض جاہلوں نے یہ سمجھ لیا کہ وہ اس کے معنی اور کیفیت دونوں کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کرتے تھے۔ لہذا یہ مذہب اہل سنت والجماعت کا نہیں بلکہ مفوضہ کا ہے۔ (ط ع)

[1] جس طرح سے کلمہ "لا الہ الا اللہ" توحید الوہیت میں اصول کی حیثیت رکھتا ہے کہ اس میں نفی واثبات ہے، اسی طرح سے یہ آیت توحید اسماء وصفات کے باب میں اصول کی حیثیت رکھتی ہے کہ اس میں پہلے "لا الہ" (کوئی معبود حقیقی نہیں) کی طرح نفی ہے "لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ" (اللہ تعالیٰ جیسی کوئی چیز نہیں) اور پھر "الا اللہ" (سوائے اللہ تعالیٰ کے) کی طرح اثبات ہے "وَهُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ" (اور وہ سمیع وبصیر ہے)۔ (ط ع)

تیسرا باب

انسانی زندگی میں انحراف اور کفر والحاد اور شرک ونفاق کا تاریخی دور

اس باب میں حسب ذیل فصلیں ہوں گی۔

پہلی فصل: انسانی زندگی میں انحراف

دوسری فصل: شرک، اس کی تعریف اور اقسام

تیسری فصل: کفر، اس کی تعریف اور اقسام

چوتھی فصل: نفاق، اس کی تعریف اور اقسام

پانچویں فصل: جاہلیت، فسق، ضلالت، ارتداد ان کی حقیقت اور اقسام و احکام کا بیان۔

پہلی فصل

انسانی زندگی میں انحراف

اللہ تعالیٰ نے تمام مخلوق کو اپنی عبادت کے لئے پیدا فرمایا ہے اور ان کے لئے رزق کے تمام وسائل مہیا فرما دیئے ہیں تاکہ وہ یکسو ہو کر عبادت کر سکیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے کلام پاک میں فرماتا ہے:

﴿وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ۔ مَا أُرِيدُ مِنْهُم مِّن رِّزْقٍ وَمَا أُرِيدُ أَن يُطْعِمُونِ۔ إِنَّ اللَّهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِينُ﴾ (الذاریات: ۵۶-۵۸)

(اور میں نے جنوں اور انسانوں کو اس لئے پیدا کیا ہے کہ میری عبادت کریں، میں ان سے طالبِ رزق نہیں اور نہ یہ چاہتا ہوں کہ مجھے (کھانا) کھلائیں اللہ ہی تو رزق دینے والا زور آور اور مضبوط ہے)

نفسِ انسانی کو اگر اپنی فطرت پر چھوڑ دیا جائے تو وہ ضرور اللہ کی الوہیت کا اقرار کرے گا۔ اس کی ذاتِ بابرکت سے محبت کرے گا، اس کی عبادت کرے گا اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہرائے گا، لیکن جب اسے انسان و جنات کے شیطان صفت افراد ورغلاتے ہیں، اپنی چکنی چپڑی اور دھوکہ کی باتوں سے بہکاتے ہیں تو اس کے اندر بگاڑ پیدا ہو جاتا ہے۔ پھر اسے صراطِ مستقیم سے ہٹا کر غلط راہوں پر ڈال دیتے ہیں۔ چونکہ توحید انسانی فطرت میں ودیعت (موجود) ہے۔ اور شرک ایک عارضی و نو وارد چیز ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

﴿فَأَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّينِ حَنِيفًا فِطْرَتَ اللَّهِ الَّتِي فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا لَا تَبْدِيلَ لِخَلْقِ اللَّهِ﴾ (الروم: ۳۰)

(تو تم یکسو ہو کر دین (اللہ کے راستے) پر سیدھا منہ کیے چلے جاؤ (اور) اللہ کی فطرت کو جس پر اس نے لوگوں کو پیدا کیا ہے (اختیار کئے رہو) اللہ کی بنائی ہوئی فطرت میں تغیر و تبدل نہیں ہو سکتا)

رسول اللہ (ﷺ) نے فرمایا: ''كُلُّ مَوْلُودٍ يُولَدُ عَلَى الْفِطْرَةِ فَأَبَوَاهُ يُهَوِّدَانِهِ أَوْ يُنَصِّرَانِهِ أَوْ يُمَجِّسَانِهِ''[1] (ہر پیدا ہونے والا بچہ اپنی فطرت پر پیدا ہوتا ہے پھر اس کے والدین اسے یہودی، نصرانی یا مجوسی بنا دیتے ہیں)۔ لہٰذا اولادِ آدم کی اصلیت توحید ہے۔ اور سیدنا آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے عہد سے صدیوں بعد تک اسلام ہی ان کا دین رہا ہے: ارشادِ ربانی ہے:

﴿كَانَ النَّاسُ أُمَّةً وَاحِدَةً فَبَعَثَ اللَّهُ النَّبِيِّينَ مُبَشِّرِينَ وَمُنذِرِينَ﴾ (البقرۃ: ۲۱۳)

((پہلے تو سب) لوگوں کا ایک ہی مذہب تھا (لیکن وہ آپس میں اختلاف کرنے لگے) تو اللہ

[1] اس حدیث کی تخریج پہلے گزر چکی ہے۔

نے (ان کی طرف) بشارت دینے والے اور ڈر سنانے والے پیغمبر بھیجے)

صحیح عقیدہ کی عمارت میں شرک وانحراف کی دراڑ پہلی مرتبہ قوم نوح میں پڑی، اس لحاظ سے نوح علیہ السلام کو پہلا رسول کہا گیا۔ ارشادِ ربانی ہے:

﴿إِنَّا أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ كَمَا أَوْحَيْنَا إِلَىٰ نُوحٍ وَالنَّبِيِّينَ مِن بَعْدِهِ﴾ (النساء: ۱۶۳)

((اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)!) ہم نے تمہاری طرف اسی طرح وحی بھیجی ہے جس طرح نوح علیہ السلام اور ان سے بعد کے پیغمبروں کی طرف بھیجی تھی)

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: ''كَانَ بَيْنَ آدَمَ، وَنُوحٍ عَشَرَةُ قُرُونٍ: كُلُّهُمْ عَلَى الإِسْلَامِ''[1] (سیدنا نوح اور سیدنا آدم علیہما السلام کے درمیانی عہد میں دس نسلیں گزریں۔ سب کی سب اسلام (توحید) پر تھیں)۔ علامہ ابن القیم رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ: (یہ قول قطعی طور پر صحیح ہے۔ سورۂ بقرہ کی مذکورہ آیت اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ کی قراءت میں یوں آئی ہے: ﴿فاختلفوا فبعث الله النبيين﴾ (لوگوں نے اختلاف کیا تو اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرام کو مبعوث فرمایا) اور آپ رحمہ اللہ نے سورۂ یونس کی اس آیت سے اس قراءت کو ثابت فرمایا:

﴿وَمَا كَانَ النَّاسُ إِلَّا أُمَّةً وَاحِدَةً فَاخْتَلَفُوا﴾ (یونس: ۱۹)

(اور (سب) لوگ (پہلے) ایک ہی امت (یعنی ایک ہی ملتِ توحید پر) تھے، پھر اختلاف کر کے جدا جدا ہو گئے)

اس سے موصوف نے یہ ثابت کیا ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام کی بعثت کا سبب اس صحیح دین میں لوگوں کا اختلاف تھا جس پر وہ قائم تھے۔ جیسے کہ ملکِ عرب کے لوگ سیدنا

[1] تفسیر ابن جریر، طبقات الکبریٰ ابن سعد۔

ابراہیم علیہ السلام کے دین پر قائم تھے۔ یہاں تک کہ عمرو بن لحی الخزاعی نامی شخص آیا اور سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے دین کو بدل دیا، عام طور پر پورے عرب میں اور خاص طور پر حجاز میں بتوں کو لا کر بھر دیا، لوگ اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر ان بتوں کی عبادت میں لگ گئے۔ اور اس مقدس شہر اور اس کے قرب و جوار کے شہروں میں شرک پھیل گیا۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری نبی محمد (ﷺ) کو مبعوث فرمایا، آپ (ﷺ) نے لوگوں کو توحید طرف بلایا۔ ملتِ ابراہیمی کی اتباع و پیروی کی دعوت دی۔ اللہ تعالیٰ کی راہ میں کماحقہ جہاد کیا یہاں تک کہ عقیدۂ توحید لوگوں کی زندگی میں لوٹ آیا۔ ملتِ ابراہیمی کا احیاء ہوا۔ بت توڑے گئے۔ اور اللہ نے اس نبی اُمی کے ذریعہ اپنے دین کو مکمل فرمایا اور تمام جہانوں پر اپنی نعمت کی تکمیل فرمائی، اور اسی منہج توحید و رسالت پر اس امت کا ابتدائی دور اور اس دور کے لوگ قائم رہے۔ پھر آخری صدیوں میں جہالت عام ہوگئی بہت سے دیگر مذاہب کے اثرات اس میں داخل ہو گئے۔ پھر ضلالت کی طرف بلانے والوں کے کرتوت اور اولیاء و بزرگوں کی قبروں پر پختہ عمارتوں کی وجہ سے شرک و بدعت امت کے بہت سارے افراد میں عام ہو گئی۔ اللہ تعالیٰ کے بجائے بہت سے مزارات عبادت کے لئے چن لئے گئے۔ ان کی بارگاہ میں منت و سماجت، دعا و استغاثہ اور نذر و نیاز شروع ہو گئی۔ پھر اس طرح کے شرکیہ اعمال کرنے والوں نے اپنے اعمال کی توضیح یہ کی کہ یہ بزرگوں کی عبادت نہیں ہے بلکہ ان سے توسل اور ان کی محبت کا اظہار ہے۔ ایسی تاویل کرتے وقت یہ لوگ بھول گئے کہ پہلے مشرکوں کے بھی اپنے شرکیہ اعمال کی یہی دلیل ہوا کرتی تھی جن کا کہنا ہوتا تھا:

﴿مَا نَعْبُدُهُمْ إِلَّا لِيُقَرِّبُونَا إِلَى اللَّهِ زُلْفَى﴾ (الزمر: ۳)

((وہ کہتے ہیں) ہم ان کی عبادت نہیں کرتے مگر صرف اسی لئے کہ یہ ہم کو اللہ کا مقرب بنادیں)

اس طرح کے شرکیہ اعمال کے باوجود جن میں اکثر لوگ ہر زمانہ میں مبتلا رہے ہیں عام طور پر مشرکوں کی اکثریت توحیدِ ربوبیت کی قائل رہی ہے ان کا شرک صرف عبادات ہی

میں منحصر رہا ہے۔

﴿وَمَا يُؤْمِنُ أَكْثَرُهُمْ بِاللَّهِ إِلَّا وَهُمْ مُشْرِكُونَ﴾ (یوسف:۱۰۶)

(اور یہ اکثر اللہ پر ایمان رکھ کر بھی شرک کرتے ہیں)

بنی نوع انسان میں سے رب کے وجود کا انکار بہت ہی کم لوگوں نے کیا ہے جیسے فرعون، ملحدین، دہریہ لوگ اور عصر حاضر کے کمیونسٹ۔ پھر بھی ان کے انکار کی وجہ ہٹ دھرمی اور تکبر ہے ورنہ اندرونی طور پر یہ بھی رب کے وجود کے قائل ہیں۔ جیسا کہ فرعونیوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَجَحَدُوا بِهَا وَاسْتَيْقَنَتْهَا أَنْفُسُهُمْ ظُلْمًا وَعُلُوًّا﴾ (النمل:۱۴)

(اور انہوں نے بے انصافی اور غرور میں آکر ان باتوں سے انکار کیا حالانکہ ان کے دل ان کو مان چکے تھے)

اس طرح کے لوگوں کی عقل و آگہی ضرور گواہی دیتی ہے کہ ہر مخلوق کا کوئی نہ کوئی خالق ہوتا ہے اور ہر موجود شے کے لئے کوئی نہ کوئی موجد (ایجاد کرنے والا) ہوتا ہے، اور اس کائنات کے اس منظم و مستحکم نظام کو کوئی مدبر، حکیم، بے پناہ قدرت رکھنے والا اور ہمہ گیر علم رکھنے والا چلا رہا ہے۔ اس بات کا انکار وہی کر سکتا ہے جو عقل سے عاری ہو یا ایسا ہٹ دھرم ہو جس نے اپنی عقل سے کام لینا چھوڑ دیا ہے۔ اپنے نفس کو بے مصرف بنا دیا ہے۔ جس کا کسی معاملہ میں کوئی اعتبار نہیں ہے۔

دوسری فصل — شرک، اس کی تعریف اور اس کے اقسام

شرک کی تعریف

شرک کی تعریف: "جعل شريك لله تعالى في ربوبيته وإلهيته" (شرک نام ہے اللہ تعالیٰ

کی ربوبیت والوہیت میں کسی دوسرے کو شریک کرنے کا)، اور غالباً شرک اللہ تعالیٰ کی الوہیت میں کیا جاتا ہے جس میں بندہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی غیر کو پکارتا ہے، بعض عبادتوں کو اس کے لئے ادا کرتا ہے، جیسے نذر و نیاز، خوف و امید، محبت و تعظیم وغیرہ۔

شرک کیوں سب سے بڑا گناہ ہے؟

مندرجہ ذیل امور کی وجہ سے شرک سب سے بڑا گناہ ہے:

۱۔ الٰہی صفات و خصائص میں مخلوق کو خالق کے مشابہ قرار دینا، اس لئے کہ خالق کے ساتھ کسی مخلوق کو شریک کرنے کا صاف مطلب ہے مخلوق کو خالق کے برابر قرار دینا، یہ سب سے بڑا ظلم ہے۔ ارشادِ ربانی ہے:

﴿إِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيمٌ﴾ (لقمان: ۱۳)

(شرک تو بڑا (بھاری) ظلم ہے)

ظلم کہتے ہیں: "وضع الشیء فی غیر موضعه" (کسی چیز کو اس کے اصل مقام و محل سے ہٹا کر دوسری جگہ پر رکھنا)۔ لہٰذا جس نے غیر اللہ کی عبادت کی بے شک اس نے عبادت کو اپنی اصل جگہ سے ہٹا کر غیر محل میں استعمال کیا اور ایک غیر مستحق کی طرف پھیر دیا، اور یہ سب سے بڑا ظلم ہے۔

۲۔ اللہ تعالیٰ نے صاف طور پر فرمادیا ہے کہ شرک کے بعد جو توبہ نہیں کرے گا اس کی مغفرت نہیں ہوگی، ارشادِ ربانی ہے:

﴿إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ أَن يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذَٰلِكَ لِمَن يَشَاءُ﴾ (النساء: ۴۸)

(اللہ اس گناہ کو نہیں بخشے گا کہ کسی کو اس کا شریک بنایا جائے اور اس کے سوا اور گناہ جس کو چاہے، معاف کردے)

۳۔ اللہ تعالی نے اس کی بھی خبر دی ہے کہ اس نے مشرک پر جنت حرام کر دی ہے اور یہ کہ مشرک ہمیشہ ہمیش کے لئے جہنم میں پڑا رہے گا۔ اللہ تعالی فرماتے ہیں:

﴿إِنَّهُ مَن يُشْرِكْ بِاللَّهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللَّهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ وَمَأْوَاهُ النَّارُ وَمَا لِلظَّالِمِينَ مِنْ أَنصَارٍ﴾ (المائدۃ: ۷۲)

((اور جان رکھو کہ) جو شخص اللہ کے ساتھ شرک کرے گا اللہ اس پر جنت کو حرام کر دے گا، اور اس کا ٹھکانہ جہنم ہے، اور ظالموں کا کوئی مددگار نہیں)

۴۔ شرک انسان کے تمام گذشتہ اعمال کو ختم کر دیتا ہے۔ اللہ تعالی کا ارشاد ہے:

﴿وَلَوْ أَشْرَكُوا لَحَبِطَ عَنْهُم مَّا كَانُوا يَعْمَلُونَ﴾ (الانعام: ۸۸)

(اور اگر وہ لوگ (انبیاء کرام بھی) شرک کرتے تو جو عمل وہ کرتے تھے سب ضائع ہو جاتے)

ایک اور جگہ ارشاد ہے:

﴿وَلَقَدْ أُوحِيَ إِلَيْكَ وَإِلَى الَّذِينَ مِن قَبْلِكَ لَئِنْ أَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ وَلَتَكُونَنَّ مِنَ الْخَاسِرِينَ﴾ (الزمر: ۶۵)

(اور (اے نبی (ﷺ)!) تمہاری طرف اور ان (پیغمبروں) کی طرف جو تم سے پہلے ہو چکے ہیں یہی وحی بھیجی گئی ہے کہ اگر تم نے شرک کیا تو تمہارے عمل برباد ہو جائیں گے، اور تم زیاں کاروں میں ہو جاؤ گے)

۵۔ مشرک کا خون و مال حلال ہے:

﴿فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِينَ حَيْثُ وَجَدتُّمُوهُمْ وَخُذُوهُمْ وَاحْصُرُوهُمْ وَاقْعُدُوا لَهُمْ كُلَّ مَرْصَدٍ﴾

(التوبة:۵)

(مشرکوں کو جہاں پاؤ قتل کر دو اور پکڑ لو اور ہر گھات کی جگہ پر ان کی تاک میں بیٹھے رہو)[1]

اور رسول اللہ (ﷺ) کا ارشاد گرامی ہے: "أُمِرْتُ أَنْ أُقَاتِلَ النَّاسَ حَتّٰى يَقُولُوا لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ فَإِذَا قَالُوا لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ عَصَمُوا مِنِّي دِمَاءَهُمْ وَأَمْوَالَهُمْ إِلَّا بِحَقِّهَا"[2] (مجھے حکم ملا ہے کہ لوگوں سے اس وقت تک لڑتا رہوں جب تک کہ وہ لا الہ الا اللہ کا اقرار نہ کر لیں اور جب لا الہ الا اللہ کا اقرار کر لیں گے تو مجھ سے اپنے خون ومال کی حفاظت کر لیں گے مگر اس کے حق (شرعی حدود) سے)

۲۔ شرک سب سے بڑا گناہ ہے، رسول اللہ (ﷺ) کا ارشاد ہے:

"أَلَا أُنَبِّئُكُمْ بِأَكْبَرِ الْكَبَائِرِ؟ قُلْنَا: بَلٰى يَا رَسُولَ اللّٰهِ قَالَ: الْإِشْرَاكُ بِاللّٰهِ وَعُقُوقُ الْوَالِدَيْنِ"[3] (کیا میں تمہیں سب سے بڑے گناہ کے بارے میں نہ بتاؤں؟ ہم نے کہا ضرور بتائیے اے اللہ کے رسول (ﷺ)! آپ (ﷺ) نے فرمایا: اللہ تعالی کے ساتھ شرک اور والدین کی نافرمانی)

علامہ ابن قیم رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ: (اللہ تعالی نے یہ واضح فرمایا ہے کہ تخلیق کائنات اور اس کے نظم و انتظام کا مقصد یہ ہے کہ اللہ تعالی کو اس کے اسماء و صفات کے ذریعہ پہچانا جائے، صرف اسی کی عبادت کی جائے اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کیا جائے۔ لوگ آپس میں عدل و انصاف سے کام لیں، عدل وہ میزان ہے جس کے ذریعہ آسمان و زمین کا قیام وجود میں آیا، اللہ تعالی کا ارشاد ہے:

﴿لَقَدْ أَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنَاتِ وَأَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتَابَ وَالْمِيزَانَ لِيَقُومَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ﴾

[1] عرب کے زیر معاہدہ مشرکین کے لئے قرآن کریم کا خاص حکم تھا۔ (م ن)

[2] البخاري الجهاد والسير (۲۷۸۶)، مسلم الايمان (۲۱)، الترمذي الايمان (۲۶۰۶)، النسائي تحريم الدم (۳۹۷۱)، أبو داود الجهاد (۲۶۴۰)، ابن ماجه الفتن (۳۹۲۸)، أحمد (۱۱/۱).

[3] البخاري الشهادات (۲۵۱۱)، مسلم الايمان (۸۷)، الترمذي تفسير القرآن (۳۰۱۹)، أحمد (۳۷/۵).

(الحدید:۲۵)

(ہم نے اپنے پیغمبروں کو کھلی نشانیاں دے کر بھیجا اور ان پر کتابیں نازل کیں، اور ترازو (یعنی قواعدِ عدل) تاکہ لوگ انصاف پر قائم رہیں)

یہاں اللہ تعالیٰ نے اس حقیقت سے باخبر کیا ہے کہ اس نے اپنے رسول بھیجے، اپنی کتابیں نازل کیں۔ تاکہ لوگ عدل و انصاف سے کام لیں، اور سب سے بڑا عدل و انصاف توحید ہے، بلکہ توحید عدل کا لب لباب ہے اور شرک کھلا ہوا ظلم ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿إِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيمٌ﴾ (لقمان:۱۳)

(شرک بڑا (بھاری) ظلم ہے)

شرک سب سے بڑا ظلم ہے اور توحید سب سے بڑا عدل ہے۔ شرک تخلیقِ کائنات کے اصلی مقصد کے سراسر مخالف ہے۔ لہذا وہ سب سے بڑا گناہ ہے)۔ اس سلسلہ میں علامہ ابن القیم رحمہ اللہ مزید فرماتے ہیں: (چونکہ شرک مقصدِ تخلیقِ کائنات کے سراسر مخالف ہے اور سب سے بڑا گناہ ہے، لہذا اللہ تعالیٰ نے ہر مشرک کے لئے جنت کو حرام قرار دیا، اس کے جان ومال، اہل وعیال کو اہلِ توحید کے لئے حلال قرار دیا، اور چونکہ یہ اللہ تعالیٰ کی عبودیت سے بہت دور ہیں، لہذا انہیں اپنا خادم بنا کر رکھنا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ نے مشرک کے کسی بھی عمل کو قبول کرنے سے انکار کیا ہے۔ اس کے بارے میں کسی کی سفارش بھی قابلِ قبول نہ ہوگی۔ آخرت کے دن اس کا پکارنا بھی رائیگاں جائے گا، اس کی امیدیں بھی ناکام ہوں گی۔ ایک مشرک اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات سے سب سے زیادہ نادان و بے بہرہ ہوتا ہے۔ اسی وجہ سے وہ کسی غیر کو اللہ تعالیٰ کا مدِ مقابل ٹھہراتا ہے۔ جو آخری درجہ کی جہالت ہے، یہ غایت درجہ کا ظلم بھی ہے۔ اگرچہ ایک مشرک اللہ تعالیٰ پر کوئی ظلم نہیں کرتا لیکن درحقیقت وہ اپنے ہی

نفس پر ظلم کرتا ہے)[1]۔

۷۔ شرک ایک نقص و عیب ہے جس سے اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات وصفات کو پاک قرار دیا ہے۔ لہٰذا جو شخص اس کے ساتھ کسی کو شریک کرتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کے لئے وہ چیز ثابت کرتا ہے جس سے اللہ تعالیٰ نے اپنے آپ کو پاک قرار دیا ہے، لہٰذا شرک اللہ تعالیٰ کی سراسر نافرمانی ہے، اس سے ہٹ دھرمی ہے بلکہ اس کے خلاف اعلانِ جنگ ہے۔

شرک کی اقسام

شرک کی دو قسمیں ہیں:

۱۔ شرکِ اکبر: جو بندہ کو دائرۂ اسلام سے نکال دیتا ہے اور اس کو ہمیشہ کے لئے جہنم رسید کر دیتا ہے۔ یہ اس صورت میں جب وہ شرک پر ہی مرا ہو، اور توبہ کی توفیق نہ ملی ہو۔ شرکِ اکبر کا مطلب ہے کسی عبادت کو غیر اللہ کے لئے ادا کیا جائے۔ جیسے غیر اللہ سے دعا کرنا، غیر اللہ کا تقرب حاصل کرنے کے لئے اس کی بارگاہ میں قربانی کرنا، نذر و نیاز چڑھانا، غیر اللہ کے ضمن میں مقابر و مزارات، جن وشیاطین سب آجاتے ہیں، اسی طرح مردوں، جنات، وشیاطین سے خوف کھانا کہ وہ اسے تکلیف نہ پہنچا دے، اس کو بیماری میں مبتلا نہ کر دے، اسی طرح غیر اللہ سے ایسی امیدیں وابستہ رکھنا جس پر صرف اللہ قدرت رکھتا ہے۔ مثلاً حاجت روائی اور مشکل کشائی کرنا، اس طرح کے شرک کی مشق آجکل اولیاء و بزرگوں کی پختہ قبروں پر خوب ہو رہی ہے۔ اس چیز کی طرف اشارہ فرماتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

---

[1] الجواب الکافی: ص۱۰۹۔

﴿وَيَعْبُدُونَ مِن دُونِ اللَّهِ مَا لَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنفَعُهُمْ وَيَقُولُونَ هَٰؤُلَاءِ شُفَعَاؤُنَا عِندَ اللَّهِ قُلْ أَتُنَبِّئُونَ اللَّهَ بِمَا لَا يَعْلَمُ فِي السَّمَاوَاتِ وَلَا فِي الْأَرْضِ سُبْحَانَهُ وَتَعَالَىٰ عَمَّا يُشْرِكُونَ﴾

(یونس:۱۸)

(اور یہ (لوگ) اللہ کے سوا ایسی چیزوں کی عبادت کرتے ہیں جو نہ ان کا کچھ بگاڑ ہی سکتی ہیں اور نہ کچھ بھلا ہی کر سکتی ہیں، اور کہتے ہیں کہ یہ اللہ کے پاس ہماری سفارش کرنے والے ہیں، آپ کہہ دیجئے کہ کیا تم اللہ تعالیٰ کو ایسی چیز کی خبر دیتے ہو جو اللہ تعالیٰ کو معلوم نہیں، نہ آسمانوں میں اور نہ زمین میں، وہ پاک اور برتر ہے ان لوگوں کے شرک سے)

۲۔ شرکِ اصغر: جس سے بندہ دائرۂ اسلام سے خارج تو نہیں ہوتا، لیکن اس کی توحید میں کمی آجاتی ہے۔ یہ شرکِ اکبر کا ایک ذریعہ ہے اس کی بھی دو قسمیں ہیں۔

۱۔ شرکِ جلی: یہ شرکیہ الفاظ و افعال ہوتے ہیں۔ شرکیہ الفاظ کی مثال غیر اللہ کی قسم کھانا وغیرہ۔ رسول اللہ (ﷺ) کا ارشاد ہے: ''مَنْ حَلَفَ بِغَيْرِ اللهِ فَقَدْ كَفَرَ أَوْ أَشْرَكَ''[1] (جس نے غیر اللہ کی قسم کھائی اس نے کفر کیا یا شرک کیا)

اور آپ (ﷺ) کا اس شخص سے یہ فرمانا جس نے کہا تھا کہ اگر اللہ تعالیٰ اور آپ ﷺ نے چاہا: ''أَجَعَلْتَنِي لِلّٰهِ نِدًّا؟! قُلْ: مَا شَاءَ اللهُ وَحْدَهُ''[2] (کیا تم نے مجھے اللہ تعالیٰ کے مدمقابل بنا دیا؟ کہو اگر اللہ نے اکیلے چاہا)۔

اسی طرح کسی کا یہ کہنا، اگر اللہ اور فلاں نہ ہوتا، جب کہ اس کے قول کا صحیح طریقہ

[1] الترمذي النذور والأيمان (۱۵۳۵)، أبو داود الأيمان والنذور (۳۲۵۱).
[2] أحمد (۱/۲۱۴).

یہ ہے جیسا اللہ تعالیٰ نے چاہا پھر فلاں شخص نے اس لئے کہ لفظ "ثم" (پھر) ترتیب (تراخی) کے لئے آتا ہے۔ جس سے یہ مفہوم خود بخود پیدا ہو جاتا ہے کہ بندہ کی مشیت اللہ تعالیٰ کی مشیت کے تابع ہے۔ ارشاد الٰہی ہے:

﴿وَمَا تَشَاءُونَ إِلَّا أَن يَشَاءَ اللَّهُ رَبُّ الْعَالَمِينَ﴾ (التکویر:۲۹)

(اور تم کچھ بھی نہیں چاہ سکتے مگر وہی جو اللہ رب العالمین چاہے)

جب کہ حرف "واو" مطلق جمع و اشتراک کے لئے آتا ہے۔ جس سے ترتیب و تعقیب کا مفہوم پیدا نہیں ہوتا۔ جیسے کسی سے کہا جائے "میرے لئے تو بس اللہ اور تم ہو" اور یہ "اللہ اور تمہاری برکت کے طفیل" وغیرہ۔

شرکیہ اعمال جیسے کڑے پہننا، دفعِ بلیات کے لئے دھاگہ باندھنا، نظرِ بد سے بچنے کے لئے تعویذ باندھنا وغیرہ، ان اعمال کے ساتھ جب یہ عقیدہ ہو کہ یہ مصائب و پریشانیاں دور کرنے اور بلائیں ٹالنے کے وسائل ہیں، تو یہ شرکِ اصغر ہو جاتے ہیں۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے ان چیزوں کو ان مقاصد کے ذرائع اور وسائل نہیں بنائے ہیں۔ لیکن اگر کسی شخص کا یہ اعتقاد ہو کہ یہ چیزیں بذاتِ خود بلا و مصیبت دور کرتی ہیں تو یہ شرکِ اکبر ہے۔ اس لئے کہ اس میں غیر اللہ کے ساتھ اس تعلق و ربط کا اظہار ہو رہا ہے جو صرف اللہ تعالیٰ کے لئے خاص ہے۔

۲۔ شرکِ خفی: یہ ارادوں اور نیتوں کا شرک ہے۔ جیسے ریاکاری شہرت آوری وغیرہ۔ یعنی اللہ تعالیٰ سے تقرب والے عمل اس لئے کئے جائیں تاکہ لوگ اس کی تعریف کریں مثلاً کوئی شخص اچھی نماز صرف اس لئے پڑھتا ہے یا صدقہ و خیرات صرف اس لئے کرتا ہے کہ لوگ اس کی تعریف کریں۔ ذکر و اذکار اور تلاوت صرف اس لئے کرتا ہے کہ لوگ سنیں تو اس کی خوب تعریف کریں، کسی بھی عمل میں جب ریاکاری آجاتی ہے تو وہ عمل باطل ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿فَمَن كَانَ يَرْجُو لِقَاءَ رَبِّهِ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهِ أَحَدًا﴾

(الکہف: ۱۱۰)

(تو جو شخص اپنے رب سے ملنے کی امید رکھے چاہیے کہ عمل نیک کرے اور اپنے رب کی عبادت میں کسی کو شریک نہ بنائے)

نبی اکرم (ﷺ) کا ارشاد ہے: "إِنَّ أَخْوَفَ مَا أَخَافُ عَلَيْكُمُ الشِّرْكُ الْأَصْغَرُ" قَالُوا: يَا رَسُولَ اللهِ وَمَا الشِّرْكُ الْأَصْغَرُ؟ قَالَ: "الرِّيَاءُ"[1] (تمہارے متعلق سب سے زیادہ ڈر مجھے شرکِ اصغر سے ہے۔ لوگوں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول (ﷺ)! شرکِ اصغر سے کیا مراد ہے؟ آپ (ﷺ) نے فرمایا: ریاکاری)

اسی طرح دنیاوی لالچ میں کوئی دینی عمل کرنا بھی شرکِ خفی ہے۔ جیسے کوئی شخص صرف مال و دولت کے لئے حج کرتا ہو، اذان دیتا ہو، یا لوگوں کی امامت کرتا ہو۔ علومِ شرعیہ حاصل کرتا ہو یا جہاد فی سبیل اللہ کرتا ہو۔ ایسے ہی لوگوں کے سلسلہ میں رسول اللہ (ﷺ) نے فرمایا: "تَعِسَ عَبْدُ الدِّينَارِ وَالدِّرْهَمِ وَالْقَطِيفَةِ وَالْخَمِيصَةِ إِنْ أُعْطِيَ رَضِيَ وَإِنْ لَمْ يُعْطَ لَمْ يَرْضَ"[2] (ہلاک ہوا دینار، درھم، چادر اور کمبل کا بندہ، اگر اسے دیا جاتا ہے تو خوش ہوتا ہے اور اگر نہیں دیا جاتا ہے تو ناخوش رہتا ہے)

علامہ ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: (ارادوں و نیتوں کا شرک تو ایسا بحرِ زخار ہے کہ جس کا کوئی کنارہ نہیں اور بہت کم ہی لوگ اس سے بچ پاتے ہیں۔ لہٰذا جس شخص نے اپنے عمل

[1] احمد (۳۲۹/۵).

[2] بخاری الجهاد والسير (۲۷۳۰)، ابن ماجه الزهد (۴۱۳۶).

سے اللہ کی رضامندی کے علاوہ کسی دوسری چیز کا ارادہ کیا یا اللہ تعالیٰ سے تقرب کے علاوہ کسی اور چیز کی نیت کی اور غیر اللہ سے اس عمل کے جزاء کی درخواست کی تو وہ نیت و ارادہ کا شرک ہے)۔

اخلاص

اخلاص کا مطلب یہ ہے کہ اپنے تمام اعمال، افعال، ارادہ و نیت میں صرف اللہ تعالیٰ ہی کی ذات کو خالص کیا جائے۔ یہی چیز حنیفیت یعنی سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی ملت ہے۔ جس کو اختیار کرنے کا حکم اللہ تعالیٰ نے اپنے ہر بندہ کو دیا ہے۔ اس لئے کہ اس کے علاوہ کوئی دوسری چیز اللہ تعالیٰ کے ہاں مقبول نہیں۔ یہی حنیفیت اسلام کی حقیقت ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمَن يَبْتَغِ غَيْرَ الْإِسْلَامِ دِينًا فَلَن يُقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ فِي الْآخِرَةِ مِنَ الْخَاسِرِينَ﴾

(آل عمران: ۸۵)

(اور جو شخص اسلام کے سوا کسی اور دین کا طالب ہوگا وہ اس سے ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا، اور ایسا شخص آخرت میں نقصان اٹھانے والوں میں ہوگا)

یہی حنیفیت سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی ملت ہے۔ لہٰذا جو بھی اس سے اعراض کرے گا وہ دنیا کا سب سے بڑا احمق ہوگا)[1]۔

[1] الجواب الکافی ص۱۱۵۔

شرکِ اکبر و شرکِ اصغر میں فرق

مذکورہ بالا باتوں سے یہ چیز صاف طور پر واضح ہوگئی کہ شرکِ اکبر و شرکِ اصغر کے مابین مندرجہ ذیل فرق ہیں۔

۱- شرکِ اکبر سے ایک مسلمان، دائرۂ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے، جبکہ شرکِ اصغر سے دائرۂ اسلام سے خارج نہیں ہوتا، البتہ اس سے توحید (اور ایمان) میں کمی آتی ہے۔

۲- شرکِ اکبر ایک مشرک کو ہمیشہ ہمیش کے لئے جہنم رسید کر دیتا ہے، جبکہ شرکِ اصغر سے انسان ہمیشہ ہمیش کے لئے جہنم میں نہیں رہے گا، اگر وہ جہنم میں گیا بھی تو ہمیشہ ابدی طور پر اس میں نہیں رہے گا (چاہے تو اللہ تعالیٰ اسے شروع ہی سے بخش کر جنت میں ڈال دے یا چاہے گا تو اسے اس کے گناہوں کے بقدر جہنم میں سزا دے کر آخرکار جنت میں داخل فرما دے گا)۔

۳- شرکِ اکبر تمام اعمال کو ختم کر دیتا ہے اور شرکِ اصغر تمام اعمال کو برباد نہیں کرتا، لیکن ریاکاری اور دنیاوی غرض سے کئے گئے عمل یا جن میں ان کی ملاوٹ ہو تو وہ فقط ان اعمال ہی کو برباد کرتا ہے جن میں یہ ملاوٹیں ہوں۔

۴- شرکِ اکبر مشرک کے مال و دولت کو مباح قرار دیتا ہے جب کہ شرکِ اصغر ان کو مباح نہیں کرتا۔

تیسری فصل

کفر: اس کی تعریف اور اس کی اقسام

کفر کی تعریف

لغوی اعتبار سے کفر کے معنی: "التغطية والستر" (ڈھانپنے اور چھپانے) کے

ہیں۔ اور شرعی اصطلاح میں: "ضد الإیمان" (ایمان کی ضد) کو کفر کہتے ہیں، یعنی (اللہ اور اس کے رسولوں پر ایمان نہ لانے کو کفر کہا جاتا ہے۔ چاہے اس میں تکذیب (جھٹلانا) پائی جائے یا نہ پائی جائے اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ بلکہ شک وشبہ، اعراض وحسد، کبر ونخوت، اور بعض ایسی خواہشاتِ نفس کی پیروی جو اتباعِ رسالت میں مانع ہوں وغیرہ سے بھی اس حکم میں کوئی فرق نہیں پڑتا، اگرچہ جھٹلانے والا سب سے بڑا کافر ہے۔ اسی زمرہ میں وہ منکر وجھٹلانے والا آتا ہے جو دل میں رسالت پر یقین رکھنے کے باوجود محض حسد کی وجہ سے کفر کو گلے لگائے رہتا ہے)[1]۔

کفر کی اقسام

کفر دو قسم کا ہے۔ ایک کفرِ اکبر، دوسرا کفرِ اصغر۔

کفرِ اکبر: کفرِ اکبر سے مراد وہ کفر ہے جو مسلمان کو دائرۂ اسلام سے نکال دیتا ہے۔ اس کی پانچ قسمیں ہیں۔

۱۔ کفرِ تکذیب (جھٹلانا): اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے:

﴿وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرَىٰ عَلَى اللَّهِ كَذِبًا أَوْ كَذَّبَ بِالْحَقِّ لَمَّا جَاءَهُ

أَلَيْسَ فِي جَهَنَّمَ مَثْوًى لِّلْكَافِرِينَ﴾ (العنکبوت: ۶۸)

(اور اس سے بڑا ظالم کون ہوگا جو اللہ پر جھوٹ باندھے یا جب حق بات اس کے پاس آئے تو اس کی تکذیب کرے کیا کافروں کا ٹھکانا جہنم میں نہیں ہے؟)

۲۔ تصدیق ہونے کے باوجود کفرِ تکبر وانکار: اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے:

[1] مجموع الفتاوی لشیخ الإسلام ابن تیمیۃ (۱۲/ ۳۳۵)۔

﴿ وَإِذْ قُلْنَا لِلْمَلَائِكَةِ اسْجُدُوا لِآدَمَ فَسَجَدُوا إِلَّا إِبْلِيسَ أَبَىٰ وَاسْتَكْبَرَ وَكَانَ مِنَ الْكَافِرِينَ ﴾

(البقرۃ: ۳۴)

(اور جب ہم نے فرشتوں کو حکم دیا کہ آدم کے آگے سجدہ کرو تو وہ سب سجدے میں گر پڑے، مگر شیطان نے انکار کیا اور غرور میں آکر کافر بن گیا)

۳۔ شک وشبہ کا کفر: اسے کفر ظن (گمان) بھی کہا جاتا ہے: اس کی دلیل یہ فرمان الٰہی ہے جو اللہ تعالیٰ نے دو ساتھیوں کا قصہ بیان فرمایا کہ جن میں سے ایک کے پاس باغ تھا:

﴿ وَدَخَلَ جَنَّتَهُ وَهُوَ ظَالِمٌ لِنَفْسِهِ قَالَ مَا أَظُنُّ أَنْ تَبِيدَ هَٰذِهِ أَبَدًا ۝ وَمَا أَظُنُّ السَّاعَةَ قَائِمَةً وَلَئِنْ رُدِدْتُ إِلَىٰ رَبِّي لَأَجِدَنَّ خَيْرًا مِنْهَا مُنْقَلَبًا ۝ قَالَ لَهُ صَاحِبُهُ وَهُوَ يُحَاوِرُهُ أَكَفَرْتَ بِالَّذِي خَلَقَكَ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُطْفَةٍ ثُمَّ سَوَّاكَ رَجُلًا ۝ لَٰكِنَّا هُوَ اللَّهُ رَبِّي وَلَا أُشْرِكُ بِرَبِّي أَحَدًا ﴾

(الکہف: ۳۵-۳۸)

(اور (ایسی شیخیوں سے) اپنے حق میں ظلم کرتا ہوا اپنے باغ میں داخل ہوا، کہنے لگا کہ میں نہیں خیال کرتا کہ یہ باغ کبھی تباہ ہو۔ اور نہ خیال کرتا ہوں کہ قیامت برپا ہو، اور اگر میں اپنے رب کی طرف لوٹایا بھی جاؤں تو وہاں ضرور اس سے اچھی جگہ پاؤں گا تو اس کا دوست جو اس سے گفتگو کر رہا تھا کہنے لگا کہ کیا تم اس (اللہ) سے کفر کرتے ہو، جس نے تم کو مٹی سے پیدا کیا، پھر نطفے سے، پھر تمہیں پورا مرد بنایا، مگر میں تو یہ کہتا ہوں کہ اللہ ہی میرا رب ہے۔ اور میں اپنے رب کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتا)

۴۔ اعراض کا کفر: اس کی دلیل یہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَالَّذِينَ كَفَرُوا عَمَّا أُنْذِرُوا مُعْرِضُونَ ﴾ (الاحقاف: ۳)

(اور کافروں کو جس چیز کی نصیحت کی جاتی ہے اس سے اعراض کرتے (منہ پھیر لیتے) ہیں)

۔ کفرِ نفاق: اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے:

﴿ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ آمَنُوا ثُمَّ كَفَرُوا فَطُبِعَ عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ فَهُمْ لَا يَفْقَهُونَ﴾ (المنافقون: ۳)

(یہ اس لئے کہ یہ (پہلے تو) ایمان لائے پھر کافر ہو گئے تو ان کے دلوں پر مہر لگا دی گئی سو اب یہ سمجھتے ہی نہیں)

کفرِ اصغر: کفرِ اصغر سے ایک مسلمان دائرۂ اسلام سے نہیں نکلتا ہے، اسے کفرِ عملی بھی کہا جاتا ہے، جو بعض ایسے گناہ ہیں جن کو کتاب و سنت میں کفر کہا گیا ہے حالانکہ وہ کفرِ اکبر کی حد تک نہیں پہنچتے، جیسے کفرِ نعمت (ناشکری)، کلام پاک میں اس کی مثال یوں بیان کی گئی ہے۔

﴿وَضَرَبَ اللَّهُ مَثَلًا قَرْيَةً كَانَتْ آمِنَةً مُّطْمَئِنَّةً يَأْتِيهَا رِزْقُهَا رَغَدًا مِّن كُلِّ مَكَانٍ فَكَفَرَتْ بِأَنْعُمِ اللَّهِ﴾ (النحل: ۱۱۲)

(اور اللہ ایک بستی کی مثال بیان فرماتا ہے کہ (ہر طرح) امن و چین سے بستی تھی ہر طرف سے رزق بافراغت چلا آتا تھا۔ مگر ان لوگوں نے اللہ کی نعمتوں کی ناشکری کی)

مسلمان کا مسلمان کو قتل کرنا بھی اس میں داخل ہے، ارشاد نبوی (ﷺ) ہے: ''سِبَابُ الْمُسْلِمِ فُسُوقٌ وَقِتَالُهُ كُفْرٌ'' [1] (مسلمان کو سب و شتم کرنا فسق ہے اور اسے قتل کرنا کفر ہے)

نیز فرمایا: ''لَا تَرْجِعُوا بَعْدِي كُفَّارًا يَضْرِبُ بَعْضُكُمْ رِقَابَ بَعْضٍ'' [2] (میرے بعد تم پھر کافر نہ بن جانا کہ ایک دوسرے کی گردن مارنے لگو)

[1] البخاري الإيمان (۴۸) ، مسلم الإيمان (۶۴) ، الترمذي البر والصلة (۱۹۸۳) ، النسائي تحريم الدم (۴۱۰۸) ، ابن ماجه المقدمة (۶۹) ، أحمد (۱/۴۳۹)

[2] البخاري العلم (۱۲۱) ، مسلم الإيمان (۶۵) ، النسائي تحريم الدم (۴۱۳۱) ، ابن ماجه الفتن (۳۹۴۲) ، أحمد (۴/۳۵۸) ، الدارمي المناسك (۱۹۲۱).

اس میں غیر اللہ کی قسم بھی داخل ہے۔رسول اللہ (ﷺ) کا ارشاد گرامی ہے:

"مَنْ حَلَفَ بِغَيْرِ اللهِ فَقَدْ كَفَرَ أَوْ أَشْرَكَ"[1] (جس نے غیر اللہ کی قسم کھائی اس نے کفر کیا یا شرک کیا) ایک جگہ پر اللہ تعالیٰ نے کبیرہ گناہ کے مرتکب کو مومن کہا ہے۔آیت کریمہ ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ فِي الْقَتْلَى﴾ (البقرۃ:۱۷۸)

(مومنو! تم کو مقتولوں کے بارے میں قصاص (یعنی خون کے بدلے خون) کا حکم دیا جاتا ہے)

یہاں پر قاتل کو مومنوں کے زمرے سے الگ نہیں کیا گیا ہے بلکہ اس کو قصاص کے ولی کا بھائی بتایا گیا ہے۔آگے ارشاد فرمایا:

﴿فَمَنْ عُفِيَ لَهُ مِنْ أَخِيهِ شَيْءٌ فَاتِّبَاعٌ بِالْمَعْرُوفِ وَأَدَاءٌ إِلَيْهِ بِإِحْسَانٍ﴾ (البقرۃ:۱۷۸)

(ہاں جس کسی کو اس کے بھائی کی طرف سے کچھ معاف دے دی جائے اسے بھلائی کی اتباع کرنی چاہیے اور آسانی سے ساتھ دیت ادا کرنی چاہیے)

اور یہاں اخوت سے مراد بلاشبہ دینی اخوت ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَإِنْ طَائِفَتَانِ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ اقْتَتَلُوا فَأَصْلِحُوا بَيْنَهُمَا فَإِنْ بَغَتْ إِحْدَاهُمَا عَلَى الْأُخْرَى فَقَاتِلُوا الَّتِي تَبْغِي حَتَّى تَفِيءَ إِلَى أَمْرِ اللهِ فَإِنْ فَاءَتْ فَأَصْلِحُوا بَيْنَهُمَا بِالْعَدْلِ وَأَقْسِطُوا إِنَّ اللهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِينَ، إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ فَأَصْلِحُوا بَيْنَ أَخَوَيْكُمْ﴾ (الحجرات:۹-۱۰)

(اور اگر مومنوں میں سے کوئی دو فریق آپس میں لڑ پڑیں تو ان میں صلح کرا دو، پھر اگر ان

[1] ترمذی: النذور والأیمان (۱۵۳۵)، ابو داود: الأیمان والنذور (۳۲۵۱)

دونوں میں سے ایک فریق دوسرے فریق پر زیادتی کرے تو تم (سب) اس فریق سے جو زیادتی کرتا ہے لڑو، یہاں تک کہ وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی طرف لوٹ آئے، اگر لوٹ آئے تو پھر انصاف کے ساتھ صلح کرادو اور عدل کرو، بیشک اللہ تعالیٰ انصاف کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔ (یاد رکھو) سارے مومنین تو آپس میں بھائی بھائی ہیں، پس اپنے دو بھائیوں میں میل ملاپ کرادیا کرو)"[1]

کفرِ اکبر و کفرِ اصغر میں فرق

۱۔ کفرِ اکبر ایک مسلمان کو ملتِ اسلامیہ کے دائرے سے نکال دیتا ہے اور اس کے تمام اعمال کو برباد کردیتا ہے۔ جب کہ کفرِ اصغر ایک مسلمان کو ملتِ اسلامیہ کے دائرے سے نہیں نکالتا اور نہ ہی اس کے تمام اعمال کو برباد کرتا ہے۔ ہاں! البتہ ان میں نقص ضرور پیدا کردیتا ہے اور اس کے مرتکب کو شدید وعید کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

۲۔ کفرِ اکبر صاحبِ کفر کو ہمیشہ کے لئے جہنم رسید کردیتا ہے جب کہ کفرِ اصغر کا مرتکب اگر جہنم میں گیا بھی تو ہمیشہ وہاں نہیں رہے گا، اور یہ بھی ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ اس سے درگزر فرمائے تو وہ سرے سے ہی جہنم میں داخل نہ ہو۔

۳۔ کفرِ اکبر سے صاحبِ کفر کا جان و مال مباح ہو جاتا ہے، جب کہ کفرِ اصغر اس کی جان و مال کو مباح نہیں کرتا۔

۴۔ کفرِ اکبر کی وجہ سے صاحبِ کفر اور مومنوں کے درمیان اصلی عداوت و دشمنی لازمی ہے۔ لہٰذا مومنوں کے لئے صاحبِ کفرِ اکبر سے محبت و دوستی چاہے وہ کتنا ہی قریبی رشتہ دار

[1] شرح عقیدہ طحاویہ سے مختصراً ماخوذ صفحہ (۳٦١) ط المکتب الاسلامی۔

کیوں نہ ہو جاتی تھیں۔ جہاں تک فرد واحد کی بات ہے تو اس کی وجہ سے صاحبِ کفر سے دوستی مطلقاً منع نہیں بلکہ اس کے ایمان کی مقدار کے برابر اس سے محبت و دوستی کی جائے گی اور اس کے نافرمانی و عصیان کی مقدار کے برابر اس سے بغض و دشمنی رکھی جائے گی۔

چوتھی فصل

نفاق، اس کی تعریف اور اقسام

نفاق کی تعریف

لغت کے اعتبار سے لفظ ''نفاق'' مصدر ہے فعل نافق کا۔ کہا جاتا ہے نافق، ینافق، نفاقاً و منافقة۔ یہ لفظ النافقاء سے ماخوذ ہے۔ ''أحد مخارج الیربوع من جحره؛ فإنه إذا طلب من مخرج هرب إلی الآخر، وخرج منه. وقیل: هو من النفق وهو: السَّرَبُ الذي یستتر فیه''[1] (جو گوہ (یا نیولے) کے بل کی خفیہ نکاسی اور منہ کو کہتے ہیں گوہ کے بارے میں مشہور ہے کہ جب اسے بل کے ایک منہ سے تلاش کیا جاتا ہے تو وہ دوسرے منہ سے نکل جاتا ہے۔ یہ بھی کہا گیا کہ وہ لفظ نفق سے ماخوذ ہے جو ان بلوں کو کہتے ہیں جن میں گوہ چھپے رہتے ہیں)۔

شرعی اصطلاح میں نفاق کے معنی ہیں: ''إظهارُ الإسلام والخیر، وإبطانُ الکفر والشر: سمی بذلك لأنه یدخل فی الشرع من باب، ویخرج منه من باب آخر'' (اسلام و

[1] النہایہ لابن الاثیر (۹۸/۵) میں اسی معنی کی تعریف ہے۔

خیر کا اظہار کرنا، اور کفر و شر کو اندر چھپائے رکھنا اسے نفاق اس لئے کہا گیا کہ منافق ایک دروازے سے شریعت میں داخل ہوتا ہے تو دوسرے دروازے سے نکل جاتا ہے)۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے تنبیہ فرمائی گئی ارشاد باری ہے:

﴿إِنَّ الْمُنَافِقِينَ هُمُ الْفَاسِقُونَ﴾ (التوبة:٦٧)

(بے شک منافق فاسق ہیں)

فاسقوں سے مراد وہ لوگ ہیں جو دائرۂ شریعت سے نکلے ہوئے ہیں اسی طرح اللہ تعالیٰ نے منافقوں کو کافروں سے بھی بدتر قرار دیا ہے۔ آیت کریمہ ہے:

﴿إِنَّ الْمُنَافِقِينَ فِي الدَّرْكِ الْأَسْفَلِ مِنَ النَّارِ﴾ (النساء:١٤٥)

(کچھ شک نہیں کہ منافق لوگ دوزخ کے سب سے نیچے کے درجے میں ہوں گے)

مزید ارشاد ہے:

﴿إِنَّ الْمُنَافِقِينَ يُخَادِعُونَ اللَّهَ وَهُوَ خَادِعُهُمْ﴾ (النساء:١٤٢)

(منافق (ان چالوں سے اپنے نزدیک) اللہ کو دھوکہ دیتے ہیں (یہ اس کو کیا دھوکا دیں گے) وہ انہیں کو دھوکے میں ڈالنے والا ہے)

﴿يُخَادِعُونَ اللَّهَ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَمَا يَخْدَعُونَ إِلَّا أَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُونَ ۔ فِي قُلُوبِهِمْ مَرَضٌ فَزَادَهُمُ اللَّهُ مَرَضًا وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ بِمَا كَانُوا يَكْذِبُونَ﴾ (البقرة:٩-١٠)

(یہ (اپنی خام خیالی میں) اللہ کو اور مومنوں کو چکما دیتے ہیں مگر (حقیقت میں) اپنے سوا کسی کو چکما نہیں دیتے اور اس سے بے خبر ہیں ان کے دلوں میں (کفر کا) مرض تھا، اللہ نے ان کا مرض اور زیادہ کر دیا، اور ان کے جھوٹ بولنے کے سبب ان کو دکھ دینے والا عذاب ہوگا)

نفاق کے اقسام

نفاق کی دو قسمیں ہیں:

۱۔ اعتقادی نفاق: یہی نفاق اکبر ہے، جس میں ایک منافق بظاہر اسلام کی نمائش کرتا ہے لیکن اپنے اندر کفر کو چھپائے رکھتا ہے اس طرح کے نفاق سے آدمی کلی طور پر دین سے خارج ہو جاتا ہے۔ بلکہ وہ جہنم کے سب سے نچلے طبقہ میں پہنچ جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تمام برے اوصاف سے انہیں متصف کیا ہے۔ کبھی کافر کہا کبھی بے ایمان کہا کبھی دین اور دین داروں کے ساتھ مذاق اڑانے والے سے انہیں تعبیر کیا ان کی بری صفات بیان کرتے وقت کہا گیا کہ یہ ہمہ تن دشمنانِ اسلام کی طرف جھکے رہتے ہیں اس لئے کہ ان کی اسلام دشمنی بھی ان ظاہر کافر دشمنوں سے کم نہیں ہوتی۔ منافقین ہر زمانہ میں پائے جاتے ہیں خاص طور پر ایسے زمانہ میں جب اسلام کی قوت و شوکت بہت زیادہ بڑھ جاتی ہے۔ چونکہ یہ ظاہری طور پر اس کا مقابلہ نہیں کر سکتے لہذا یہ اس کا اظہار کرتے ہیں کہ ہم بھی اس میں داخل ہیں۔ تاکہ اندر رہ کر اسلام اور اہل اسلام کے خلاف سازش رچی جا سکے۔ مسلمانوں سے مل کر رہنے کا موقع ملے اور اپنے جان و مال کی ان سے حفاظت ہو سکے۔

لہذا ایک منافق بظاہر اللہ تعالیٰ، اس کے فرشتوں، اس کی کتابوں، اس کے رسولوں اور یوم آخرت پر ایمان کا اعلان کرتا ہے۔ لیکن اندرونی طور پر ان چیزوں سے عاری ہوتا ہے۔ بلکہ ان حقائق کو جھٹلاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ پر ایمان لاتا ہے نہ اس بات پر کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے ایک بندہ پر اپنا کلام پاک نازل فرمایا ہے اور اس کو رسول بنایا ہے تاکہ وہ اس کی اجازت سے لوگوں کو ہدایت کرے، اس کی گرفت سے باخبر کرے، اس کے عقاب سے ڈرائے اللہ تعالیٰ نے کلام مجید میں ان منافقوں کے پردہ کو فاش فرمایا ہے اور ان کے باطنی راز کو کھول دیا ہے اور اپنے بندوں پر ان کے معاملہ کو ظاہر کر دیا ہے، تاکہ وہ بھی نفاق اور اہلِ نفاق سے خبردار رہیں۔

اللہ تعالیٰ نے سورۃ البقرہ کی ابتداء میں لوگوں کے تین طبقوں کا تذکرہ کیا ہے۔ مومنین، کفار اور منافقین، پس مومنوں کے سلسلہ میں چار آیتیں نازل ہوئیں، کافروں سے متعلق دو آیتیں، جب کہ منافقین کے بارے میں تیرہ آیتیں اتریں، اور یہ صرف منافقوں کی کثرت، لوگوں میں نفاق کے پھیلنے اور اسلام اور اہل اسلام کے لئے عظیم فتنہ ثابت ہونے کی وجہ سے، اور منافقوں کی ریشہ دوانیوں کی وجہ سے اسلام کو بہت سے مصائب بھی جھیلنے پڑے ہیں۔ اس لئے کہ یہ اسلام کے حقیقی اور کٹر دشمن ہونے کے باوجود اسلام کی طرف منسوب ہوتے ہیں۔ اسلام کے حلیف اور مددگار سمجھے جاتے ہیں۔ یہ منافقین اپنی دشمنی کے نت نئے طریقے نکالتے ہیں۔ جس سے جاہل لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ یہ لوگ دین میں علم و اصلاح کی باتیں کرتے ہیں جب کہ حقیقت میں وہ اصلاح نہیں نہایت درجہ کی جہالت اور فساد ہوتا ہے۔[1]

اعتقادی نفاق کی چھ قسمیں ہیں:[2]

۱۔ رسول اللہ (ﷺ) کو جھٹلانا۔

۲۔ رسول اللہ (ﷺ) کی لائی ہوئی شریعت کے بعض حصہ کو جھٹلانا۔

۳۔ رسول اللہ (ﷺ) سے بغض رکھنا۔

۴۔ رسول اللہ (ﷺ) کی لائی ہوئی شریعت کی بعض باتوں سے بغض رکھنا۔

۵۔ رسول اللہ (ﷺ) کے لائے ہوئے دین کے زوال سے خوش ہونا۔

۶۔ رسول اللہ (ﷺ) کے دین کے غلبہ و بالادستی سے تکلیف اور رنج و غم ہونا۔

[1] امام ابن القیم رحمہ اللہ کے رسالے "صفات المنافقین" سے ماخوذ۔

[2] مجموعة التوحيد النجدية صفحہ ۹.

۲- عملی نفاق: اس سے مراد دل میں ایمان کے ساتھ ساتھ منافقوں کے اعمال میں سے کچھ کا ارتکاب کرنا۔ اس نفاق سے آدمی ملت اسلامیہ کے دائرہ سے نہیں نکلتا، لیکن ملت کے دائرہ سے نکلنے کے راستے کو ہموار کرتا ہے۔ ایسے شخص کے اندر ایمان و نفاق دونوں ہوتے ہیں۔ جب نفاق کا پلڑا بھاری ہوتا ہے تو وہ خالص منافق ہو جاتا ہے۔ اس کی دلیل رسول اللہ (ﷺ) کا یہ قول ہے: ''أَرْبَعٌ مَنْ كُنَّ فِيهِ كَانَ مُنَافِقًا خَالِصًا وَمَنْ كَانَتْ فِيهِ خَصْلَةٌ مِنْهُنَّ كَانَتْ فِيهِ خَصْلَةٌ مِنَ النِّفَاقِ حَتَّى يَدَعَهَا إِذَا اؤْتُمِنَ خَانَ وَإِذَا حَدَّثَ كَذَبَ وَإِذَا عَاهَدَ غَدَرَ وَإِذَا خَاصَمَ فَجَرَ''[1] (چار چیزیں ہیں جس کے اندر ہوں گی وہ خالص منافق ہوگا، اور جس کے اندر ان میں سے ایک ہو اس میں نفاق کی ایک خصلت ہوگی۔ یہاں تک کہ اسے چھوڑ دے، (وہ یہ ہیں) جب امانت سونپی جائے تو خیانت کرے، جب بات کرے تو جھوٹ بولے، جب عہد کرے تو بدعہدی کرے اور جب جھگڑا کرے تو گالی گلوچ پر اتر آئے)۔

لہٰذا جس کے اندر یہ چاروں خصلتیں جمع ہو جائیں اس کے اندر ساری برائیاں جمع ہو جاتی ہیں اور اس کے اندر منافقین کی ساری (ظاہری) صفات اکٹھا ہو جاتی ہیں۔ اور جس کے اندر ان میں سے ایک ہو اس کے اندر نفاق کی ایک عادت ہوتی ہے۔ ایسا بھی ہوتا ہے کہ ایک بندہ کے اندر کچھ اچھی خصلتیں بھی ہوتی ہیں اور کچھ بری خصلتیں بھی، کچھ ایمانی خصلتیں بھی ہوتی ہیں اور کچھ کفر و نفاق کی خصلتیں بھی، چنانچہ وہ اپنے اچھے برے عمل کے اعتبار سے ثواب و عقاب کا مستحق ہوتا ہے۔ نفاق عملی میں جماعت کے ساتھ نماز میں سستی بھی داخل ہے۔ اس لئے کہ یہ منافقین کے صفات میں سے ہے، نفاق بہت بری اور خطرناک چیز ہے، یہی وجہ تھی کہ صحابہ

[1] البخاري الإيمان (٣٤)، مسلم الإيمان (٥٨)، الترمذي الإيمان (٢٦٣٢)، النسائي الإيمان وشرائعه (٥٠٢٠)، أبو داود السنة (٤٦٨٨)، أحمد (١٨٩/٢)

کرام رضی اللہ عنہم نفاق سے بہت زیادہ ڈرتے رہتے تھے۔ سیدنا ابن ابی ملیکہ رحمۃ اللہ علیہ کا کہنا ہے کہ:
"أدركت ثلاثين من أصحاب رسول الله ـ صلى الله عليه وسلم ـ كلهم يخاف النفاق على نفسه" (میں نے تیس (۳۰) صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو دیکھا ہے اور سب کو اپنے اوپر نفاق سے ڈرتے ہوئے پایا ہے)۔

نفاقِ اکبر و نفاقِ اصغر کے درمیان فرق

۱۔ نفاقِ اکبر ایک مسلمان کو دائرۂ اسلام سے باہر کر دیتا ہے۔ جب کہ نفاقِ اصغر ایک مسلمان کو ملتِ اسلامیہ کے دائرہ سے باہر نہیں کرتا۔
۲۔ نفاقِ اکبر میں اعتقاد و عقیدہ کے اندر ظاہر و باطن میں اختلاف ہوتا ہے اور نفاقِ اصغر میں عقیدہ و اعتقاد کے بجائے اعمال کے اندر ظاہر و باطن میں اختلاف ہوتا ہے۔
۳۔ نفاقِ اکبر ایک مومن سے ہرگز بھی صادر نہیں ہو سکتا، جبکہ نفاقِ اصغر بندۂ مومن سے بھی صادر ہو سکتا ہے۔
۴۔ صاحبِ نفاقِ اکبر غالباً توبہ نہیں کر پاتا ہے، اور اگر توبہ کر بھی لے تو اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس کی قبولیت کے سلسلہ میں اختلاف ہے، جبکہ صاحبِ نفاقِ اصغر کو کبھی توبہ کی توفیق مل بھی جاتی ہے، اور اللہ تعالیٰ اس کی توبہ کو قبول بھی کر لیتا ہے۔

علامہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: (اکثر و بیشتر ایسا ہوتا ہے کہ ایک مومن بندہ نفاق کے کسی جزء میں مبتلا ہو جاتا ہے، پھر اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول کر لیتا ہے۔ کبھی اس کے دل میں ایسی چیز آ جاتی ہے، جس سے نفاق لازم آتا ہے، لیکن اللہ تعالیٰ اس چیز کو اس کے دل سے زائل فرما دیتا ہے۔ ایک مومن بندہ کو کبھی شیطان کے وساوس اور کبھی کفر کے وساوس سے پالا پڑتا ہے، جس سے اس کے دل میں گھٹن پیدا ہوتی ہے، جیسے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا تھا کہ "يا رسول الله، إن أحدنا ليجد في نفسه ما لئن يخرّ من السماء

إلى الأرض أحب إليه من أن يتكلم به ، فقال : "ذلك صريح الإيمان". وفي رواية : ما يتعاظمه أن يتكلم به ، قال : "الحمد لله الذي رد كيده إلى الوسوسة" (اے اللہ کے رسول (ﷺ)! ہم میں سے بعض اپنے دل میں ایسی چیز محسوس کرتے ہیں کہ اس کو بولنے سے وہ آسمان سے زمین پر گر کر مر جانے کو ترجیح دیتے ہیں، (یہ سن کر) آپ (ﷺ) نے فرمایا: (یہ صریح ایمان (ایمان کی واضح نشانی) ہے)۔ (مسلم، احمد) ایک اور روایت کے الفاظ ہیں: (وہ اپنے دل کی بات کو زبان سے بولنا بہت ہی عظیم و خطرناک سمجھتے ہیں (یہ سن کر) آپ (ﷺ) نے فرمایا: (اللہ کا لاکھ شکر ہے کہ اس نے ایک سازش کو وسوسہ میں بدل دیا)، یعنی اس کراہیت کے باوجود اس طرح کے وسوسہ کا حاصل ہونا پھر اس کو اپنے دل سے زائل کرنے کی کوشش کرنا ایمان کی صریح دلیل ہے)[1]۔

اور جہاں تک نفاق اکبر کا تعلق ہے تو اس میں مبتلا لوگوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿صُمٌّ بُكْمٌ عُمْيٌ فَهُمْ لَا يَرْجِعُونَ﴾ (البقرۃ:۱۸)

((یہ) بہرے ہیں گونگے ہیں اندھے ہیں کہ (کسی طرح سیدھے راستے کی طرف) لوٹ ہی نہیں سکتے)

یعنی وہ باطنی طور پر اسلام کی طرف نہیں لوٹیں گے، ایسے لوگوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

﴿أَوَلَا يَرَوْنَ أَنَّهُمْ يُفْتَنُونَ فِي كُلِّ عَامٍ مَّرَّةً أَوْ مَرَّتَيْنِ ثُمَّ لَا يَتُوبُونَ وَلَا هُمْ يَذَّكَّرُونَ﴾ (التوبہ:۱۲٦)

[1] انظر : كتاب الإيمان ، صفحة ٢٣٨.

(کیا یہ دیکھتے نہیں کہ یہ ہر سال ایک یا دو بار بلا و آزمائش میں پھنسا دیئے جاتے ہیں پھر بھی توبہ نہیں کرتے اور نہ نصیحت پکڑتے ہیں)

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: (بظاہر ان کی توبہ قبول ہونے کے سلسلہ میں علماء کا اختلاف ہے، اس لئے کہ ان کی اندرونی حالت کا پتہ چلانا بہت مشکل ہے، کیونکہ وہ (ظاہر میں) تو ہمیشہ اسلام ہی کا اظہار کرتے ہیں)[1]۔

پانچویں فصل

جاہلیت، فسق، ضلالت، ارتداد ان کی حقیقت اور اقسام واحکام کا بیان

جاہلیت

"هي الحال التي كانت عليها العرب قبل الإسلام: من الجهل بالله ورسله، وشرائع الدين، والمفاخرة بالأنساب، والكبر والتجبر، وغير ذلك"[2] (اللہ تعالیٰ، اس کے رسول ﷺ، اور دین و شریعت سے ناواقفیت، حسب و نسب پر بے جا فخر، تکبر اور غرور کی جس حالت میں عرب کے لوگ اسلام سے پہلے مبتلا تھے اس حالت کو جاہلیت سے تعبیر کیا جاتا ہے)۔

جاہلیت جہل سے ماخوذ ہے، جو علم کی ضد یا اتباعِ علم کی ضد ہے، شیخ الاسلام ابن تیمیہ

[1] انظر: مجموع الفتاوی (۲۸/۳۳۴-۳۳۵).

[2] النہایۃ لابن الأثیر (۱/۳۲۳).

رحمہ اللہ فرماتے ہیں: (اگر کسی کو حق کا علم نہیں تو وہ جہلِ بسیط میں مبتلا ہے، اور اگر اس کا اعتقاد حق کے بر خلاف ہے تو وہ جہلِ مرکب میں مبتلا ہے، اور اگر کوئی حق کا علم رکھتے ہوئے حق کے خلاف بات کرتا ہے یا حق کے علم کے بغیر حق کے بر خلاف بات کرتا ہے تو وہ بھی جاہل ہے۔ یہ واضح ہو جانے کے بعد معلوم ہوا کہ بعثتِ نبوی سے پہلے لوگ ایسی جاہلیت میں تھے جو جہل کی طرف منسوب ہے۔ یہ سارے اقوال و اعمال کسی جاہل کے ایجاد کردہ تھے اور جاہل لوگ بجالاتے تھے۔ اسی طرح ہر وہ چیز جو انبیاء علیہم السلام کی لائی ہوئی شریعتوں کے خلاف تھی چاہے یہودیت ہو یا نصرانیت وہ جاہلیت ہی تھی، اسے جاہلیتِ عامہ سے بھی تعبیر کیا جاتا ہے۔

لیکن رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی بعثت کے بعد یہ جاہلیت عام نہیں ہے بلکہ کسی علاقے میں ہوگی، اور کسی میں نہیں، جیسے کہ دیارِ کفر و شرک کی جاہلیت ہے۔ اسی طرح یہ کسی خاص شخص میں ہوگی اور کسی میں نہیں، جیسے کوئی شخص اسلام قبول کرنے سے پہلے جاہلیت میں تصور کیا جائے گا چاہے وہ دیارِ اسلام ہی میں کیوں نہ ہو، لیکن زمانِ مطلق کے اعتبار سے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی بعثت کے بعد جاہلیتِ عامہ نہ ہوگی، اس لئے کہ اب قیامت تک ہر زمانہ میں امت محمدیہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی ایک جماعت حق پر قائم رہے گی، لیکن جاہلیت مقیدہ (مخصوصہ) اب بھی بعض مسلم ملکوں میں اور بہت سے مسلمانوں میں پائی جا سکتی ہے، جیسا کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کا ارشادِ گرامی ہے: ''أَرْبَعٌ فِي أُمَّتِي مِنْ أَمْرِ الْجَاهِلِيَّةِ''[1] (میری امت میں چار چیزیں جاہلیت کی نشانی ہیں) ایک مرتبہ سیدنا ابوذر رضی اللہ عنہ سے فرمایا: ''إِنَّكَ امْرُؤٌ

[1] مسلم الجنائز (۹۳۴)، أحمد (۳۴۳/۵)۔ اور مکمل حدیث میں وہ چار امور یہ بیان ہوئے ہیں: ۱- اپنے حسب و نسب پر فخر کرنا، ۲- دوسروں کے حسب و نسب پہ طعن کرنا، ۳- ستاروں کی چال سے بارش ہونے کا اعتقاد رکھنا، ۴- اور نوحہ خوانی کرنا۔ (مترجم)

فِیکَ جَاهِلِیَّةٌ"[1] ((تم ایسے شخص ہو جس میں ابھی تک جاہلیت کی بو موجود ہے))[2]

جاہلیت کی اقسام

جاہلیت کی نسبت جہل کی طرف ہے جو عدم علم کا دوسرا نام ہے۔ اس کی دو قسمیں ہیں۔

۱- جاہلیتِ عامہ: اس سے مراد بعثت نبوی (ﷺ) کے ماقبل کا زمانہ و حالت ہے اور جو بعثت نبوی (ﷺ) کی وجہ سے ختم ہو چکی ہے۔

۲- جاہلیتِ خاصہ: یہ جاہلیت بعض ملکوں، بعض شہروں اور بعض افراد کے ساتھ خاص ہے، جو اب بھی موجود ہے۔ اس سے ان لوگوں کی غلطی کھل کر سامنے آجاتی ہے، جو جاہلیت کو اس زمانہ تک عام کرنا چاہتے ہیں اور کہتے ہیں اس صدی کی جاہلیت یا بیسویں صدی کی جاہلیت اور اس جیسے جملے، جبکہ صحیح جملہ اس طرح کہا جا سکتا ہے، اس صدی کے بعض لوگوں کی جاہلیت یا اس صدی کے اکثر لوگوں کی جاہلیت، جہاں تک عمومیت کا مسئلہ ہے تو یہ صحیح نہیں اور نہ ہی جائز ہے۔ اس لئے کہ بعثتِ نبوی (ﷺ) کی وجہ سے یہ عام جاہلیت ختم ہو چکی ہے۔

فسق

لغت میں فسق کے معنی خروج (نکلنے) کے ہیں اور شرعی اصطلاح میں فسق سے

[1] البخاري الإيمان (۳۰)، مسلم الأيمان (۱۶۶۱)، أبو داود الأدب (۵۱۵۷)، أحمد (۵/۱۶۱). یہ آپ ﷺ نے سیدنا ابوذر رضی اللہ عنہ کو اس وقت کہا تھا جب انہوں نے اپنے ایک غلام کو ماں کی گالی دے دی تھی۔ پھر آپ تائب ہو کر بہترین سلوک فرمایا کرتے تھے۔ (ط ع)

[2] اقتضاء الصراط المستقيم (۱/۲۲۵-۲۲۷) تحقيق الدكتور ناصر العقل.

مراد ہے: "الخروج عن طاعة الله" (اطاعتِ الٰہی سے نکلنا)، اس میں کلی طور پر نکلنا بھی شامل ہے، اسی لئے کافر کو بھی فاسق کہہ دیا جاتا ہے۔ اسی طرح اس سے جزئی طور پر نکلنا بھی مراد لیتے ہیں، اسی لئے ایک مومن سے اگر کوئی بیرہ گناہ سرزد ہو جاتا ہے تو اسے فاسق کہہ دیا جاتا ہے۔

فسق کی اقسام

فسق کی دو قسمیں ہیں:

پہلی قسم: وہ فسق جس سے آدمی دائرہ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے، اسے کفر بھی کہتے ہیں۔ لہذا کافر کو بھی فاسق کہہ دیا جاتا ہے، اللہ تعالیٰ نے ابلیس کے تذکرہ میں فرمایا:

﴿فَفَسَقَ عَنْ أَمْرِ رَبِّهِ﴾ (الكهف: ۵۰)

(تو وہ اپنے رب کے حکم سے باہر ہو گیا)

اس فسق کے ذریعہ ابلیس نے دراصل کفر کیا تھا، اللہ تعالیٰ کا اس ضمن میں یہ بھی ارشاد ہے۔

﴿وَأَمَّا الَّذِينَ فَسَقُوا فَمَأْوَاهُمُ النَّارُ﴾ (السجدة: ۲۰)

(اور جنہوں نے فسق (نافرمانی) کی ان کا ٹھکانہ دوزخ ہے)

اس سے مراد کفار ہیں اس کی دلیل یہ ارشاد باری ہے:

﴿كُلَّمَا أَرَادُوا أَنْ يَخْرُجُوا مِنْهَا أُعِيدُوا فِيهَا وَقِيلَ لَهُمْ ذُوقُوا عَذَابَ النَّارِ الَّذِي كُنْتُمْ بِهِ تُكَذِّبُونَ﴾ (السجدة: ۲۰)

(جب چاہیں گے کہ اس میں سے نکل جائیں تو اس میں لوٹا دیئے جائیں گے اور ان سے کہا جائے گا کہ دوزخ کے جس عذاب کو تم جھوٹ سمجھتے تھے اس کے مزے چکھو)

دوسری قسم: گنہگار مسلمان جو کبیرہ گناہ کے مرتکب ہوا سے بھی فاسق کہہ دیا جاتا ہے، لیکن اس کا

فسق اسے اسلام سے نہیں نکالتا، ارشاد باری ہے:

﴿وَالَّذِينَ يَرْمُونَ الْمُحْصَنَاتِ ثُمَّ لَمْ يَأْتُوا بِأَرْبَعَةِ شُهَدَاءَ فَاجْلِدُوهُمْ ثَمَانِينَ جَلْدَةً وَلَا تَقْبَلُوا لَهُمْ شَهَادَةً أَبَدًا وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ﴾ (النور: ۴)

(اور جو لوگ پرہیزگار عورتوں کو بدکاری کا الزام لگائیں اور اس پر چار گواہ نہ لائیں تو ان کو اسی (۸۰) دُرّے مارو، اور کبھی ان کی شہادت قبول نہ کرو، اور یہی فاسق (بدکردار) ہیں)

نیز فرمایا:

﴿فَمَنْ فَرَضَ فِيهِنَّ الْحَجَّ فَلَا رَفَثَ وَلَا فُسُوقَ وَلَا جِدَالَ فِي الْحَجِّ﴾ (البقرۃ: ۱۹۷)

(تو جو شخص ان مہینوں میں حج کی نیت کرے تو حج (کے دنوں) میں نہ عورتوں سے اختلاط کرے نہ کوئی فسق (برا کام) کرے، نہ کسی سے جھگڑے)

علمائے کرام نے فسق کی تفسیر میں اس کے معنی عاصی وگنہگار کے بتائے ہیں[1]۔

ضلالت

ضلالت (گمراہی) کا معنی ہے: "العدول عن الطريق المستقيم، وهو ضد الهداية" (صراطِ مستقیم سے ہٹ جانا اور یہ ہدایت کی ضد ہے) آیت کریمہ ہے۔

﴿مَّنِ اهْتَدَىٰ فَإِنَّمَا يَهْتَدِي لِنَفْسِهِ ۖ وَمَن ضَلَّ فَإِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا﴾ (الإسراء: ۱۵)

(جو شخص ہدایت اختیار کرتا ہے اپنے ہی لئے اختیار کرتا ہے، اور اگر ضلالت اختیار کرتا ہے (گمراہ

[1] کتاب الإيمان لشيخ الإسلام ابن تيمية ص ۳۷۸۔

ہوتا ہے) تو گمراہی کا ضرر بھی اسی کو ہوگا)

ضلالت کے متعدد معانی ہیں

۱- اس کا اطلاق کفر پر بھی ہوتا ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمَن يَكْفُرْ بِاللَّهِ وَمَلَائِكَتِهِ وَكُتُبِهِ وَرُسُلِهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلَالًا بَعِيدًا﴾

(النساء: ۱۳۶)

(اور جو شخص اللہ اور اس کے فرشتوں اور اس کی کتابوں اور اس کے پیغمبروں اور روزِ قیامت سے انکار کرے وہ راستے سے بھٹک کر دور جا پڑا)

۲- کبھی اس کا اطلاق شرک پر بھی ہوتا ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے:

﴿وَمَن يُشْرِكْ بِاللَّهِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلَالًا بَعِيدًا﴾ (النساء: ۱۱۶)

(اور جس نے اللہ کے ساتھ شریک بنایا وہ (صحیح) راستہ سے دور جا پڑا)

۳- کبھی اس کا اطلاق اس مخالفت پر بھی ہوتا ہے جس سے کفر لازم نہیں آتا، جیسے کہا جاتا ہے، فرقہ ہائے ضالہ (گمراہ فرقے)، یہاں ضالہ سے مراد مخالفہ ہے۔

۴- غلطی پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے، سیدنا موسیٰ (علیہ السلام) کا قول قرآن میں یوں بیان ہوا ہے:

﴿قَالَ فَعَلْتُهَا إِذًا وَأَنَا مِنَ الضَّالِّينَ﴾ (الشعراء: ۲۰)

((موسیٰ (علیہ السلام) نے) کہا کہ (ہاں) وہ حرکت مجھ سے ناگہاں سرزد ہوئی تھی، اور میں خطاء کاروں میں تھا)

۵- کبھی نسیان و بھول پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے۔ ارشاد باری ہے:

﴿أَن تَضِلَّ إِحْدَاهُمَا فَتُذَكِّرَ إِحْدَاهُمَا الْأُخْرَىٰ﴾ (البقرۃ: ۲۸۲)

(ایک (عورت گواہی) بھول جائے گی تو دوسری اسے یاد دلادے گی)

۲۔ ضلال کا اطلاق کبھی غائب ہونے اور گم ہونے پر بھی ہوتا ہے، اہل عرب کہتے ہیں "ضالۃ الابل"[1] (گمشدہ اونٹ)[2]

ارتداد، اس کی اقسام واحکام

ارتداد کی تعریف

لغت میں ارتداد (رجوع) پلٹنے کو کہتے ہیں، ارشاد باری تعالی ہے:

﴿وَلَا تَرْتَدُّوا عَلَىٰ أَدْبَارِكُمْ﴾ (المائدۃ:۲۱)

(اور دیکھنا (مقابلے کے وقت) مرتد نہ ہونا) یعنی پیٹھ نہ دکھانا۔

شرعی اصطلاح میں ارتداد کے معنی ہیں: "الكفر بعد الإسلام" (اسلام لانے کے بعد کفر اختیار کرنا)، ارشاد باری ہے:

﴿وَمَن يَرْتَدِدْ مِنكُمْ عَن دِينِهِ فَيَمُتْ وَهُوَ كَافِرٌ فَأُولَٰئِكَ حَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَأُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ﴾ (البقرۃ:۲۱۷)

(اور جو کوئی تم میں سے اپنے دین سے مرتد (پھر کر کافر) ہو جائے گا اور کافر ہی مرے تو ایسے

1 ص۲۹۷۔ ۲۹۸ من المفردات للراغب۔

2 کبھی اس کا اطلاق بدعت پر بھی ہوتا ہے جیسا کہ آپ ﷺ اپنے خطبات میں ارشاد فرمایا کرتے تھے: "وَكُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ" (صحیح مسلم ۸۷۰) (اور ہر بدعت گمراہی ہے)۔(ط ع)

لوگوں کے اعمال دنیا اور آخرت دونوں میں برباد ہو جائیں گے ، اور یہی لوگ دوزخ (میں جانے) والے ہیں، جس میں ہمیشہ رہیں گے)

اِرتداد کی اقسام

نواقضِ اسلام کے کسی نقض کے ارتکاب سے یہ ارتداد لازم آتا ہے۔ اور نواقض کی چار قسمیں ہیں۔

۱- قولی اِرتداد: جیسے اللہ تعالیٰ ، اس کے رسول (ﷺ) یا اس کے فرشتے یا گذشتہ انبیاء علیہم السلام میں سے کسی نبی کو سب و شتم کرنا ، یا علم غیب کا دعویٰ کرنا ، یا نبوت کا دعویٰ کرنا ، یا جو نبوت کا دعویٰ کرے اس کی تصدیق کرنا یا غیر اللہ سے دعا کرنا ، اسے ایسی بات میں مدد کے لئے پکارنا اور پناہ طلب کرنا جس پر اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی قادر نہیں وغیرہ۔

۲- عملی اِرتداد: اس کی مثال بت ، شجر و حجر ، مزار و مقابر کا سجدہ کرنا ، ان کے لئے قربانی کرنا ، گندی جگہوں پر قرآن مجید پھینکنا ، جادو گری کرنا ، اس کو سیکھنا اور سکھانا ، اللہ تعالیٰ کی نازل شدہ شریعت کے علاوہ دوسرے قوانین کے مطابق فیصلہ دینا اس کی حلت (حلال ہونے) کا عقیدہ رکھتے ہوئے وغیرہ۔

۳- اعتقادی اِرتداد: جیسے اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی اور کی شرکت کا اعتقاد یا پھر اس کا اعتقاد کہ زنا ، شراب اور سود حلال ہے ، یا پھر روٹی حرام ہے۔ یا نماز واجب نہیں ، اس طرح کی تمام وہ چیزیں جن کی حلت یا حرمت یا وجوب پر امت کا قطعی اجماع ہے اور اس سے کوئی شخص ناواقف نہیں ہے۔

۴- ارتداد بوجہ شک: کسی ایسی چیز میں شک کے ذریعہ ارتداد کرنا جس کا ذکر پیچھے گذر چکا ہے۔ جیسے شرک کی حرمت میں شک کرنا ، شراب کی حرمت میں شک کرنا یا روٹی کی حلت میں شک کرنا۔ یا رسول اللہ (ﷺ) کی رسالت یا دیگر انبیاء کرام علیہم السلام میں سے کسی کی

رسالت پر شک کرنا یا ان کی سچائی پر شک کرنا یا دینِ اسلام میں شک کرنا یا موجود دور میں اس کے قابلِ تنفیذ ہونے پر شک کرنا وغیرہ۔

۵۔ ارتداد بوجہِ ترک: جیسے کوئی جان بوجھ کر نماز ترک کرے کیونکہ نبی کریم (ﷺ) کا فرمان ہے: ''بَيْنَ الْعَبْدِ وَبَيْنَ الْكُفْرِ وَالشِّرْكِ تَرْكُ الصَّلَاةِ''[1] (بندے اور کفر و شرک کے درمیان فرق نماز کا چھوڑنا ہے) اور اس کے علاوہ تارکِ نماز کے کفر پر جو دیگر دلائل ہیں۔

ارتداد ثابت ہو جانے کے بعد اس پر مرتب ہونے والے احکام

۱۔ مرتد کو توبہ کی دعوت دی جائے گی، اگر تین دن کے اندر توبہ کر لے اور اسلام کو گلے سے لگا لے تو اس کی توبہ قابلِ قبول سمجھی جائے گی اور اسے چھوڑ دیا جائے گا۔

۲۔ اور اگر توبہ کرنے سے انکار کرے تو اس کا قتل واجب ہے۔ رسول اللہ (ﷺ) کا ارشادِ گرامی ہے: ''مَنْ بَدَّلَ دِينَهُ فَاقْتُلُوهُ''[2] (جو اپنے دین (اسلام) سے پھر جائے اسے قتل کر دو)

۳۔ توبہ کی طرف دعوت کے دوران اس کو اپنے مال پر تصرف کرنے نہیں دیا جائے گا، اگر دوبارہ اسلام قبول کر لے تو وہ مال اس کا ہی ہو گا اور بصورتِ دیگر یہ مسلمانوں کے بیت المال میں بطور مالِ فئی[3] داخل کر دیا جائے گا اور یہ اس صورت میں ہو گا جب کہ ارتداد پر ہی اس

[1] مسلم الإيمان (٨٢)، الترمذي الإيمان (٢٦٢٠)، أبو داود السنة (٤٦٧٨)، ابن ماجه إقامة الصلاة والسنة فيها (١٠٧٨)، أحمد (٣/٣٧٠)، الدارمي الصلاة (١٢٣٣).

[2] البخاري الجهاد والسير (٢٨٥٤)، الترمذي الحدود (١٤٥٨)، النسائي تحريم الدم (٤٠٦٠)، أبو داود الحدود (٤٣٥١)، ابن ماجه الحدود (٢٥٣٥)، أحمد (١/٢٨٢).

[3] مالِ فئی وہ مال جو کافروں سے بغیر جہاد و قتال کے ہی حاصل ہو جائے جبکہ جہاد و قتال سے جو حاصل ہو اسے مالِ غنیمت کہا جاتا ہے۔ (ع ط)

کی موت یا قتل ہو، بعض لوگوں کا تو کہنا ہے کہ مرتد ہوتے ہی اس کے مال و دولت کو مسلمانوں کے کام میں لگا دیا جائے گا۔

۴۔ مرتد کی وراثت ختم ہو جائے گی، یعنی نہ اس کے اقارب اس کے وارث ہوں گے اور نہ ہی وہ کسی کا وارث ہو گا۔

۵۔ ارتداد کی حالت میں مرنے یا قتل ہونے کی صورت میں اس کو غسل نہیں دلایا جائے گا، نہ ہی اس پر جنازہ کی نماز پڑھی جائے گی، مسلمانوں کے قبرستان میں دفنایا بھی نہیں جائے گا، بلکہ اسے کافروں کے قبرستان میں دفن کیا جائے گا یا پھر مسلم قبرستان کے علاوہ کسی بھی دوسری جگہ مٹی کے نیچے ڈھانپ دیا جائے گا۔

چوتھا باب

توحید کے منافی یا اسے ناقص کرنے والے اقوال واعمال

اس باب میں حسب ذیل فصلیں ہوں گی۔

پہلی فصل: ہتھیلی و پیالی وغیرہ پڑھ کر اور ستاروں کو دیکھ کر علم غیب کا دعویٰ کرنا۔

دوسری فصل: جادو، کاہن اور نجومی کا پیشہ۔

تیسری فصل: مقابر و مزارات پر نذر و نیاز اور ہدیے اور ان کی تعظیم کرنا۔

چوتھی فصل: مجسمے اور یادگار نشانیوں کی تعظیم کرنا۔

پانچویں فصل: دین کے ساتھ مذاق اور اسکے مقدسات و حرمات کی توہین۔

چھٹی فصل: اللہ کی شریعت کے علاوہ دوسرے قوانین کے مطابق فیصلہ دینا۔

ساتویں فصل: قانون سازی اور حلال و حرام ٹھہرانے کے حق کا دعویٰ۔

آٹھویں فصل: ملحدانہ تحریکوں اور جاہلی جماعتوں کی طرف انتساب کا حکم۔

نویں فصل: زندگی کے سلسلے میں مادی نقطہ نظر۔

دسویں فصل: جھاڑ پھونک و تعویذ گنڈے۔

گیارہویں فصل: غیر اللہ کی قسم، مخلوق کا وسیلہ اور اس کی دہائی۔

پہلی فصل: ہتھیلی و پیالی وغیرہ پڑھ کر اور ستاروں کو دیکھ کر علم غیب کا دعویٰ کرنا

غیب کا مفہوم

"ما غاب عن الناس من الأمور المستقبلة والماضية وما لا يرونه" (ماضی و مستقبل کی جو چیزیں لوگوں سے غائب و پوشیدہ ہوں یا آنکھوں سے اوجھل ہوں انہیں غیب کہا

جاتا ہے)، ان کا علم صرف اللہ تعالیٰ ہی کے ساتھ خاص ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿قُل لَّا يَعْلَمُ مَن فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ الْغَيْبَ إِلَّا اللَّهُ﴾ (النمل:۶۵)

(کہہ دو کہ جو لوگ آسمانوں اور زمین میں ہیں اللہ کے سوا غیب کی باتیں نہیں جانتے)

غیب کا علم صرف اللہ سبحانہ تعالیٰ کو ہے۔ پھر وہ اپنے اس غیبی علم میں سے اپنے انبیاء ورسولوں میں سے جس کو چاہتا ہے اس کو حکمت، مصلحت کی بنا پر مطلع کرتا ہے۔ آیت کریمہ ہے:

﴿عَالِمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلَىٰ غَيْبِهِ أَحَدًا - إِلَّا مَنِ ارْتَضَىٰ مِن رَّسُولٍ﴾ (الجن:۲۶،۲۷)

((وہی) غیب (کی باتیں) جاننے والا ہے اور کسی پر اپنے غیب کو ظاہر نہیں کرتا، (ہاں) جس کو پیغمبروں میں سے پسند فرمائے (تو اس کے آگے غیب کی باتیں بتا دیتا ہے))

یعنی غیبی امور پر کسی کو مطلع نہیں فرماتا سوائے اس کے جسے اللہ تعالیٰ اپنی رسالت کے لئے چن لیتا ہے، لہٰذا اس چنیدہ و برگزیدہ بندے پر وہ جتنا چاہتا ہے علم غیب میں سے ظاہر کرتا ہے، کیونکہ ایک نبی کو معجزات کے ذریعہ اپنی نبوت کی دلیل پیش کرنی پڑتی ہے اور انہی معجزات میں سے اس غیب کی خبر دینا بھی ہے جس پر اللہ تعالیٰ انہیں مطلع فرماتا ہے۔ اس چیز میں اللہ تعالیٰ کے فرستادہ فرشتے وانسان دونوں برابر کے شریک ہوتے ہیں، قرآن وحدیث کے دلائل انہی دونوں کو غیب پر مطلع کئے جانے میں محصور کرتے ہیں اور کوئی تیسری مخلوق اس میں شریک نہیں ہوتی۔

علم غیب کا دعویٰ کرنے والوں کا حکم

لہٰذا انبیاء ورسولوں کو چھوڑ کر اگر کسی کو کسی بھی وسیلہ وسبب کی بنا پر علم غیب کا دعویٰ ہے تو وہ جھوٹا و کافر ہے۔ چاہے اس کا دعویٰ ہتھیلی پڑھ کر ہو یا پیالی پڑھ کر یا پھر کہانت و جادو اور علم نجوم وغیرہ کے ذریعے۔ اس طرح کی چیزیں آج بہت سارے شعبدہ باز اور فریبی

لوگوں کی طرف سے سامنے آرہی ہیں۔ جو عموماً گمشدہ چیزوں کے بارے میں خبر دینے کی کوشش کرتے ہیں، بعض امراض کے غلط اسباب و علل بتاتے ہیں۔ عموماً جن کا کہنا ہوتا ہے ،فلاں نے تم کو کچھ کر دیا ہے لہٰذا اس کی وجہ سے تم بیمار پڑے ہو، ایسا در حقیقت جن و شیاطین کی خدمت حاصل کر کے کیا جاتا ہے۔ لیکن لوگوں کے سامنے جھوٹ فریب کا سہارا لیتے ہوئے اس کا اظہار کرتے ہیں کہ فلاں فلاں عمل کے ذریعہ یہ سب کچھ بتایا جارہا ہے۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ (رحمہ اللہ) اس سلسلہ میں فرماتے ہیں: (ہر کاہن کے پاس شیاطین میں سے ایک مؤکل ہوتا تھا جو اسے آسمان سے چرا کر بہت سی پوشیدہ چیزوں کے بارے میں بتا دیتا تھا، اس میں بھی وہ سچ کے ساتھ جھوٹ ملا کر بتاتا تھا) آگے چل کر فرماتے ہیں کہ: (انہی مؤکل شیطانوں میں سے بعض تو پھل فروٹ، ملائی، حلوے مانڈے اور کھانے وغیرہ بھی حاضر کر دیتا تھا، اور ان میں سے بعض تو اپنے مؤکل کے سہارے مکہ مکرمہ، بیت المقدس اور دیگر مقاماتِ مقدسہ تک اڑ کر چلا جاتا)[1]۔

غیب سے متعلق اس طرح کی خبر علم نجوم کے ذریعہ بھی ہوتی ہے۔ اس میں فلک کے ستاروں کو دیکھ کر زمین کے حوادث پر استدلال کیا جاتا ہے۔ جیسے ہوا چلنے کے اوقات، بارش کا وقت، قیمتوں میں اتار و چڑھاؤ وغیرہ۔ یہ وہ چیزیں ہیں جن کے بارے میں نجومیوں کا دعویٰ ہے کہ وہ ستاروں کی گردش، ان کی چال و رفتار، اجتماع و افتراق کو دیکھ کر معلوم کیا جا سکتا ہے۔ ان کا کہنا ہے جس نے فلاں ستارہ پر شادی کی تو اس کے ساتھ فلاں چیزیں پیش آئیں گے، جس نے فلاں ستارہ کے وقت سفر کیا تو اس کو فلاں فلاں امور کا سامنا ہوگا، فلاں فلاں ستارہ

---

[1] انظر مجموعة التوحيد (۷۹۷، ۸۰۱).

کے وقت جس کے ہاں پیدائش ہوئی اس کو برکت و نحوست میں سے فلاں فلاں چیزیں حاصل ہوں گی، آج کل کچھ فحش رسائل و جرائد میں اس طرح کی واہیات چیزیں ستاروں اور ستاروں سے متعلق قسمت کے بارے میں خوب چھپ رہی ہیں (جیسے آپ کا یہ ہفتہ کیسا رہے گا وغیرہ)۔

ہمارے یہاں بعض جاہل اور کمزور ایمان والے اس طرح کے نجومیوں کے پاس جاتے ہیں، ان سے اپنی زندگی کے مستقبل کے بارے میں معلوم کرتے ہیں، شادی سے متعلق بھی مستقبل کی باتیں معلوم کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

جبکہ اس سلسلہ میں شریعت کا واضح بیان ہے کہ جو کوئی بھی علم غیب کا دعویٰ کرے گا یا دعویٰ کرنے والے کی تصدیق کرے گا وہ سراسر مشرک و کافر ہوگا، کیونکہ اس طرح وہ اللہ تعالیٰ کی خاص صفت علمِ غیب میں شرکت کا دعویٰ کرتا ہے۔ ستارے اللہ تعالیٰ کے مطیع و فرمانبردار مخلوق ہیں، ان کے بس میں کچھ بھی نہیں ہے۔ وہ نیک فال و بد فال، موت و حیات، کسی چیز پر دلالت نہیں کرتے[1]، یہ سب شیاطین کی حرکتیں ہیں جو آسمان کی خبریں چرانے کی کوشش کرتے ہیں۔

---

[1] نبی اکرم (ﷺ) کے دور میں بھی آپ کے فرزند ابراہیم (رضی اللہ عنہ) کی موت کے وقت اتفاقاً سورج گرہن ہونے پر لوگوں نے یہ مشہور کر دیا کہ کسی عظیم شخصیت کی موت و حیات سے ہی ایسا ہوتا ہے۔ تو نبی کریم (ﷺ) نے اس اعتقاد کی نفی فرمائی اور فرمایا کہ یہ اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے ہیں جو وہ اپنے بندوں کو ڈرانے کے لئے دکھاتا ہے کسی کی موت و حیات کا اس سے کوئی تعلق نہیں۔ (بخاری) شیخ محمد بن عبدالوہاب (رحمہ اللہ) نے اپنی "کتاب التوحید" میں ستاروں کی منازل سے بد و نیک شگونی اور علمِ نجوم کے ابواب قائم کئے ہیں اور فرماتے ہیں: "امام بخاری (رحمہ اللہ) اپنی صحیح میں فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ کا سورۂ ملک میں فرمان (بیشک ہم نے آسمانِ دنیا کو چراغوں سے زینت والا بنا دیا) کی تفسیر میں قتادہ (رحمہ اللہ) فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان ستاروں کو تین اغراض کے لئے پیدا فرمایا ہے (جو قرآن کریم سے ثابت ہیں) آسمان کی زینت، شیطان کو مارنا

(جاری ہے۔۔۔)

پہلی فصل

جادو، کاہن اور نجومی کا پیشہ

یہ سارے اعمال و امور حرام اور شیطان کے ایجاد کردہ ہیں۔ جو عقیدہ میں خلل ڈالتے ہیں یا اس میں نقص پیدا کرتے ہیں، کیونکہ یہ چیزیں بغیر شرکیہ اعمال کے حاصل نہیں ہوتیں۔

سحر (جادو) کی تعریف اور اس کا حکم

جادو کی تعریف: "عبارةٌ عما خفی ولَطُفَ سببُہُ" (ایک سفلی عمل ہے جس کے اسباب بہت ہی پوشیدہ و باریک ہوتے ہیں) اسے سحر اس لئے کہا جاتا ہے کہ یہ سفلی اعمال سے وجود

اور راستے معلوم کرنے کی علامت۔ جس نے ان تین اغراض کے علاوہ کچھ اور سمجھا تو اس نے زبردست غلطی کی اور اپنا آخرت کا حصہ بھی کھو دیا اور ایسی بات کا تکلف کیا جس کا اسے کوئی علم نہیں) اسی طرح فرمایا (ابو موسیٰ اشعری (رضی اللہ عنہ) سے صحیح مسلم میں روایت ہے کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا: "میری امت میں جاہلیت کی چار باتیں ایسی ہیں جنہیں وہ کبھی بھی نہیں چھوڑیں گے۔ ۱۔ اپنے حسب ونسب پر فخر، ۲۔ دوسروں کے نسب پر طعنہ زنی، ۳۔ ستاروں سے بارش کا اعتقاد رکھنا اور ۴۔ نوحہ خوانی۔۔۔) اسی طرح سے بخاری ومسلم میں زید بن خالد الجہنی (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ ایک رات بارش ہوئی تو صبح نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ بعض میرے بندوں نے ایمان کی حالت میں اور بعض نے کفر کی حالت میں صبح کی، جس نے یہ کہا کہ ہمیں اللہ تعالیٰ کے فضل ورحمت سے بارش دی گئی ہے تو اس نے مجھ پر ایمان لایا اور ستاروں کے تصرف سے کفر کیا، اور جس نے یوں کہا کہ فلاں فلاں ستاروں کے تصرف (نقل وحرکت) سے بارش دی گئی تو اس نے میرے ساتھ کفر کیا اور ستاروں پر ایمان لایا)۔ (طاع)

میں آتا ہے۔ جسے ہماری آنکھیں نہیں دیکھ سکتیں۔ سحر میں منتر، جھاڑ پھونک، کچھ کلمات، جڑی بوٹیاں، دھونی وغیرہ سب شامل ہوتے ہیں۔ سحر کے وجود میں کوئی شک نہیں، بعض سحر دلوں میں اثر کرتا ہے اور بعض جسموں میں، جس کے اثر سے آدمی بیمار بھی پڑ جاتا ہے، اور بعض مر بھی جاتے ہیں، اس سے انسان اور اس کی بیوی کے مابین تفریق بھی کر دی جاتی ہے۔ سحر کا اثر اللہ تعالیٰ کی تقدیری وکائناتی اجازت سے ہے۔ یہ سراسر شیطانی عمل ہے۔ اکثر لوگ تو سحر اس وقت تک سیکھ ہی نہیں سکتے جب تک شرک اور ارواحِ خبیثہ کی من پسند چیز کے ذریعہ سے ان کا تقرب حاصل نہ کرلیں، پھر ان ارواح خبیثہ کے من پسند شرکیہ اعمال بجالا کر ان کی خدمت حاصل کرتے ہیں۔ اسی لئے شریعت نے شرک کے ساتھ ہی اس کا تذکرہ کیا ہے۔ رسول اللہ (ﷺ) کا ارشاد گرامی ہے: ''اِجْتَنِبُوا السَّبْعَ الْمُوبِقَاتِ. قِيلَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ وَمَا هُنَّ؟ قَالَ: الشِّرْكُ بِاللّٰهِ وَالسِّحْرُ...''[1] (سات مہلک چیزوں سے بچو، کہا گیا یا رسول اللہ ﷺ یہ سات چیزیں کیا ہیں؟ تو آپ (ﷺ) نے فرمایا: اللہ کے ساتھ کسی کو شریک کرنا اور سحر۔۔۔) سحر دو اعتبار سے شرک میں داخل ہے۔

اول: اس میں شیاطین کی خدمت حاصل کی جاتی ہے۔ شیاطین سے تعلق قائم کیا جاتا ہے۔ شیاطین کی خدمت میں ان کی محبوب و مرغوب چیزیں پیش کی جاتی ہیں۔ تاکہ وہ جادوگر کی خدمت میں لگا رہے۔ جادو شیاطین کی تعلیمات میں سے ہے۔ ارشاد باری ہے:

﴿وَلَٰكِنَّ الشَّيَاطِينَ كَفَرُوا يُعَلِّمُونَ النَّاسَ السِّحْرَ﴾ (البقرۃ: ۱۰۲)

((سلیمان (علیہ السلام) نے کفر نہیں کیا تھا) بلکہ شیطان ہی کفر کرتے تھے، لوگوں کو جادو

[1] البخاري الوصايا (۲۶۱۵)، مسلم الإيمان (۸۹)، النسائي الوصايا (۳۶۷۱)، أبو داود الوصايا (۲۸۷۴).

سکھاتے تھے)

دوم: اس کے شرک ہونے کی دوسری دلیل یہ ہے کہ اس میں علم غیب کا دعویٰ کیا جاتا ہے اور اس میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک کار ہونے کا بھی دعویٰ ہوتا ہے۔ جو سراسر کفر وضلالت ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلَقَدْ عَلِمُوا لَمَنِ اشْتَرَاهُ مَا لَهُ فِي الْآخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ﴾ (البقرۃ: ۱۰۲)

(اور وہ جانتے تھے کہ جو شخص ایسی چیزوں (یعنی سحر اور منتر وغیرہ) کا خریدار ہوگا اس کا آخرت میں کچھ حصہ نہیں)

جب معاملہ ایسا ہے تو اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ سراسر کفر و شرک ہے جو عقیدہ کے خلاف ہے۔ ایسی حرکتوں کے ارتکاب کرنے والے کا قتل واجب ہے۔ جیسے اکابر صحابہ (رضی اللہ عنہم) کی ایک جماعت نے جادوگروں کو قتل کیا ہے۔ آجکل لوگ جادو اور جادوگروں کے معاملہ میں سستی اور ڈھیل برتنے لگے ہیں، بلکہ اسے اب ایسا فن شمار کر لیا گیا ہے جس پر لوگ فخر کرتے ہیں اور اصحابِ فن کی ہمت افزائی کے لئے انہیں بڑے بڑے انعامات دیئے جاتے ہیں اور جادوگروں کے اعزاز میں محفلیں جمتی ہیں۔ ہزاروں شائقین کو دعوت دے کر ان کی جادوگری دکھائی جاتی ہے ان کے مابین مقابلے کرائے جاتے ہیں۔ یہ ساری حرکتیں دین سے ناواقفیت اور عقیدہ کے معاملہ میں غفلت ولاپرواہی کا نتیجہ ہیں، جس سے ان شعبدہ بازوں جیسے فضول اور گھٹیا لوگوں کو سر پر چڑھنے کا موقع ملتا ہے۔

کاہن ونجومی کا پیشہ

ان دونوں میں علم غیب اور غیبی امور سے واقفیت کا دعویٰ کیا جاتا ہے، جیسے آئندہ زمین میں کیا ہونے والا ہے پھر اس کا کیا نتیجہ نکلے گا۔ گمشدہ چیز کہاں ہے وغیرہ، ان سب امور

میں شیاطین کی خدمت حاصل کی جاتی ہے، خاص طور پر ان شیاطین کی جو آسمانوں سے خبریں چراتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿هَلْ أُنَبِّئُكُمْ عَلَىٰ مَن تَنَزَّلُ الشَّيَاطِينُ - تَنَزَّلُ عَلَىٰ كُلِّ أَفَّاكٍ أَثِيمٍ يُلْقُونَ السَّمْعَ وَأَكْثَرُهُمْ كَاذِبُونَ﴾ (الشعراء: ۲۲۱-۲۲۳)

((اچھا) میں تمہیں بتاؤں کہ شیطان کس پر اترتے ہیں، ہر جھوٹے گنہگار پر اترتے ہیں، جو سنی ہوئی بات (اس کے کان میں) ڈالتے ہیں اور وہ اکثر جھوٹے ہیں)

(صحیح حدیث کے مطابق) یہ سب کچھ اس طرح ہوتا ہے کہ شیطان فرشتوں کی باتوں میں سے کچھ چوری چھپے سن لیتا ہے اور کاہن کے کان میں ڈال دیتا ہے۔ پھر کاہن اس بات میں اپنی طرف سے سو جھوٹ ملا کر بیان کرتا ہے۔ پھر لوگ اس ایک سچ بات کی وجہ سے اس کی ساری جھوٹی باتوں کو سچ مان لیتے ہیں۔ جب کہ علمِ غیب کی معرفت صرف اللہ تعالیٰ ہی کو ہے۔ لہٰذا کوئی اگر دعویٰ کرتا ہے کہ کہانت یا دیگر ذرائع سے وہ اس علم میں اللہ تعالیٰ کا شریک ہے یا ایسا کہنے والے کی تصدیق کرتا ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کی مخصوص صفت میں شریکِ کار کا اقرار کرتا ہے۔ لہٰذا کہانت شرک سے خالی نہیں کیونکہ اس میں شیاطین کا ان کی محبوب چیزیں پیش کر کے تقرب حاصل کیا جاتا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی ربوبیت میں شرک ہے کیونکہ اس میں اللہ تعالیٰ کے علم میں مشارکت و شرکت کا دعویٰ کیا جاتا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی الوہیت میں بھی شرک ہے اس لئے کہ اس میں عبادت کے ذریعہ غیر اللہ کا تقرب حاصل کیا جاتا ہے۔ ابو ہریرہ (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ نبی اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "مَنْ أَتَى كَاهِنًا فَصَدَّقَهُ بِمَا

یَقُولُ، فَقَدْ كَفَرَ بِمَا أُنْزِلَ عَلَى مُحَمَّدٍ"[1] (جو شخص کسی کاہن کے پاس آتا ہے اور اس کی تصدیق کرتا ہے تو دراصل اس نے محمد (ﷺ) پر نازل کردہ شریعت سے کفر کیا)

آج اس طرف توجہ دینے اور لوگوں کو متوجہ کرنے کی ضرورت ہے۔ جادوگر، کاہن (عامل) اور عراف و نجومی (علم جفر کے دعویدار) سب کے سب آج ہمارے عقیدہ سے کھیل رہے ہیں۔ جو اپنے آپ کو اطباء (معالج) کی حیثیت سے پیش کرتے ہیں۔ اور مریض کو غیر اللہ کے لئے نذر و نیاز اور قربانی کا حکم دیتے ہیں۔ مثلاً فلاں فلاں صفت کا بکرا یا یا مرغا ذبح کیجئے یا پھر مریضوں کے لئے شرکیہ طلاسم، اور شیطانی تعویذ لکھتے ہیں۔ پھر اس کو تختیوں میں محفوظ کر کے مریضوں کی گردنوں میں لٹکاتے ہیں یا گھر کے صندوق میں رکھواتے ہیں۔

اسی طرح بعض تو غیب کی خبر دینے والے اور گمشدہ چیزوں کا پتہ بتانے والے کی حیثیت سے اپنے آپ کو ظاہر کرتے ہیں۔ پھر جاہل و گنوار لوگ اس کے پاس آتے ہیں اور گمشدہ چیزوں سے متعلق انہیں سے پوچھتے ہیں، تو یہ انہیں ان کی خبر دیتے ہیں یا اپنے شیطانی مؤکّلوں کے ذریعہ حاضر کر دیتے ہیں۔ اسی طرح بعض حضرات صاحب کشف و کرامات ولی بن کر نمودار ہوتے ہیں جن کی خارقِ عادات کرامتیں ہوتی ہیں اور بعض شعبدہ بازوں کے روپ میں آتے ہیں مثلاً آگ میں کود جاتے ہیں مگر وہ ان پر اثر نہیں کرتی اور نہ ہی جسم کے اندر سلاخیں پیوست کرنے سے انہیں کچھ ہوتا ہے۔ کبھی کبھی یہ اپنے آپ کو گاڑی کے ٹائر تلے ڈال دیتے ہیں اور وہ ان پر سے گزر جاتی ہے مگر انہیں کچھ نہیں ہوتا اس کے علاوہ بہت طرح کی شعبدہ بازیاں دکھاتے ہیں جو دراصل جادو اور شیطانی اعمال ہوتے ہیں جو ان کے ہاتھوں ظہور

[1] الترمذي الطهارة (١٣٥) ، أبو داود الطب (٣٩٠٤) ، ابن ماجه الطهارة وسننها (٦٣٩) ، أحمد (٢/٤٢٩)
الدارمي الطهارة (١١٣٦).

پذیر ہوتے ہیں تاکہ لوگ فتنہ و فساد میں مبتلا ہوں، یا پھر یہ سب خیالی اعمال ہیں جس کی کوئی حقیقت نہیں، بلکہ یہ خفیہ حیلے اور ایسی نظر بندی ہے جو مہارت کے ساتھ لوگوں کو دکھائی جاتی ہے، جیسے فرعون کے جادوگروں نے لاٹھی اور رسی کے جادو دکھائے تھے۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ (رحمہ اللہ) نے کچھ بطائحی احمدی رفاعی جادوگروں کے ساتھ مناظرہ میں فرمایا تھا: (شیخ بطائحی رفاعی نے بلند آواز میں کہا: ہمارے ایسے ایسے احوال و کوائف ہیں پھر خارقِ عادات چیزوں مثلاً آگ وغیرہ کا اثر انداز نہ ہونا اور اسے اپنی خصوصیت باور کراتے ہوئے کہا: ان چیزوں کی بناء پر ہمارے ان احوال کو تسلیم کیا جانا چاہیے) اس پر شیخ الاسلام ابن تیمیہ (رحمہ اللہ) نے بلند آواز میں اور غصہ ہو کر شیخ رفاعی سے فرمایا: (میں دنیا کے مشرق و مغرب کے ہر احمدی سے کہنا چاہوں گا کہ انہوں نے آگ میں جو کچھ کیا بعینہ اسی چیز کو میں بھی کر سکتا ہوں۔ اور اس میں جو جل جائے گا اس کو شکست کھانی پڑے گی، یا پھر میں نے کہا تھا کہ اس پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو اور یہ اس وقت ہو گا جب ہمارے جسم سرکہ اور گرم پانی سے دھو دیئے جائیں گے۔ یہ سن کر امرائے سلطنت اور عام لوگوں نے ہم سے پوچھا کہ کیا بات ہے؟ تو میں نے کہا ان لوگوں کے کچھ حیلے بہانے ہیں جن کے ذریعہ یہ آگ میں گھس جاتے ہیں مثلاً مینڈک کا تیل، ناریل کا چھلکا، اور طلق پتھر وغیرہ سے کچھ تیار کر کے جسم میں مل لیتے ہیں، یہ سن کر لوگوں نے شور مچایا اس پر اس شخص نے آگ میں گھسنے کی اپنی قدرت کا اظہار کیا اور کہا کہ ہم اور آپ کمبرے میں لپیٹ دیئے جائیں اور ہمارے جسموں کو کبریت سلائی سے مل دیا جائے میں نے کہا: چلو ٹھیک ہے، پھر بار بار میں تقاضہ کرتا رہا اس پر اس نے اپنا ہاتھ بڑھایا تاکہ قمیص نکالے، میں نے کہا اب بھی نہیں یہاں تک کہ ہم گرم پانی اور سرکہ سے نہالیں پھر انہوں نے اپنی عادت کے مطابق اپنے وہم کا اظہار کیا اور کہا: جو امیر کو چاہتا ہے وہ لکڑی حاضر کرے، یا لکڑی کا گٹھا حاضر کرے، اس پر میں نے کہا: لکڑی لاتے لاتے دیر ہو جائے گی، لوگ منتشر ہو جائیں گے اس سے اچھا ہے کہ ایک قندیل جلا دی جائے پھر میں بھی اور تم بھی دونوں اسی میں اپنی اپنی انگلیاں ڈالیں گے اور یہ عمل انگلیوں کو دھونے کے بعد

ہو گا، اس پر جس کی انگلی جلے گی اللہ تعالیٰ کی اس پر لعنت ہو گی یا وہ مغلوب ہو گا، جب میں نے یہ بات کہی تو اس کے چہرے کا رنگ بدل گیا اور وہ ذلیل وخوار ہوا)[1]۔

یہ قصہ بیان کرنے کا مقصد یہ تھا کہ اس طرح کے فریب کار اس طرح کے مکر و فریب اور خفیہ حیلوں سے عام لوگوں کو بے وقوف بناتے ہیں جیسے بالوں سے گاڑی کو کھینچنا، یا اس کے ٹائر تلے اپنے آپ کو ڈال دینا، یا اپنی آنکھوں میں سلاخ پیوست کرنا وغیرہ جیسے شیطانی کرتب دکھانا۔

تیسری فصل

مقابر ومزارات پر نذر ونیاز اور ہدیے اور ان کی تعظیم

رسول اللہ (ﷺ) نے شرک کے سارے راستے بند فرما دیے ہیں اور شرک اور شرکیہ اعمال سے بڑی تاکید کے ساتھ مسلمانوں کو باخبر کر دیا ہے۔ اس سلسلہ کا پہلا دروازہ مقابر ہیں، لہٰذا قبر پر جانے اور وہاں دعاء کرنے کے ایسے ضابطے بنا دیئے ہیں کہ آدمی شرک سے محفوظ ہو جائے، اسی طرح اولیاء وصالحین کی محبت وعقیدت میں غلو سے امت کو باخبر فرما دیا ہے۔

۱۔ اولیاء وصالحین کی عقیدت میں غلو سے خبردار کیا گیا کیونکہ ان کی عقیدت میں غلو ہوتے ہوتے ان کی عبادت ہونے لگتی ہے، ارشاد نبوی ہے: "إِيَّاكُمْ وَالْغُلُوَّ: فَإِنَّمَا أَهْلَكَ مَنْ كَانَ

[1] مجموع الفتاوی: (۱۱/۴۴۵-۴۴۶)۔

قَبْلَكُمُ الْغُلُوُّ"[1] (غلو سے بچو اس لئے کہ تم سے پہلے جو ہلاک ہوئے وہ دین میں غلو کرنے کی وجہ سے ہی ہلاک و برباد ہوئے ہیں) ایک اور جگہ ارشاد ہے: "لَا تُطْرُونِي كَمَا أَطْرَتِ النَّصَارَى ابْنَ مَرْيَمَ. إِنَّمَا أَنَا عَبْدُهُ فَقُولُوا: عَبْدُ اللهِ وَرَسُولُهُ"[2] (میری تعریف میں غلو و مبالغہ نہ کرو، جیسے کہ نصاری نے ابن مریم (علیہ السلام) کے لئے کیا اس لئے کہ میں اللہ کا بندہ ہی ہوں لہذا مجھے اللہ کا بندہ اور اس کا رسول سے پکارو)

۲۔ رسول اللہ ﷺ نے قبروں کو پختہ بنانے سے منع فرمایا ہے جیسے کہ سیدنا ابو الہیاج الاسدی (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے۔ آپ کہتے ہیں کہ سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے مجھ سے کہا: "أَلَا أَبْعَثُكَ عَلَى مَا بَعَثَنِي عَلَيْهِ رَسُولُ اللهِ۔صلى الله عليه وسلم۔ أَنْ لَا تَدَعَ تِمْثَالاً إِلَّا طَمَسْتَهُ وَلَا قَبْرًا مُشْرِفًا إِلَّا سَوَّيْتَهُ"[3] (کیا تمہیں میں اس مہم کے لئے نہ بھیجوں جس مہم کو سر کرنے کے لئے مجھے رسول اللہ (ﷺ) نے بھیجا تھا، وہ یہ کہ جہاں کہیں کوئی مجسمہ نظر آئے اسے توڑ ڈالو اور جہاں بھی اونچی قبر دیکھو اس کو برابر کر دو)۔

اسی طرح رسول اللہ (ﷺ) نے قبروں کو پختہ بنانے اور اس پر تعمیر کرنے سے سختی کے ساتھ روکا ہے۔ سیدنا جابر (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے انکا کہنا ہے کہ "نَهَى رَسُولُ اللهِ۔ صلى الله عليه وسلم ۔ عَنْ تَجْصِيصِ الْقَبْرِ، وَأَنْ يُقْعَدَ عَلَيْهِ، وَأَنْ يُبْنَى عَلَيْهِ بِنَاءٌ"[4]

[1] سنن النسائي مناسك الحج (٣٠٥٧)، سنن ابن ماجه المناسك (٣٠٢٩)، أحمد (١/٣٤٧)

[2] صحيح البخاري أحاديث الأنبياء (٣٢٦١)

[3] مسلم الجنائز (٩٦٩)، الترمذي الجنائز (١٠٤٩)، النسائي الجنائز (٢٠٣١)، أبو داود الجنائز (٣٢١٨)، أحمد (١/٩٦)

[4] مسلم الجنائز (٩٧٠)، الترمذي الجنائز (١٠٥٢)، النسائي الجنائز (٢٠٢٧)، أبو داود الجنائز (٣٢٢٥)، أحمد (٣/٣٣٩)

(رسول اللہ (ﷺ) نے قبر کو پختہ بنانے اور اس پر بیٹھنے یا اس پر چھت تعمیر کرنے سے منع فرمایا ہے)۔

۳۔ قبروں کے پاس نماز پڑھنے سے بھی رسول اللہ (ﷺ) نے منع فرمایا ہے، سیدہ عائشہ (رضی اللہ عنہا) فرماتی ہیں: رسول اللہ (ﷺ) جب مرض الوفات میں مبتلا ہوئے تو آپ برابر اپنی چادر منہ پر ڈالتے رہے، جب اس سے تکلیف محسوس کرتے تو کھول دیتے، اس حالت میں آپ نے فرمایا: ''لَعْنَةُ اللهِ عَلَى الْيَهُودِ وَالنَّصَارَى اتَّخَذُوا قُبُورَ أَنْبِيَائِهِمْ مَسَاجِدَ، يُحَذِّرُ مَا صَنَعُوا وَلَوْلَا ذَلِكَ، أُبْرِزَ قَبْرُهُ، غَيْرَ أَنَّهُ خَشِيَ أَنْ يُتَّخَذَ مَسْجِدًا''[1] (یہود و نصاریٰ پر اللہ کی لعنت ہو کہ انہوں نے اپنے انبیاء کی قبروں کو مسجد بنالیا، آپ (ﷺ) اپنی امت کو بھی ایسا کرنے سے خبردار فرمارہے تھے، اور اگر ایسا نہ ہوتا تو آپ (ﷺ) کی قبر کو نمایاں کیا جاتا، لیکن (چونکہ) آپ (ﷺ) کو خدشہ تھا کہ لوگ اسے مسجد نہ بنالیں (اس لئے ایسا نہیں کیا گیا))۔ نیز فرمایا: ''أَلَا وَإِنَّ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ كَانُوا يَتَّخِذُونَ قُبُورَ أَنْبِيَائِهِمْ مَسَاجِدَ، أَلَا فَلَا تَتَّخِذُوا الْقُبُورَ مَسَاجِدَ، فَإِنِّي أَنْهَاكُمْ عَنْ ذَلِكَ''[2] (اچھی طرح سن لو کہ تم سے پہلے کی قومیں اپنے انبیاء کی قبروں کو مسجد بنالیتی تھیں۔ خبردار قبروں کو سجدہ گاہ نہ بنانا۔ میں تمہیں اس چیز سے روک رہا ہوں)

قبروں کو مسجد بنانے کا صاف مطلب ہے قبروں پر نماز پڑھنا چاہے اس پر مسجد نہ ہو، لہٰذا ہر وہ جگہ جسے نماز کے لئے مخصوص کیا جائے گی، وہ مسجد ہو جائے گی، رسول اللہ

[1] البخاري الصلاة (٤٢٥)، مسلم المساجد ومواضع الصلاة (٥٣١)، النسائي المساجد (٧٠٣)، أحمد (٢٤٣/٦)، الدارمي الصلاة (١٣٠٣).

[2] مسلم المساجد ومواضع الصلاة (٥٣٢)

(ﷺ) نے فرمایا: "جُعِلَتْ لِيَ الْأَرْضُ مَسْجِدًا وَطَهُورًا"[1] (پوری زمین میرے لئے سجدہ گاہ اور پاکیزہ بنادی گئی ہے) لہٰذا اگر اس پر مسجد بن جائے تو یہ اور بری بات ہے۔

اکثر لوگوں نے ان احکامات کی مخالفت کی ہے، اور رسول اللہ ﷺ نے جن چیزوں سے روکا ہے ان کا ارتکاب کیا ہے، اس طرح وہ شرکِ اکبر و اعمالِ شرکیہ میں مبتلا ہو گئے ہیں۔ قبروں پر مساجد، مزارات و مقامات بنا لیتے ہیں، اور ان پر شرک اکبر کے اعمال ہو رہے ہیں۔ نذر و نیاز ہو رہی ہے، اصحابِ قبر سے منت و مناجات دعاء، استغاثہ سب کچھ ہو رہا ہے۔

علامہ ابن القیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: (اگر کوئی شخص مقابر سے متعلق رسول اللہ ﷺ کی سنت اور لوگوں کے موجودہ[2] اعمال کے مابین جمع کرنے کی کوشش کرے تو اسے جمع بین الضدین کا احساس ہوگا۔ وہ دو ایسی چیزوں کا جمع کرنے والا ہوگا جو کبھی جمع نہیں ہو سکتیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مزار کے پاس نماز پڑھنے سے منع فرمایا ہے۔ لیکن یہ لوگ وہاں ضرور نماز پڑھتے ہیں انہیں مسجد بنانے سے روکا ہے لیکن یہ ضرور مسجد بناتے ہیں اور انہیں مشاہد و یادگار کا نام دیتے ہیں، تاکہ انہیں اللہ تعالی کے گھر کا مد مقابل بنادیں، قبروں پر چراغ جلانے سے روکا ہے، لیکن یہ لوگ ضرور قبرستان میں چراغاں کرتے ہیں بلکہ قبر پر چراغاں کرنے کے لئے جائداد تک وقف کر دیتے ہیں قبرستان یا قبر سے متعلق جشن منانے سے سختی کے ساتھ روکا گیا ہے، لیکن یہ حضرات ٹھیک عید و بقر عید کی

[1] البخاري التيمم (٣٢٨)، مسلم المساجد ومواضع الصلاة (٥٢١)، النسائي الغسل والتيمم (٤٣٢)، المساجد (٧٣٦)، أحمد (٣/٣٠٤)، الدارمي الصلاة (١٣٨٩).

[2] یہ حافظ ابن القیم (رحمہ اللہ) کے دور تقریباً ۷۰۰ھ کی بات ہے، اور اب تو حالت اس سے بھی کئی گنا بدتر ہو چکی ہے۔

طرح مقابر و مزارات میں عید و جشن اور عرس مناتے ہیں۔ اور قبروں کو برابر کرنے کا حکم ہے، جیسا کہ سیدنا ابو الہیاج الاسدی (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے ان کا کہنا ہے کہ سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے مجھ سے فرمایا: ''أَلاَ أَبْعَثُكَ عَلَى مَا بَعَثَنِي عَلَيْهِ رَسُولُ اللّٰهِ ۔صلی اللہ علیہ وسلم۔ أَنْ لاَ تَدَعَ تِمْثَالاً إِلاَّ طَمَسْتَهُ وَلاَ قَبْرًا مُشْرِفًا إِلاَّ سَوَّيْتَهُ''[1] (کیا میں تم کو اس مہم کے لئے نہ بھیجوں جس مہم پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے بھیجا تھا، وہ یہ کہ جہاں کہیں بھی کوئی تصویر دیکھو مٹا دو اور جہاں کہیں کوئی اونچی قبر دیکھو اس کو برابر کر دو)۔

صحیح مسلم میں ایک اور روایت سیدنا ثمامہ بن شفی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ کہتے ہیں:

''كُنَّا مَعَ فَضَالَةَ بْنِ عُبَيْدٍ بِأَرْضِ الرُّومِ بِرُودِسَ، فَتُوُفِّيَ صَاحِبٌ لَنَا، فَأَمَرَ فَضَالَةُ بْنُ عُبَيْدٍ بِقَبْرِهِ فَسُوِّيَ، ثُمَّ قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ يَأْمُرُ بِتَسْوِيَتِهَا'' (ہم فضالہ بن عبید کے ساتھ سرزمین روم میں بردوس نامی جگہ پر تھے کہ ہم میں سے ایک کا انتقال ہو گیا، اس کے دفن کے وقت سیدنا فضالہ نے اس کی قبر کو برابر کر دینے کا حکم دیا، پھر کہا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبر کو برابر کر دینے کا حکم دیا)

جب کہ قبر پرست لوگ ان دونوں حدیثوں کی مخالفت پر تلے ہوئے ہیں، اور اس قدر مبالغہ کیا کہ گھر کی طرح قبروں کو اونچی کرنے ان پر قبہ بنانے لگے)۔ پھر علامہ ابن قیم نے آگے فرمایا: (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت اور قبروں سے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اوامر و نواہی اور آج کے قبر پرست حضرات کی من گھڑت شریعت کو دیکھو تو دونوں کے مابین کتنا فرق نظر آئے گا، اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ وہ مفاسد ہیں جن کا شمار مشکل ہے)۔ پھر آپ

[1] تخریج گزر چکی ہے۔

نے ان مفاسد کا قدرے تفصیلی تذکرہ کیا ہے۔ یہاں تک کہ آخر میں فرمایا: (زیارتِ قبور کے وقت رسول اللہ ﷺ نے جو باتیں مشروع فرمائی ہیں وہ صرف آخرت کی یاد اور صاحبِ قبر کے لئے دعاء کے ذریعہ اس کے ساتھ نیکی کا معاملہ کیا جائے۔ اس کے لئے اللہ سے رحمت کی درخواست کی جائے۔ اس کے لئے استغفار کی جائے اور عافیت کی دعاء کی جائے، ان باتوں کی وجہ سے زیارت کرنے والا اپنے لئے بھی بھلائی کرتا ہے اور میت کے لئے بھی۔ لیکن قبر پرست مشرکوں نے معاملہ کو بالکل پلٹ دیا دین کو سرے سے بدل دیا، زیارت کا اصلی مقصد شرک کو بنالیا۔ لہٰذا میت سے اور میت کے واسطہ سے دعاء کی جاتی ہے۔ اسی کے توسل سے اپنی ضروریات مانگی جاتی ہیں۔ ان سے تبرک کیا جاتا ہے۔ دشمنوں پر نصرت کی دعاء کی جاتی ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔ نعوذ باللہ من کل ذلک۔ ان سب حرکات کی وجہ سے یہ لوگ اپنے آپ اور میت کو فائدہ پہنچانے کے بجائے الٹے نقصان پہنچا رہے ہیں۔ اس میں اگر کچھ بھی نہ ہو پھر بھی شریعتِ اسلامیہ کی برکت سے محرومی تو ہو ہی جاتی ہے)[1]۔

ان سب سے یہ حقیقت کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ مقابر و مزارات پر نذر و نیاز چڑھانا، قربانی کرنا شرک اکبر ہے۔ جس کا اصل سبب قبر سے متعلق رسول اللہ ﷺ کی شریعت اور عمل کی مخالفت ہے، آپ ﷺ نے قبروں پر تعمیر سے منع فرمایا ہے، ان پر مسجد بنانے سے روکا ہے اس لئے کہ جب ان پر قبے بنائے جائیں گے اور پھر ان کے اطراف میں مساجد و مزارات تعمیر کئے جائیں گے تو اسے دیکھ کر جاہل لوگ سمجھیں گے کہ اہلِ قبور نفع اور نقصان پہنچاتے ہیں اور جو ان سے مدد چاہتے وہ ان کی مدد کرتے ہیں، جو ان کے پاس جاتے ہیں وہ ان کی ضرورت پوری کرتے ہیں۔ یہ سوچ کر یہ جاہل لوگ خوب نذر و نیاز پیش کرتے ہیں

[1] إغاثة اللهفان (۲۱۷،۲۱۵،۲۱۴/۱)۔

جن کی وجہ سے یہ قبریں آج بت کی شکل اختیار کر چکی ہیں اور اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر انہی کی عبادت کی جا رہی ہے۔ جب کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا: "اللّٰهُمَّ لَا تَجْعَلْ قَبْرِي وَثَنًا يُعْبَدُ"[1] (اے اللہ! میری قبر کو وثن (بت/مزار) نہ بنانا کہ جس کی عبادت کی جائے) رسول اللہ ﷺ نے یہ اس لئے فرمایا تھا کہ بہت سے قبروں کا ایسا حال ہونے والا تھا۔ آج عالمِ اسلام کا جو حال ہے وہ کسی سے پوشیدہ نہیں لیکن رسول اللہ ﷺ نے جو دعاء کی تھی اس کی برکت سے آپ ﷺ کے روضۂ اطہر کو اللہ تعالیٰ نے شرک کے شائبہ سے بچا رکھا ہے، اگرچہ آج بھی بعض جہلاء و اہلِ خرافات مسجد نبوی میں آپ ﷺ کی ہدایات کی مخالفت کر ڈالتے ہیں لیکن روضۂ اطہر تک پہنچنے پر قادر نہیں، اس لئے کہ آپ ﷺ کا روضۂ اطہر آپ کے گھر میں ہے، وہ مسجد میں نہیں ہے اس کے چاروں طرف دیواریں چن دی گئی ہیں۔ جیسے کہ علامہ ابن قیم رحمہ اللہ نے اپنے قصیدے "نونية" میں فرمایا:

فأجاب ربُّ العالمين دعاءه ۞ وأحاطه بثلاثة الجدران

(رب العالمین نے آپ کی دعاء قبول کر لی اور اس کو تین دیواروں سے گھیر دیا ہے)

چوتھی فصل

مجسمے اور یادگار نشانیوں کی تعظیم کا حکم

تماثیل، تمثال کی جمع ہے جس کے معنی مجسمہ کے ہیں اس سے مراد انسانی یا حیوانی یا

[1] موطا امام مالک النداء للصلاة (۴۱۶).

دیگر (ذی روح) جاندار کی شکل کا مجسمہ ہے۔ اور نصب، نصبة کی جمع ہے جس کے معنی نشانی، جھنڈا اور پتھر کے ہیں، مشرکین عرب ان نشانیوں کے پاس قربانی کیا کرتے تھے، یادگار نشانیوں سے مراد وہ انسانی مجسمے ہیں جو مختلف میدانوں اور سڑکوں کے کنارے کسی لیڈر و عظیم شخص کی یادگار میں نصب کئے جاتے ہیں۔

رسول اللہ ﷺ نے جاندار کی تصویر بنانے سے منع فرمایا ہے۔ خاص طور پر معزز اشخاص کی جیسے علمائے کرام، شاہانِ عظام، زاہدانِ باصفا، روسائے مملکت و زعمائے اصلاح وغیرہم، چاہے یہ تصویر کسی تختی، کاغذ، دیوار یا کپڑے پر ہاتھ سے بنائی گئی ہو یا پھر آج کل کے کیمرے کی یا کسی چیز پر کندہ کی گئی ہو یا مجسمہ کی شکل میں بنائی گئی ہو۔ ہر صورت میں یہ حرام ہے اسی طرح آپ ﷺ نے دیوار وغیرہ پر تصویر لٹکانے، کسی جگہ مجسمہ قائم کرنے یا یادگار نشانی رکھنے سے منع فرمایا ہے۔ اس لئے کہ یہ شرک کا ذریعہ بنتا ہے، پہلا شرک جو اس سرزمین میں واقع ہوا ہے وہ تصویر اور مجسمہ نصب کرنے کی وجہ سے ہوا ہے وہ اس طرح کہ: "كَانَ فِي قَوْمِ نُوحٍ رِجَالٌ صَالِحُونَ فَلَمَّا مَاتُوا حَزِنَ عَلَيْهِمْ قَوْمُهُمْ فَأَوْحَى إِلَيْهِمُ الشَّيْطَانُ أَنِ انْصِبُوا إِلَى مَجَالِسِهِمُ الَّتِي كَانُوا يَجْلِسُونَ فِيهَا أَنْصَابًا وَسَمُّوهَا بِأَسْمَائِهِمْ، فَفَعَلُوا فَلَمْ تُعْبَدْ حَتَّى إِذَا هَلَكَ أُولَئِكَ، وَنُسِيَ الْعِلْمُ عُبِدَتْ"[1] (نوح علیہ السلام کی قوم میں کچھ نیک لوگ تھے جب ان کا انتقال ہوا تو لوگوں کو بڑا غم ہوا۔ لہٰذا شیطان نے ان کے دل میں یہ بات ڈال دی کہ وہ جہاں بیٹھا کرتے تھے وہاں ان کے مجسمے نصب کر دو اور انہیں ان کے نام سے موسوم کر دو۔ لہٰذا انہوں نے ایسا ہی کیا، لیکن ان مجسموں کی اس وقت عبادت نہیں کی گئی تھی۔ یہاں تک جب وہ نسل ختم ہو گئی اور علم جاتا رہا تو ان کی عبادت شروع ہو گئی) پھر جب اللہ تعالی نے سیدنا نوح

[1] البخاري تفسير القرآن (٣٦٣٦).

علیہ السلام کو بھیجا اور انہوں نے لوگوں کو ان مجسموں کی وجہ سے اٹھنے والے شرک سے روکا تو لوگوں نے ان کی دعوت قبول کرنے سے انکار کر دیا، اور انہی نصب کردہ مجسموں کی عبادت پہ مصر رہے جو بعد میں بت بن گئے۔ آیت کریمہ ہے:

﴿وَقَالُوا لَا تَذَرُنَّ آلِهَتَكُمْ وَلَا تَذَرُنَّ وَدًّا وَلَا سُوَاعًا وَلَا يَغُوثَ وَيَعُوقَ وَنَسْرًا﴾ (نوح: ۲۳)

(اور کہنے لگے اپنے معبودوں کو ہرگز نہ چھوڑنا ود اور سواع اور یغوث اور یعوق اور نسر کو کبھی ترک نہ کرنا)

یہ ان لوگوں کے نام ہیں جن کے مجسمے بنائے گئے تھے، تاکہ ان کی یادگار باقی رہے اور لوگوں کے دلوں میں ان کی عظمت قائم رہے۔ ہمیں عبرت کی نگاہ سے دیکھنا چاہیئے کہ آخر کار ان مجسموں کو نصب کرنے کا انجام کیا ہوا؟ لوگ شرک اکبر میں مبتلا ہو گئے، اللہ تعالیٰ کی انبیاء ورسولوں کی نافرمانی وعناد کیا، جس کے سبب وہ طوفان سے ہلاک ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ اور خلق اللہ کے نزدیک معتوب ومغضوب ہوئے[1]، اس نتیجہ سے تصویر کھنچوانے اور مجسمے نصب کرنے کی کی خطرناکی کو معلوم کیا جا سکتا ہے۔ اسی لئے (صحیح احادیث کے مطابق) نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تصویر کھینچنے والوں یا بنانے والوں پر لعنت بھیجی ہے، اور یہ خبر دی ہے کہ یہ لوگ قیامت کے دن سب سے زیادہ دردناک عذاب میں مبتلا ہوں گے۔ لہٰذا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تصویروں کو مٹانے کا حکم دیا اور یہ خبر دی کہ فرشتے اس گھر میں داخل نہیں ہوتے جس میں تصویر ہوتی ہے اور یہ

---

1 قوم ابراہیم (علیہ السلام) کا شرک تماثیل کی عبادت اور ان پر معتکف رہنا تھا، بنی اسرائیل کا شرک اس بچھڑے کی مورت کی عبادت تھی جو ان کے لئے سامری نے سونے سے تیار کیا تھا اور نصاریٰ کا شرک صلیب کی عبادت کرنا ہے جو ان کے زعم میں مسیح (علیہ السلام) کی صورت میں ہے۔

سب کچھ تصویر کی خطرناکی اور اس کے فتنہ وفساد اور امت مسلمہ کے عقیدہ میں اس سے بگاڑ پیدا ہونے کی وجہ سے ہے، اس طرح کے مجسمے چاہیں پارک میں نصب کئے جائیں یا سڑک پر یا عام میدانوں میں یہ ہر حال میں شریعت کے نزدیک حرام ہیں۔ اس لئے کہ یہ شرک اور عقیدہ کے فساد کی بنیاد ہے۔

اگر آج کفار اس طرح کی حرکتیں کر رہے ہیں تو اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کے پاس کوئی عقیدہ ہی نہیں کہ جس کی حفاظت کی انہیں پرواہ ہو، لیکن ہم مسلمانوں کو ان کے ان مشرکانہ اعمال کی نقل نہیں کرنا چاہیے اس لئے کہ ہمارے پاس عقیدہ وایمان ہے جو ہماری قوت وسعادت کا سرچشمہ ہے۔ یہ نہیں کہا جائے گا کہ لوگ اس مرحلہ سے گزر چکے ہیں اور توحید وشرک کو اچھی طرح سے سمجھ چکے ہیں، نہیں، بلکہ شیطان آنے والی نسلوں پر نظر رکھتا ہے کہ جب ان میں جہالت پھیل جائے، جیسا کہ اس نے قومِ نوح (علیہ السلام) کے ساتھ کیا تھا کہ جب ان کے علماء کرام فوت ہو گئے اور ان میں جہالت افشاں ہو گئی، کیونکہ جو زندہ ہیں وہ فتنہ سے محفوظ نہیں [1]، اسی لئے ابراہیم (علیہ السلام) نے یہ دعاء فرمائی:

﴿وَاجْنُبْنِي وَبَنِيَّ أَنْ نَعْبُدَ الْأَصْنَامَ﴾ (ابراہیم: ۳۵)

(مجھے اور میری اولاد کو بتوں کی عبادت سے ایک جانب کر دے)

پس آپ (علیہ السلام) اپنے نفس کے فتنے میں پڑ جانے سے بے خوف نہ تھے، بعض سلف کا قول

[1] اسی تعلق سے عبداللہ بن مسعود (رضی اللہ عنہ) کا مشہور قول بھی ہے کہ "مَنْ كَانَ مُسْتَنًّا فَلْيَسْتَنَّ بِمَنْ قَدْ مَاتَ، فَإِنَّ الْحَيَّ لَا تُؤْمَنُ عَلَيْهِ الْفِتْنَةُ" (جسے پیروی کرنی ہے تو وہ ان کی پیروی کرے جو فوت ہو چکے ہیں (یعنی سلف) کیونکہ جو زندہ ہیں وہ فتنے سے محفوظ نہیں)۔ (تخریج مشکوۃ المصابیح للالبانی ۱۹۱) (ط ع)

ہے کہ: ”ومن یأمن البلاء بعد إبراھیم؟“ (ابراہیم (علیہ السلام) کے بعد اور کون ہے جو آزمائش وفتنے سے بے خوف ہو سکتا ہے)

پانچویں فصل

دین کے ساتھ مذاق اور اس کے مقدسات وحرمات کی توہین کا حکم

دین کے ساتھ مذاق واستہزا کرنے کا حکم

دین کے ساتھ مذاق واستہزا کرنے والا مسلمان مرتد ہو جاتا ہے، اور دائرۂ اسلام سے کلیتہً نکل جاتا ہے، ارشاد باری تعالی ہے:

﴿ قُلْ أَبِاللّٰهِ وَآيَاتِهِ وَرَسُولِهِ كُنتُمْ تَسْتَهْزِئُونَ لَا تَعْتَذِرُوا قَدْ كَفَرْتُم بَعْدَ إِيمَانِكُمْ ﴾ (التوبة: ٦٥، ٦٦)

(کہو کیا تم اللہ اور اس کی آیتوں اور اس کے رسول سے ہنسی کرتے تھے، بہانے مت بناؤ تم ایمان لانے کے بعد کافر ہو چکے ہو)

اس آیت کریمہ سے صاف واضح ہے کہ اللہ تعالی کے ساتھ مذاق کفر ہے، رسول اللہ ﷺ کے ساتھ مذاق کفر ہے۔ اللہ تعالی کی آیتوں اور نشانیوں کے ساتھ مذاق کفر ہے۔ جو شخص بھی ان امور میں سے کسی ایک کے ساتھ مذاق کرے گا وہ مذکورہ بالا تمام امور کے ساتھ مذاق کرنے والا شمار کیا جائے گا۔ ان منافقوں نے بھی یہی کیا تھا کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام کا مذاق اڑایا تھا، جس کی وجہ سے یہ آیت کریمہ اتری۔ اس لئے کہ ان امور کے ساتھ مذاق ایک دوسرے کے ساتھ لازم وملزوم ہے۔ لہٰذا جو لوگ توحید باری تعالی کو

مذاق بناتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے علاوہ دیگر فوت شدگان کے پکارنے کو عظمت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں، پھر جب توحید کا حکم دیا جاتا ہے اور شرک سے روکا جاتا ہے تو اس کا مذاق اڑاتے ہیں، اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے:

﴿وَإِذَا رَأَوْكَ إِن يَتَّخِذُونَكَ إِلَّا هُزُوًا أَهَٰذَا الَّذِي بَعَثَ اللَّهُ رَسُولًا إِن كَادَ لَيُضِلُّنَا عَنْ آلِهَتِنَا لَوْلَا أَن صَبَرْنَا عَلَيْهَا﴾ (الفرقان: ۴۱، ۴۲)

(اور یہ لوگ جب تم کو دیکھتے ہیں تو تمہاری ہنسی اڑاتے ہیں، کیا یہی شخص ہے جس کو اللہ نے پیغمبر بنا کر بھیجا ہے، اگر ہم اپنے معبودوں کے بارے میں ثابت قدم نہ رہتے تو یہ ضرور ان سے ہم کو بہکا دیتا (اور ان سے پھیر دیتا))

لہذا رسول اللہ ﷺ نے جب انہیں شرک سے منع فرمایا تو وہ رسول اللہ ﷺ کا مذاق اڑانے لگے۔ اس زمانہ سے لے کر آج تک مشرکین برابر انبیائے کرام (اور ان کے پیروکاروں) کی عیب جوئی کرتے رہتے ہیں۔ انہیں بے وقوف، گمراہ، پاگل کے القاب سے نوازتے رہتے ہیں اور یہ صرف اس لئے کہ وہ انہیں توحید کی دعوت دیتے ہیں، دراصل ان کے دلوں میں شرک کی عظمت بیٹھی ہوئی ہے۔ اسی طرح آپ ان لوگوں میں جو مشرکین سے قریب ہیں یہی چیز پائیں گے، انہیں بھی جب توحید کی دعوت دی جاتی ہے تو اس کے ساتھ مذاق کرنے لگتے ہیں اس لئے کہ ان کے دل میں بھی عظمتِ شرک گھر کر چکی ہوتی ہے۔ ارشاد باری ہے:

﴿وَمِنَ النَّاسِ مَن يَتَّخِذُ مِن دُونِ اللَّهِ أَندَادًا يُحِبُّونَهُمْ كَحُبِّ اللَّهِ﴾ (البقرۃ: ۱۶۵)

(اور بعض لوگ ایسے ہیں جو غیر اللہ کو (اللہ تعالیٰ کا) شریک بناتے اور ان سے اللہ کی سی محبت کرتے ہیں)

لہذا اگر کوئی شخص اللہ کے بجائے کسی مخلوق کو اسی طرح چاہنے لگے جس طرح اللہ

کو چاہا جاتا ہے تو وہ مشرک ہے اللہ کے واسطے محبت، اور اللہ کے ساتھ محبت میں ہمیں فرق کرنا ہو گا۔ لہٰذا جن لوگوں نے مقابر و مزارات کو بت بنالیا ہے آپ انہیں دیکھیں گے کہ وہ توحیدِ باری تعالیٰ اور اس کی عبادت کا مذاق اڑاتے ہیں، اور جن غیر اللہ کو اپنے لئے سفارشی بنا رکھا ہے ان کی بے حد تعظیم کرتے ہیں۔ ان میں سے ہر ایک اللہ کے نام جھوٹی قسم کھا سکتا ہے، لیکن اس کی جرأت نہیں کر سکتا کہ اپنے شیخ کے نام کی جھوٹی قسم کھالے، ان میں سے بہتوں کے اندر یہ عقیدہ بیٹھا ہوا ہے کہ شیخ سے مدد چاہنا، چاہے وہ اس کی قبر کے پاس یا کسی دوسری جگہ پر، مسجد میں رات کے آخری پہر میں اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا مانگنے سے زیادہ مفید و کار آمد ہے۔ اسی عقیدہ کی وجہ سے توحید کی طرف جھکنے والوں کا یہ مذاق اڑاتے ہیں۔ ان میں سے بہت سے تو ایسے ہیں جو مسجدوں کو گراتے ہیں اور درگاہوں کی تعمیر کرتے ہیں ان کو آباد کرتے ہیں یہ سب کچھ صرف اس لئے کہ اللہ تعالیٰ اس کی نشانیوں اور اس کے رسول کا مذاق اڑایا جائے اور شرک کی تعظیم کی جائے[1]۔

آج جتنے بھی قبر پرست ہیں سب کے سب اس میں مبتلا ہیں۔

دین کے ساتھ مذاق کی اقسام

مذاق واستہزا کی دو قسمیں ہیں:

۱- مذاق صریح: (کھلا ہوا مذاق)

یہ ایسے مذاق کرنے والے ہیں جن کے سلسلہ میں آیتِ کریمہ نازل ہو چکی ہے۔

مثلاً انکا کہنا ہے کہ ہم نے اپنے ان علماء کی طرح خوش خوراک، جھوٹے اور جنگ کے وقت بزدل نہیں دیکھے یا اسی طرح کے دیگر جملے جو مذاق کرنے والے عموماً دہرایا کرتے ہیں، اسی

---

[1] مجموع الفتاوی (۴۸/۱۵، ۴۹)

طرح بعض کا کہنا کہ یہ تمہارا دین پانچواں دین ہے یا کسی کا کہنا کہ تمہارا دین جھوٹا دین ہے۔

اسی طرح جب نیکی کا حکم دینے والے اور برائیوں سے روکنے والے ان کے پاس آتے ہیں تو وہ بطور مذاق کہتے ہیں: لو یہ دیندار لوگ آگئے۔ اس طرح کے بہت سے طریقے ہیں جن کا شمار کرنا نہایت کٹھن ہے اور جو ان کے مذاق سے بھی بڑھ کر ہیں کہ جن کے مذاق پر آیت کریمہ نازل ہوئی۔

۲- غیر صریح مذاق: (یعنی کنایہ و اشارہ کا مذاق)

یہ وہ سمندر ہے جس کا کوئی کنارہ نہیں، جیسے آنکھ کا اشارہ، زبان کا نکالنا، ہونٹ کا پھیلانا، تلاوت کلام پاک یا سنت نبوی کے پڑھنے یا امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے وقت ہاتھ کا دبانا وغیرہ[1]۔ اسی طرح کے مذاق میں یہ کلمات بھی داخل ہیں اسلام بیسویں صدی کے لئے موزوں نہیں۔ یہ تو قرونِ وسطیٰ کے لئے صحیح تھا۔ اسلام تخلف و رجعت پسندی کی علامت ہے۔ حدود سزا کے معاملہ میں اس کے اندر بہت ہی زیادہ سختی، سنگ دلی و بربریت ہے، اسلام نے عورتوں پر ظلم کیا ہے، اس کے حقوق ادا نہیں کئے ہیں جیسا کہ اس نے طلاق کو جائز قرار دیا ہے تعددِ زوجات (متعدد بیوی رکھنے) کو جائز قرار دیا۔ اسی طرح ان کا یہ کہنا کہ آج کا انسانی قانون لوگوں کے لئے اسلامی قانون سے بہتر ہے۔ اسی طرح جو لوگ توحید کی طرف بلاتے ہیں، قبر پرستی سے روکتے ہیں ان کے بارے میں یہ کہنا کہ یہ انتہا پسند ہیں یا مسلمانوں میں تفریق پیدا کرنا چاہتے ہیں یا پھر یہ وہابی ہیں، یا یہ پانچویں مذہب کے پیروکار ہیں۔ اسی طرح کے ہزاروں اقوال ہیں جو سب کے سب دین اور اہلِ دین اور عقیدۂ صحیحہ کے ساتھ مذاق و استہزا ہے۔ لاحول ولا قوۃ الا باللہ

[1] مجموعة التوحيد النجدية صفحة ۴۰۹.

اسی طرح کسی سنت کو مضبوطی کے ساتھ پکڑنے والے کو بھی مذاق کا نشانہ بنایا جاتا ہے، جس میں وہ کہتے ہیں بال میں دین نہیں ہے، یعنی داڑھی کے ساتھ مذاق کے طور پر یہ کہا جاتا ہے، اور اس جیسے دوسرے بیہودہ الفاظ نعوذ باللہ من ذلک۔

چھٹی فصل

اللہ کی شریعت کے علاوہ دوسرے قوانین کے مطابق فیصلہ دینا

اللہ تعالیٰ پر ایمان اور اس کی عبادت کا تقاضا ہے کہ ہم اس کے احکامات کے سامنے سر تسلیم خم کر دیں۔ اس کی نازل کردہ شریعت سے خوش و راضی ہوں، اور اقوال و افعال، اصول و فروع، لڑائی جھگڑے، اموال و انفس کے معاملات اور دیگر تمام حقوق میں اختلاف کے وقت ہم صرف کتاب اللہ و سنت رسول اللہ ﷺ کی طرف رجوع کریں اللہ تعالیٰ ہی حاکم اعلیٰ ہے اور فیصلہ کے وقت اسی کی طرف رجوع کرنا چاہیے۔ لہٰذا حکام و شاہان مملکت کو بھی چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں جو حکم نازل فرمایا ہے اور رسول اللہ ﷺ نے اپنی سنت میں جو کچھ فرمایا ہے اسی کے مطابق فیصلہ کریں[1]۔ حکمران طبقہ کے لئے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

[1] مندرجہ ذیل آیات کے علاوہ فرمایا:

﴿وَأَنِ احْكُم بَيْنَهُم بِمَا أَنزَلَ اللَّهُ وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَاءَهُمْ وَاحْذَرْهُمْ أَن يَفْتِنُوكَ عَن بَعْضِ مَا أَنزَلَ اللَّهُ إِلَيْكَ فَإِن تَوَلَّوْا فَاعْلَمْ أَنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ أَن يُصِيبَهُم بِبَعْضِ ذُنُوبِهِمْ وَإِنَّ كَثِيرًا مِّنَ النَّاسِ لَفَاسِقُونَ﴾ (المائدۃ: ۴۹)

(آپ ان کے معاملات میں اللہ کی نازل کردہ وحی کے مطابق ہی حکم کیا کیجئے، ان کی خواہشوں کی تابعداری نہ کیجئے اور ان سے ہوشیار رہیے کہ کہیں یہ آپ کو اللہ کے اتارے ہوئے کسی حکم سے ادھر ادھر نہ کریں، اگر یہ

(جاری ہے۔۔۔)

﴿إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تُؤَدُّوا الْأَمَانَاتِ إِلَىٰ أَهْلِهَا وَإِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ أَنْ تَحْكُمُوا بِالْعَدْلِ﴾ (النساء:۵۸)

(اللہ تم کو حکم دیتا ہے کہ امانت والوں کی امانتیں ان کے حوالے کر دیا کرو، اور جب لوگوں میں فیصلہ کرنے لگو تو انصاف سے فیصلہ کیا کرو)

رعیت کے حق میں فرمایا:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ إِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ذَٰلِكَ خَيْرٌ وَأَحْسَنُ تَأْوِيلًا﴾ (النساء:۵۹)

(مومنو! اللہ اور اس کے رسول کی فرمانبرداری کرو اور جو تم میں سے صاحبِ حکومت ہیں ان کی بھی اور اگر کسی بات میں تم میں اختلاف واقع ہو تو اگر اللہ اور روزِ آخرت پر ایمان رکھتے ہو تو اس میں اللہ اور اس کے رسول کے حکم کی طرف رجوع کرو یہ بہت اچھی بات ہے اور اس کا انجام بھی اچھا ہے)

پھر واضح فرمادیا کہ ایمان اور شریعت کو چھوڑ کر دوسرے قوانین کے مطابق فیصلہ کروانا ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اور منہ پھیر لیں تو یقین کریں کہ اللہ کا ارادہ یہی ہے کہ انہیں ان کے بعض گناہوں کی سزا دے ہی ڈالے اور اکثر لوگ نافرمان ہی ہوتے ہیں)

﴿إِنَّا أَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ بِمَا أَرَاكَ اللَّهُ وَلَا تَكُنْ لِلْخَائِنِينَ خَصِيمًا﴾ (النساء: ۱۰۵)

(یقیناً ہم نے تمہاری طرف حق کے ساتھ اپنی کتاب نازل فرمائی تاکہ تم لوگوں میں اس چیز کے مطابق فیصلہ کرو جس سے اللہ تعالیٰ نے تم کو شناسا کیا ہے اور خیانت کرنے والوں کے حمایتی نہ بنو)۔ (ط ع)

﴿ أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ يَزْعُمُونَ أَنَّهُمْ آمَنُوا بِمَا أُنزِلَ إِلَيْكَ وَمَا أُنزِلَ مِن قَبْلِكَ يُرِيدُونَ أَن يَتَحَاكَمُوا إِلَى الطَّاغُوتِ وَقَدْ أُمِرُوا أَن يَكْفُرُوا بِهِ وَيُرِيدُ الشَّيْطَانُ أَن يُضِلَّهُمْ ضَلَالًا بَعِيدًا ﴾ (النساء: ۶۰)

(کیا تم نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جو دعویٰ تو یہ کرتے ہیں کہ جو (کتاب) تم پر نازل ہوئی اور جو (کتابیں) تم سے پہلے نازل ہوئیں ان سب پر ایمان رکھتے ہیں، اور چاہتے ہیں کہ اپنا مقدمہ ایک طاغوت (سرکش) کے پاس لے جا کر فیصلہ کرائیں حالانکہ ان کو حکم دیا گیا تھا کہ اس سے اعتقاد نہ رکھیں، اور شیطان (تو یہ) چاہتا ہے کہ ان کو بہکا کر رستے سے دور ڈال دے)

سے لے کر اس آیت تک فرمایا:

﴿ فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّىٰ يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِي أَنفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا ﴾ (النساء: ۶۵)

(تمہارے رب کی قسم یہ لوگ جب تک اپنے تنازعات میں تمہیں منصف نہ بنائیں اور جو فیصلہ تم کر دو اس سے اپنے دل میں تنگ نہ ہوں بلکہ اس کو خوشی سے مان لیں تب تک مومن نہیں ہو سکتے)

یہاں پر اللہ تعالیٰ نے بہت ہی سختی کے ساتھ ان لوگوں کے ایمان کی نفی کر دی ہے ایسی نفی جسے قسم کے ساتھ مزید تاکید کی کر دیا گیا ہے جو رسول اللہ (ﷺ) کی جانب اپنا فیصلہ نہیں لے جاتے اور ان کے حکم سے ناراض ہو کر اس کے سامنے سر تسلیم خم نہیں کرتے۔ اسی طرح سے ان حکمرانوں کو کفر ظلم اور فسق سے متصف کیا ہے جو اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ شریعت کے مطابق حکومت نہیں کرتے، اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ وَمَن لَّمْ يَحْكُم بِمَا أَنزَلَ اللَّهُ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْكَافِرُونَ ﴾ (المائدۃ: ۴۴)

(اور جو اللہ کے نازل فرمائے ہوئے احکام کے مطابق حکم نہ دے تو ایسے ہی لوگ کافر ہیں)

﴿ وَمَن لَّمْ يَحْكُم بِمَا أَنزَلَ اللَّهُ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ ﴾ (المائدۃ: ۴۵)

(اور جو اللہ کے نازل فرمائے ہوئے احکام کے مطابق حکم نہ دے تو ایسے ہی لوگ ظالم ہیں)

﴿وَمَن لَّمْ يَحْكُم بِمَا أَنزَلَ اللَّهُ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ﴾ (المائدۃ:۴۷)

(اور جو اللہ کے نازل کئے ہوئے احکام کے مطابق حکم نہ دے گا تو ایسے ہی لوگ فاسق ہیں)

اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ شریعت کے مطابق حکومت کرنا اور اسی کے مطابق فیصلہ کرنا اور تمام نزاعات واختلافات میں اسی کو حکم بنانا فرض وضروری ہے[1]۔ علماء کے مابین

[1] سابقہ تمام امتوں کو بھی یہی حکم تھا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی نازل کی ہوئی کتاب کے مطابق حکم کریں، جیسے فرمایا:

﴿إِنَّا أَنزَلْنَا التَّوْرَاةَ فِيهَا هُدًى وَنُورٌ ۚ يَحْكُمُ بِهَا النَّبِيُّونَ الَّذِينَ أَسْلَمُوا لِلَّذِينَ هَادُوا وَالرَّبَّانِيُّونَ وَالْأَحْبَارُ بِمَا اسْتُحْفِظُوا مِن كِتَابِ اللَّهِ وَكَانُوا عَلَيْهِ شُهَدَاءَ ۚ فَلَا تَخْشَوُا النَّاسَ وَاخْشَوْنِ وَلَا تَشْتَرُوا بِآيَاتِي ثَمَنًا قَلِيلًا ۚ وَمَن لَّمْ يَحْكُم بِمَا أَنزَلَ اللَّهُ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْكَافِرُونَ﴾ (المائدۃ: ۴۴)

(ہم نے تورات نازل فرمائی ہے جس میں ہدایت ونور ہے، یہودیوں میں اسی تورات کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے ماننے والے انبیاء (علیہم السلام) اور اہل اللہ اور علماء فیصلے کرتے تھے کیونکہ انہیں اللہ تعالیٰ کی اس کتاب کی حفاظت کا حکم دیا گیا تھا۔ اور وہ اس پر اقراری گواہ تھے اب تمہیں چاہیے کہ لوگوں سے نہ ڈرو اور صرف میرا ڈر رکھو، میری آیتوں کو تھوڑے مول پر نہ بیچو، جو لوگ اللہ کی اتاری ہوئی وحی کے ساتھ فیصلے نہ کریں وہ کافر ہیں)

﴿وَلْيَحْكُمْ أَهْلُ الْإِنجِيلِ بِمَا أَنزَلَ اللَّهُ فِيهِ ۚ وَمَن لَّمْ يَحْكُم بِمَا أَنزَلَ اللَّهُ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ﴾ (المائدۃ: ۴۷)

(اور اہل انجیل کو چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے جو کچھ انجیل میں نازل فرمایا ہے اسی کے مطابق حکم کریں اور جو اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ سے ہی حکم نہ کریں وہ فاسق ہیں)

﴿قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لَسْتُمْ عَلَىٰ شَيْءٍ حَتَّىٰ تُقِيمُوا التَّوْرَاةَ وَالْإِنجِيلَ وَمَا أُنزِلَ إِلَيْكُم مِّن رَّبِّكُمْ ۗ وَلَيَزِيدَنَّ كَثِيرًا مِّنْهُم مَّا أُنزِلَ إِلَيْكَ مِن رَّبِّكَ طُغْيَانًا وَكُفْرًا ۖ فَلَا تَأْسَ عَلَى الْقَوْمِ الْكَافِرِينَ﴾ (المائدۃ: ۶۸)

(آپ کہہ دیجئے کہ اے اہل کتاب! تم دراصل کسی چیز پر نہیں جب تک کہ تورات وانجیل کو اور جو کچھ تمہاری طرف تمہارے رب کی طرف سے اتارا گیا ہے قائم نہ کرو، جو کچھ آپ کی جانب آپ کے رب کی

(جاری ہے۔۔۔)

اجتہادی اختلافات میں بھی اس کی طرف رجوع کرنا واجب ہے۔ اجتہادی مسائل میں سے جو قرآن و سنت کے مواقف ہوں وہی قبول کئے جا سکتے ہیں، اس سلسلہ میں کسی طرح کا تعصب اور کسی امام یا مذہب کی طرفداری قابل قبول نہ ہوگی۔ اسی طرح پرسنل لاء، (شخصی قوانین) ہی میں نہیں جیسا کہ بعض اسلامی ممالک میں رائج ہے بلکہ تمام حقوق، مسائل و مشکلات اور مقدمات میں اسی کے مطابق فیصلہ کرنا ہوگا کیونکہ اسلام ایک ایسی مکمل اکائی ہے جس کو الگ الگ نہیں کیا جا سکتا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے،

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا ادْخُلُوا فِي السِّلْمِ كَافَّةً﴾ (البقرة:٢١٠)

(مومنو! اسلام میں پورے پورے داخل ہو جاؤ)

ایک اور جگہ ارشاد ہے:

﴿أَفَتُؤْمِنُونَ بِبَعْضِ الْكِتَابِ وَتَكْفُرُونَ بِبَعْضٍ﴾ (البقرة:٨٥)

(کیا (بات ہے کہ) تم کتاب (اللہ) کے بعض احکام تو مانتے ہو اور بعض سے انکار کئے دیتے ہو)

اسی طرح تمام مذاہب اور موجودہ مناہج و جماعتوں کے متبعین پر ضروری ہے کہ اپنے ائمہ اور لیڈروں کے اقوال کو کتاب و سنت کی کسوٹی پر رکھ کر پرکھیں، جو کتاب و سنت کے موافق ہوں انہیں لے لیں اور جو کتاب و سنت کے مخالف ہوں انہیں بلا کسی تعصب و طرفداری کے رد کر دیں، خاص طور پر عقیدہ کی چیزوں میں، اس لئے کہ خود ائمہ کرام نے اس کی

طرف سے اترا ہے وہ ان میں سے بہتوں کو شرارت اور انکار میں ہی اور بھی بڑھائے گا، تو آپ ان کافروں پہ غمگیں نہ ہوں)۔ (طع)

وصیت کی ہے، اور تمام مذاہب کے ائمہ نے یہی کہا ہے۔ لہٰذا آج جو ان کی مخالفت کرے گا وہ ان کا پیروکار نہیں ہو سکتا چاہے اس کی نسبت ان کی طرف کیوں نہ ہو۔ ایسے لوگوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿ اتَّخَذُوا أَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ أَرْبَابًا مِّن دُونِ اللَّهِ وَالْمَسِيحَ ابْنَ مَرْيَمَ ﴾ (التوبۃ:۳۱)

(انہوں نے اپنے علماء اور مشائخ اور مسیح ابن مریم کو اللہ کے سوا اپنا رب بنالیا)

یہ آیت کریمہ صرف نصاریٰ کے ساتھ مخصوص نہیں ہے بلکہ ہر اس شخص (فرد و جماعت) پر صادق آتی ہے جو نصاریٰ جیسے عمل کا مرتکب ہوتا ہے۔ لہٰذا جو شخص بھی اللہ تعالیٰ اور اس کے آخری رسول ﷺ کے حکم کی نافرمانی کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی شریعت کے علاوہ حکم کرے گا یا پھر خواہشات نفس پر عمل کرتے ہوئے اسے طلب کرے گا تو وہ اسلام و ایمان کا پٹہ اپنی گردن سے اتار پھینکنے والا ہو گا، اگرچہ اس کو یہ گمان ہو کہ وہ مومن ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ایسے کرنے والے کارد فرمایا ہے اور ان کے ایمان دار ہونے کے اس گمان کو جھٹلایا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ يَزْعُمُونَ أَنَّهُمْ آمَنُوا بِمَا أُنزِلَ إِلَيْكَ وَمَا أُنزِلَ مِن قَبْلِكَ يُرِيدُونَ أَن يَتَحَاكَمُوا إِلَى الطَّاغُوتِ وَقَدْ أُمِرُوا أَن يَكْفُرُوا بِهِ وَيُرِيدُ الشَّيْطَانُ أَن يُضِلَّهُمْ ضَلَالًا بَعِيدًا ﴾ (النساء: ۶۰)

(کیا تم نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جو دعویٰ تو یہ کرتے ہیں کہ جو (کتاب) تم پر نازل ہوئی اور جو (کتابیں) تم سے پہلے نازل ہوئیں ان سب پر ایمان رکھتے ہیں اور چاہتے یہ ہیں کہ اپنا مقدمہ ایک طاغوت (سرکش) کے پاس لے جا کر فیصلہ کرائیں حالانکہ ان کو حکم دیا گیا تھا کہ اس سے اعتقاد نہ رکھیں اور شیطان (تو یہ) چاہتا ہے کہ ان کو بہکا کر رستے سے دور ڈال دے)

آیت کریمہ میں جو لفظ ﴿يَزْعُمُونَ﴾ استعمال ہوا اس سے پتہ چلتا ہے کہ ان کے ایمان کی نفی کی جارہی ہے، کیونکہ یہ لفظ غالباً اس دعویٰ کے لئے استعمال ہوتا ہے جس کا کرنے والا اس کے موجبات کو ادا نہ کرکے اور اس کے منافی امور پر عمل کرکے اپنے اس دعویٰ میں جھوٹا ہوتا ہے۔ اس حقیقت کا اظہار آیت کے اس حصے سے ہوتا ہے۔ ارشاد باری ہے:

﴿وَقَدْ أُمِرُوا أَن يَكْفُرُوا بِهِ﴾ (النساء: ٦٠)

(حالانکہ انہیں حکم دیا گیا کہ اس کا انکار و کفر کریں)

کیونکہ طاغوت کو جھٹلانا اور اس کا کفر کرنا توحید کا ایک رکن ہے، جیسا کہ سورۂ بقرہ کی آیت کریمہ میں ہے:

﴿فَمَن يَكْفُرْ بِالطَّاغُوتِ وَيُؤْمِن بِاللَّهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقَىٰ﴾ (البقرة: ٢٥٦)

(توجو شخص طاغوت کا انکار کرے اور اللہ پر ایمان لائے اس نے مضبوط کڑا تھام لیا ہے)

اگر بندۂ مومن کے اندر یہ رکن توحید نہیں تو پھر وہ موحد نہیں۔ جبکہ توحید ہی ایمان کی بنیاد ہے جس کے وجود سے سارے اعمال درست ہوتے ہیں اور جس کی عدم موجودگی سے تمام اعمال خراب و فاسد ہوجاتے ہیں، مندرجہ ذیل ارشاد باری تعالیٰ سے یہ بات واضح ہے:

﴿فَمَن يَكْفُرْ بِالطَّاغُوتِ وَيُؤْمِن بِاللَّهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقَىٰ﴾ (البقرة: ٢٥٦)

(توجو شخص طاغوت کا انکار کرے اور اللہ پر ایمان لائے اس نے مضبوط کڑا تھام لیا ہے)

شریعتِ الٰہی کے علاوہ کسی دوسرے قانون کے مطابق فیصلہ کروانے سے جب ایمان کی نفی ہوجاتی ہے اس سے یہ بات خود بخود سمجھ لینی چاہیئے کہ شریعت الٰہی کو حکم بنانا، اس کے فیصلہ کو ماننا، ایمان، عقیدہ اور اللہ تعالیٰ کی عبادت ہے، اس پر عمل کرنا ہر مسلم پر ضروری ہے اسی طرح یہ بات بھی سمجھ لینی چاہیئے کہ شریعت کے حکم کو صرف اس لئے ماننا کہ یہ

لوگوں کے فائدہ میں ہے یا اس میں کوئی مصلحت یا امن وسلامتی کی ضمانت ہے سراسر غلط ہے، کیونکہ بعض لوگ صرف اس پہلو پر توجہ مرکوز رکھتے ہیں، اور اس پہلی جانب (عبادت کے پہلو) کو بھول جاتے ہیں[1]۔ اللہ تعالیٰ نے خود ایسے لوگوں کی نکیر فرمائی ہے جو اپنی ذاتی مصلحت یا فائدہ کے لئے شریعت کی پناہ لیتے ہیں اور اس کی عبادت وقربت کے پہلو کو نظرانداز کردیتے ہیں۔ ارشاد باری ہے:

﴿ وَإِذَا دُعُوا إِلَى اللَّهِ وَرَسُولِهِ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ إِذَا فَرِيقٌ مِّنْهُم مُّعْرِضُونَ وَإِن يَكُن لَّهُمُ الْحَقُّ يَأْتُوا إِلَيْهِ مُذْعِنِينَ ﴾ (النور: ۴۸،۴۹)

(اور جب ان کو اللہ اور اس کے رسول کی طرف بلایا جاتا ہے تاکہ (رسول اللہ) ان کا قضیہ چکا دیں تو ان میں سے ایک فرقہ منہ پھیر لیتا ہے اور اگر (معاملہ) انہی کے حق میں جاتا ہو تو ان کی طرف مطیع ہو کر چلے آتے ہیں)

اس طرح کے لوگ انہی چیزوں کا اہتمام کرتے ہیں جنہیں وہ چاہتے ہیں اور جو ان کی خواہشات کے خلاف پڑتا ہے، اس سے اعراض کرتے ہیں، اس لئے کہ یہ رسول اللہ ﷺ کے پاس اپنا فیصلہ ومسئلہ لے جانے کو اللہ تعالیٰ کی عبادت نہیں سمجھتے ہیں۔

غیر شرعی فیصلہ دینے والے کا حکم

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

[1] یہی وجہ ہے کہ بہت سے دنیا پرست لوگ بھی اسلام پسند یا انقلابی جماعتوں کی شانہ بہ شانہ ہوتے ہیں اور خود ان اسلامی سیاسی جماعتوں کی حالت بھی کچھ ایسی ہی ہوتی ہے، کیونکہ اگر یہ اسلام کے نفاذ میں مخلص ہوتے تو سب سے پہلی اور بنیادی چیز توحید کو چھوڑ کر شرک وقبر پرستی میں مبتلا نہ ہوتے اور اہل توحید کے درپے آزار نہ ہوتے۔ (ط ح)

﴿ وَمَن لَّمْ يَحْكُم بِمَا أَنزَلَ اللَّهُ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْكَافِرُونَ ﴾ (المائدۃ: ۴۴)

(اور جو اللہ کے نازل فرمائے ہوئے احکام کے مطابق حکم نہ دے تو ایسے ہی لوگ کافر ہیں)

اس آیتِ کریمہ میں بیان کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ شریعت کے علاوہ حکم کرنا کفر ہے، لیکن یہ کفر کبھی تو کفرِ اکبر ہوتا ہے، جس سے انسان دائرۂ اسلام سے نکل جاتا ہے، اور کبھی کفرِ اصغر ہوتا ہے جس سے انسان دائرۂ اسلام سے نہیں نکلتا، اب اس کا فیصلہ کہ اس نے کفرِ اکبر کا ارتکاب کیا ہے یا کفرِ اصغر کا؟ اس کی حالت کو دیکھ کر کیا جائے گا۔ اگر اس شخص کا اعتقاد ہو کہ شریعت کا حکم ماننا واجب نہیں یا اس میں اس کو اختیار حاصل ہے کہ جس کا چاہے حکم مانے یا پھر اللہ تعالیٰ کے حکم و شریعت کی توہین کرتا ہے اور یہ اعتقاد کہ دوسرے قوانین اور نظامہائے زندگی اسلامی شریعت سے بہتر ہیں اور شریعت اسلامی موجودہ دور کے لئے موزوں و لائق نہیں ہے یا پھر کفار و منافقین کی رضامندی و خوشنودی کے لئے غیر شرعی حکم کرتا ہے تو یہ کفرِ اکبر ہے۔ لیکن اگر اس کا اعتقاد ہو کہ اللہ کی شریعت کو نافذ کرنا فرض ہے اور اس پیش آمدہ مسئلے میں اسے مخصوص شرعی حکم کا پورا علم بھی ہے اس کے باوجود اسے وہ نافذ نہیں کرتا ہے لیکن اس کے پاداش میں اپنے آپ کو مستحق سزا بھی سمجھتا ہے تو ایسا شخص گنہگار ہوگا، اور اس کا کفر کفرِ اصغر ہوگا۔

لیکن اگر ایک شخص شریعت سے ناواقف ہے اور اسے معلوم کرنے کے لئے اپنے امکان بھر محنت و کوشش کرتا ہے پھر وہ غلط فیصلہ دے دیتا ہے تو ایسے شخص کو خاطی یا خطاکار کہا جائے گا، اس کی محنت و کوشش اور اجتہاد کا حسن نیت کی وجہ سے ایک اجر ملے گا، اور اس کی غلطی کو معاف کر دیا جائے گا[1]۔ ایسا کسی خاص مسئلہ ہی میں ہوگا لیکن عام مسائل و معاملات

---

[1] شرح الطحاویۃ صفحہ ۳۶۳-۳۶۴۔

میں مسئلہ اس سے مختلف ہوگا، شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ مجموع الفتاوی[1] میں فرماتے ہیں:
(اگر حاکم دین دار ہے لیکن عدم علم کی بنیاد پر فیصلہ صادر کرتا ہے تو وہ جہنمی ہے، اور اگر وہ شریعت سے واقف ہے لیکن اس معلوم شدہ حق کے خلاف فیصلہ دیتا ہے تو بھی وہ جہنمی ہے، اور اگر بلا علم وعدل فیصلہ دیتا ہے تو وہ جہنم کا سب سے زیادہ مستحق ہے، ایسا اس وقت ہوگا جب کسی شخص کے مخصوص مسئلہ میں فیصلہ دیتا ہے، لیکن اگر مسلمانوں کے دین وملت کے کسی عام معاملہ میں اس طرح کا کوئی فیصلہ صادر کرتا ہے۔ حق کو باطل یا باطل کو حق گردانتا ہے، سنت کو بدعت اور بدعت کو سنت قرار دیتا ہے، معروف کو منکر اور منکر کو معروف کہتا ہے، اللہ اور اللہ کے رسول (ﷺ) نے جو حکم دیا ہے اس سے وہ روکتا ہے، اور اللہ اور اللہ کے رسول (ﷺ) نے جس چیز سے روکا ہے اس کا وہ حکم دیتا ہے تو ایسا شخص کچھ اور ہی ہے۔ اس کے سلسلہ میں رب العالمین ہی بہتر فیصلہ کرے گا۔ جو الہ المرسلین مالک یوم الدین ہے، اور دنیا و آخرت کی تمام تعریفیں جس کے لئے زیبا ہیں۔

﴿لَهُ الْحُكْمُ وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ﴾ (القصص: ۸۸)

(اسی کے لئے حکم ہے اور اسی کی طرف تمہیں لوٹ کر جانا ہے)

ارشاد باری ہے:

﴿هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَى وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ

وَكَفَى بِاللَّهِ شَهِيدًا﴾ (الفتح: ۲۸)

(وہی تو ہے جس نے اپنے پیغمبر کو ہدایت (کی کتاب) اور دینِ حق دے کر بھیجا، تاکہ اس کو تمام دینوں پر غالب کرے، اور حق ظاہر کرنے کے لئے اللہ ہی کافی ہے)

[1] مجموع الفتاوی (۳۸۸/۳۵)۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے آگے فرمایا: (اس میں کوئی شک نہیں کہ جس شخص کا یہ اعتقاد ہو کہ جو کچھ اللہ تعالی نے اپنے رسول (ﷺ) پر نازل فرمایا اس کے مطابق فیصلہ کرنا واجب نہیں وہ کافر ہے۔ لہٰذا اگر کوئی شخص اس بات کو حلال جانتا ہے کہ وہ لوگوں کے معاملہ میں اللہ تعالی کی نازل کردہ شریعت سے ہٹ کر ایسا فیصلہ دے جسے وہ عدل سمجھتا ہے تو وہ بھی کافر ہے، کیونکہ بلاشبہ ہر مذہب وملت عموماً منصفانہ فیصلہ کا حکم دیتی ہے۔ کبھی یہ عدل وانصاف کسی دین میں موجود ہوتا ہے، اور اس دین کے اکابر اسی کا حکم دیتے ہیں، بلکہ خود اسلام کی طرف انتساب کرنے والے بہت سے مسلمان بھی اپنی ایسی عادات کے مطابق فیصلہ کرتے ہیں جنہیں اللہ تعالی نے نازل نہیں فرمایا جیسے دیہات کے جرگے یعنی اپنے آباواجداد کے فیصلوں کو دیکھ کر ویسا ہی فیصلہ کر دیتے ہیں یا ایسے حکمران ہوتے ہیں جن کی مطلقاً اطاعت کی جاتی ہے اور یہی سمجھا جاتا ہے کہ کتاب وسنت کو چھوڑ کر انہی سے فیصلہ کروانا چاہیے، یہ بھی سراسر کفر ہے، کیونکہ بہت سے لوگ اپنا انتساب اسلام کی طرف کرتے تو ہیں لیکن پھر بھی اپنی جاری وساری عادات کے مطابق فیصلہ کرتے ہیں جو ان کے وہ بڑے کرتے آئے ہیں جن کی تابعداری کی جاتی ہے، انہیں اگر اچھی طرح معلوم ہو کہ شریعت کے خلاف فیصلہ کرنا جائز نہیں لیکن پھر بھی وہ شریعت کے مطابق فیصلے کا التزام نہیں کرتے بلکہ اللہ تعالی کے نازل کردہ کے خلاف فیصلے کرنے کو حلال سمجھ لیتے ہیں تو ایسے لوگ بھی کافر ہیں۔[1]](اور اگر شریعت کے خلاف فیصلوں کو اپنے لئے حلال نہیں سمجھتے) تو وہ جاہل ہیں][2]۔

---

[1] منهاج السنة النبوية.

[2] "والا کانوا جهالا" کے الفاظ اصل کتاب منہاج السنۃ سے لئے گئے ہیں۔ اور شیخ الاسلام کا یہ نظریہ آپ کی دیگر عبارات سے بھی ثابت ہے۔ (طع)

اور شیخ محمد بن ابراہیم (رحمہ اللہ)[1] فرماتے ہیں: (اور جہاں تک اس مندرجہ ذیل صورتحال کا تعلق ہے کہ جسے کفر دون کفر (کفرِ اصغر جو ملت سے خارج نہیں کرتا) کہا گیا ہے۔ اس طرح کہ اگر وہ غیر اللہ کی طرف فیصلہ لے جاتا ہے اور یہ اعتقاد رکھتا ہے کہ ایسا کرنے کی صورت میں وہ گنہگار بھی ہے اور اللہ کا جو فیصلہ ہے وہی حق ہے، تو یہ ایسا اس سے محض ایک یا چند بار ہی سرزد ہو سکتا ہے۔ جبکہ وہ جو انہیں باقاعدہ و باضابطہ قانون کی حیثیت دیتے ہیں اور جو ان کے آگے سر تسلیم خم کرتے ہیں، تو یہ کفر ہی ہے اگرچہ وہ یہ اقرار بھی کرتے ہوں کہ ہم نے غلطی کی اور شریعت ہی زیادہ عدل والی ہے، بہر حال یہ ملتِ اسلامیہ سے خارج کرنے والا کفر ہے)[2][3]

پس شیخ (رحمہ اللہ) نے ایک جزئی حکم جس میں تکرار نہ ہو اور اس حکمِ عام میں فرق کیا ہے جو تمام یا غالب احکام و فیصلوں میں مرجع و منبع ہو، اور اسے مطلقاً ملتِ اسلامیہ سے خارج

[1] شیخ محمد بن ابراہیم آل الشیخ رحمہ اللہ المتوفی ۱۳۸۹ھ سعودی عرب کے مشہور سلفی عالم دین اور مفتی اعظم گزرے ہیں۔ جو شیخ ابن باز رحمہ اللہ سے پہلے مملکت کے مفتی ہوا کرتے تھے اور آپ کے اساتذہ میں بھی ان کا شمار ہوتا ہے۔(طع)

[2] سماحۃ الشیخ ابن باز (رحمہ اللہ) سے علامہ محمد بن ابراہیم (رحمہ اللہ) کے اس فتوی سے متعلق پوچھا گیا کہ وہ قضیہ معینہ اور تشریع عام میں فرق کرتے ہیں تو آپ نے فرمایا: "محمد بن ابراہیم معصوم عن الخطاء نہیں ہیں اور نہ ہی کوئی نبی یا رسول ہیں، بلکہ وہ علماء کرام میں سے ایک عالم ہیں جن سے خطاء و صواب دونوں ممکن ہے۔ اسی طرح شیخ الاسلام ابن تیمیہ، ابن القیم اور ابن کثیر وغیرہ بھی علماء ہیں جن سے خطاء و صواب دونوں کا احتمال ہے۔ پس ان کے اقوال میں سے جو موافق حق ہوگا اسے لے لیا جائے گا اور جو حق کے خلاف ہوگا اسے اس کے قائل کی طرف پھیر دیا جائے گا۔" [مجلۃ "الفرقان" کویت، عدد (۲۸)] (طع)

[3] شیخ محمد بن ابراہیم آل شیخ کی تقریر سے لیا گیا، دیکھئے مجموع الفتاوی [۱۲/۲۸۰]

کر دینے والا کفر قرار دیا ہے۔ وہ اس لئے کہ جو شریعتِ اسلامیہ کو ہٹا کر اس کے جگہ وضعی وخود ساختہ قوانین نافذ کرتا ہے تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ وہ اس قانون کو شریعت سے بہتر اور افضل سمجھتا ہے[1]، اور یہ بلاشبہ کفرِ اکبر ہے، جو انسان کو ملتِ اسلامیہ سے خارج کر دیتا ہے

[1] شیخ محمد بن ابراہیم اور شیخ صالح الفوزان کے اس موقف سے بہت سے بڑے سلفی علماء کرام اختلاف کرتے ہیں کہ انہوں نے لازم کو دلیل بنایا ہے یعنی کہ غیر شرعی قوانین کا نفاذ اس بات کو لازم ہے کہ وہ اسے شریعت سے بہتر سمجھتا ہے جبکہ ایسا ضروری نہیں ورنہ تو خوارج کا بھی گناہوں پر تکفیر کرنا درست ہوگا کہ کسی کا زنا کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ وہ اسے پاکباز رہنے سے افضل سمجھتا ہے یا پھر کسی کا حرام سود کھانے کا مطلب ہے کہ وہ اسے حلال سے بہتر سمجھتا ہے وغیرہ۔ بہر حال تشریع عام کے نفاذ پر تکفیر سلفی علماء کرام میں مختلف فیہ ہے البتہ راجح قول یہی تفصیل والا ہے جسے شیخ ابن باز والبانی رحمہما اللہ نے اختیار فرمایا تھا اور علامہ ابن عثیمین رحمہ اللہ نے بھی اپنی وفات سے قبل تشریع عام پر مطلق تکفیر سے رجوع فرمالیا تھا چنانچہ ڈاکٹر مرتضی حفظہ اللہ فرماتے ہیں: بعض سلفی علماء کرام جیسے شیخ محمد بن ابراہیم آل الشیخ رحمہ اللہ اور شیخ صالح الفوزان حفظہ اللہ کی یہ دلیل کہ جس نے غیر شرعی قوانین جاری رکھے ہوئے ہیں لازم بات ہے کہ وہ انہیں شریعت سے بہتر سمجھتا ہے تبھی تو انہیں نافذ کئے رکھا ہے اور جو وضعی قوانین کو شریعت سے بہتر سمجھے وہ تو بالاتفاق کافر ہے، یہ دلیل کمزور ہے کیونکہ ضروری نہیں کہ یہ لازم آئے اور لازم آنے کو بہر طور دلیل نہیں بنایا جاسکتا۔ اس کے جواب میں نکات بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ: ساتویں بات یہ کہ علامہ فقیہ محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ نے اپنے اس قول سے رجوع کر لیا تھا کہ قوانین کے نفاذ سے افضل ہونے کا اعتقاد لازم آتا ہے۔ کیونکہ پہلے شیخ ابن عثیمین رحمہ اللہ بھی یہی سمجھتے تھے اور ان کا فتویٰ بھی ہے کہ تشریع عام کرنے والا حکمران کافر ہے، کفر اکبر میں مبتلا ہے۔ لیکن جب انہوں نے تحقیق کی اور دیکھا تو اپنی وفات سے پہلے اس قول سے رجوع فرمالیا، ان دونوں اقوال کو ملاحظہ کیجئے۔

پہلا قول: فرماتے ہیں کیونکہ جس نے ایسا قانون کو نافذ کیا جو اسلام کے خلاف ہے تو اس نے صرف اسی لئے کیا کہ اس کا عقیدہ ہے کہ یہ قانون جس کا اس نے نفاذ کیا اسلام سے بہتر ہے، اور لوگوں کے لئے زیادہ فائدہ مند

(جاری ہے۔۔۔)

ہے۔ (فتاویٰ ابن عثیمین ج ۲ ص ۱۴۴، اس کے علاوہ شرح اصول ثلاثہ میں بھی ایسا ہی قول ہے) یہاں بھی وہی لازم کو دلیل بنایا ہے کہ جس نے ایسا کیا لازمی طور پر اس کا عقیدہ یہی ہوگا۔

دوسرا اور آخری قول: جس میں آپ نے رجوع فرمالیا تھا، سوال ہوا تھا کہ جس کا مفہوم ہے تشریع عام کرنے پر بھی حاکم کا عقیدہ مدنظر رکھا جائے گا یا نفاذ ہی سے کفر لازم ہو جائے گا؟ جواب میں شیخ رحمہ اللہ نے فرمایا:

"۔۔۔ جہاں تک حکم بغیر ما انزل اللہ کا تعلق ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کی کتاب عزیز میں تین اقسام میں تقسیم ہوا ہے: کفر، ظلم اور فسق، ان اسباب کے پیش نظر جن کی بنا پر یہ حکم کیا گیا ہے۔ پس اگر کوئی انسان اللہ کی نازل کی ہوئی شریعت کے علاوہ حکم کرتا ہے اپنی خواہش نفس کی پیروی کرتے ہوئے جبکہ اسے اس بات کا علم حاصل ہے کہ حق تو وہی ہے جو اللہ تعالیٰ کا فیصلہ ہے، تو ایسا شخص کافر نہیں بلکہ فاسق اور ظالم کے درمیان ہے، لیکن اگر وہ ایک تشریع عام (عام قوانین ریاست) کے طور پر نافذ کرتا ہے جس پر عوام چلتی ہے اور وہ اپنی دانست میں یہ سمجھتا ہے کہ مصلحت کا یہی تقاضہ ہے اور اس پر امر کو مشتبہ کر دیا گیا ہے تو ایسا شخص بھی کافر نہیں ہوگا۔ کیونکہ بہت سے حکام ایسے ہیں جو شرعی علم سے جاہل ہیں اور جن لوگوں سے یہ بہت بڑا عالم سمجھ کر رابطہ رکھتے ہیں انہیں خود بھی حکم شرعی کا علم نہیں ہوتا نتیجتاً شریعت کی مخالفت ہو جاتی ہے۔ اور اگر وہ شرعی حکم جانتا ہے لیکن پھر بھی ان (وضعی قوانین) کے مطابق فیصلہ کرتا ہے اور اسے ایسے دستور یا آئین کی حیثیت دیتا ہے جس پر لوگ کاربند ہوں، تو ہم یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ اس معاملے میں وہ ظالم ہے۔ مگر اس حق کے وجہ سے جو قرآن وسنت کے ذریعے آیا ہم ایسے شخص کی تکفیر نہیں کر سکتے۔ ہم تو اس کی تکفیر کر سکتے ہیں جو یہ نظریہ رکھتا ہے کہ لوگوں کے لئے زیادہ لائق ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی نازل کی ہوئی شریعت کے علاوہ حکم پر چلیں، یا یہ (خودساختہ قانون) بھی شرعی حکم ہی کی طرح ہے تو ایسا شخص کافر ہے۔۔۔" سماعت فرمائیں کیسٹ "التحریر فی مسألۃ التکفیر" جو کہ اب کتابی شکل میں بھی دستیاب ہے ہماری ویب سائٹ منہج السلف ڈاٹ کام پر "الحکم بغیر ما انزل سے متعلق آئمہ کرام کے اقوال" کتاب میں اصل عربی عبارت کے ساتھ موجود ہے۔ اور یہی شیخ کا آخری قول ہے کیونکہ اس ریکارڈنگ کی تاریخ ۲۲/۴/۳یا۱۴۲۰ھ ہے اور شیخ کی وفات ۱۴۲۱ھ میں ہوئی رحمہ اللہ۔ (ط ع)

اور جو توحید کے منافی ہے[1]۔

گزشتہ کچھ برسوں سے قطبی (سید قطب کے پیروکاروں) تکفیریوں نے شیخ فوزان و شیخ محمد بن ابراہیم سے مندرجہ بالا کلام کو مطلقاً حکم بغیر ما انزل اللہ کرنے والے حکام پر تکفیر کرنے کی دلیل بنانا شروع کر دیا ہے۔ چناچہ جب یہ بات بہت افشاں ہونے لگی تو خود شیخ فوزان سے اس کے متعلق پوچھا گیا:

سوال: بعض لوگ آپ کی "کتاب التوحید" میں حاکمیت اور حکم بغیر ما انزل اللہ پر کئے گئے کلام سے یہ دلیل پکڑتے ہیں کہ آپ ان حکام کی جو اللہ تعالیٰ کی نازل کی ہوئی شریعت کے مطابق فیصلے نہیں کرتے تکفیر معین کرتے ہیں۔ اور اسی کو لے کر وہ لوگ خلیجی (اور دیگر اسلامی) ممالک کے حکام پر چسپاں کرتے ہیں (یعنی اس تکفیر کا مصداق ٹھہراتے ہیں)؟

جواب: (کچھ مسکرا کر فرماتے ہیں) ۔۔۔ کیا یہ لوگ اہواپرستی میں ایسے کر رہے ہیں؟ ۔۔۔ میرے الفاظ تو کتاب میں بالکل واضح ہیں اور ان میں کسی قسم کا ابہام نہیں۔ جو تفصیل (اس باب کے شروع میں) بیان ہوئی وہ ان پر بھی لاگو ہوتی ہے۔ یعنی جو شریعت کو مکمل طور پر کالعدم قرار دے کر اس کی جگہ وضعی قانون کو نافذ کرتا ہے تو یہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ وہ وضعی قوانین کو شریعت سے بہتر سمجھ رہا ہے اور جو ایسا سمجھے تو وہ کافر ہے۔ یہ بات تو خود اسی کتاب میں ذکر ہوئی ہے ۔۔۔ البتہ یہ لوگ کتاب میں سے صرف اپنے فہم کے مطابق وہی بات لیتے ہیں جو ان کے (باطل منہج) کو فائدہ پہنچا سکے اور باقی سارے کلام کو یکسر نظر انداز کر دیتے ہیں۔ اگر یہ صرف ان الفاظ کو ہی شروع سے پڑھ لیتے تو معاملہ ان پر بالکل واضح ہو جاتا۔

سوال: اور کیا شیخ محمد بن ابراہیم (رحمہ اللہ) کے کلام کا بھی یہی مفہوم لیا جائے؟

جواب: ہاں! بالکل اس کا بھی وہی مفہوم ہے ۔۔۔ ان کے الفاظ کا (صحیح) مفہوم یہ ہے کہ جو شریعت کو مکمل طور پر کالعدم قرار دے کر اس کے جگہ وضعی قوانین کو نافذ کرتا ہے تو یہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ وہ اس قانون کو شریعت سے بہتر سمجھتا ہے۔ اور ظاہر بات ہے کہ جو ان قوانین کا شریعت سے بہتر ہونے کا عقیدہ رکھے تو ایسا شخص تمام لوگوں کے نزدیک بلاشبہ کافر ہے۔

سوال: وہ اس سے خلیجی (اور دیگر اسلامی) ممالک کے حکام مراد لیتے ہیں؟

جواب: ۔۔۔ (کتاب میں وارد) الفاظ بالکل واضح ہیں۔ البتہ جہاں تک معین افراد اور حاکم (کی تکفیر) کا

(جاری ہے ۔۔۔)

ساتویں فصل

قانون سازی اور حلال و حرام ٹھہرانے کے حق کا دعویٰ

ان احکام و تشریعات کو وضع کرنے کا حق صرف اللہ تعالیٰ کو ہے جن پر بندوں کی صلاح و فلاح کا دار و مدار ہے اور ان کی عبادات، معاملات اور زندگی کے تمام شعبے جن کے مطابق چلتے ہیں، اور جن کے ذریعہ بندوں کے آپسی لڑائی جھگڑے اور تنازعات کے فیصلے کئے جاتے ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

معاملہ ہے تو وہ مزید تفتیش و تحقیق کا متقاضی ہے۔

سوال: یعنی ثابت یہ ہوا کہ تکفیر معین اور حکم عام میں فرق ہے؟

جواب: جی بالکل، اس میں اور حکم عام میں فرق ہے۔۔۔

سوال: سو آپ کی مراد (کتاب میں) عام حکم تھا (نا کہ حکم معین)؟

جواب: جی، بلا شبہ وہ ایک عام حکم ہے۔ اور وہ لوگ کیا کہتے ہیں کہ "اس سے خلیجی (اور دیگر اسلامی) ریاستوں کے حکام مقصود ہیں؟"

سائل: جی وہ ایسا ہی کہتے ہیں بہر حال وہ اہواپرستی میں مبتلا ہیں؟

الشیخ: جی ہاں، (یہ تو) اہواپرستی ہی ہے۔۔۔ کیا یہی اصلاح ہے؟ یعنی خلیجی (اور دیگر مسلم ممالک) کے حکمرانوں کی تکفیر کرنا، کیا اسی طرح سے (حکام اور معاملات کی) اصلاح کی جاتی ہے؟

سائل: نہیں یہ طریقہ تو نہیں۔۔۔

الشیخ: یہ تو کوئی اصلاح نہیں۔۔۔ (بلکہ) یہ تو فتنہ و فساد کی آگ کو بڑھکانے والی باتیں ہیں۔

سائل: جزاکم اللہ خیرا۔ (اختتام گفتگو) [کیسٹ "الأسئلة حول قضية الحاكمية" سے لیا گیا] (ط ع)

﴿أَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْأَمْرُ تَبَارَكَ اللّٰهُ رَبُّ الْعَالَمِينَ﴾ (الاعراف: ۵۴)

(دیکھو سب مخلوق بھی اسی کی ہے اور حکم بھی (اسی کا ہے) یہ اللہ رب العالمین بڑی برکت والا ہے)

چونکہ وہی جانتا ہے کہ اپنے بندہ کے لئے کیا چیز مفید ہے، لہٰذا اسی کے مطابق وہ ان کے لئے احکام وضع کرتا ہے۔ اور چونکہ وہ سب کا رب ہے اس لئے رب ہونے کے ناطے شریعت سازی کا حق بھی اسی کو پہنچتا ہے۔ اور چونکہ تمام بندے اس کے بندے و غلام ہیں اس لئے ان کے لئے اللہ تعالیٰ کے احکام کی بجاآوری ضروری ہے، اس کے احکامات کی پیروی کا پورا فائدہ انہی کی طرف لوٹتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے:

﴿فَإِن تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُولِ إِن كُنتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ذَٰلِكَ خَيْرٌ وَأَحْسَنُ تَأْوِيلًا﴾ (النساء: ۵۹)

(اور اگر کسی بات میں تم میں اختلاف واقع ہو تو اگر اللہ اور روز آخرت پر ایمان رکھتے ہو تو اس میں اللہ اور اس کے رسول (کے حکم) کی طرف رجوع کرو، یہ بہت اچھی بات ہے، اور اس کا انجام کار بھی بہترین ہے)

اور ایک جگہ ارشاد ہے:

﴿وَمَا اخْتَلَفْتُمْ فِيهِ مِن شَيْءٍ فَحُكْمُهُ إِلَى اللّٰهِ ذَٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبِّي﴾ (الشوریٰ: ۱۰)

(تم جس بات میں بھی اختلاف کرتے ہو اس کا فیصلہ اللہ کی طرف (سے ہوگا) یہی اللہ میرا رب ہے)

اللہ تعالیٰ نے اس کی سخت نکیر فرمائی کہ بندہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی اور کو قانون ساز مانے۔ ارشاد باری ہے:

﴿أَمْ لَهُمْ شُرَكَاءُ شَرَعُوا لَهُم مِّنَ الدِّينِ مَا لَمْ يَأْذَن بِهِ اللَّهُ﴾ (الشوریٰ: ۲۱)

(کیاان کے وہ شریک ہیں جنہوں نے ان کے لئے ایسا دین مقرر کیا ہے
جس کا اللہ نے حکم نہیں دیا)

لہذا جو شخص بھی اللہ تعالیٰ کی شریعت کے علاوہ کسی دوسری شریعت کو قبول کرتا ہے وہ شرک کرتا ہے۔ عبادات میں سے جو عبادت اللہ اور اللہ کے رسول کی طرف سے مشروع کردہ نہیں وہ بدعت ہے، اور ہر بدعت گمراہی ہے رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: ''مَنْ أَحْدَثَ فِي أَمْرِنَا هَذَا مَا لَيْسَ فِيهِ فَهُوَ رَدٌّ''[1] (اگر کوئی ہمارے اس معاملہ (دین) میں ایسی نئی بات پیدا کرے گا جو اس میں سے نہ ہو تو وہ مردود ہے) ایک اور روایت کے الفاظ ہیں: ''مَنْ عَمِلَ عَمَلًا لَيْسَ عَلَيْهِ أَمْرُنَا فَهُوَ رَدٌّ''[2] (اگر کوئی ایسا عمل کرتا ہے جس پر ہمارا حکم نہ ہو وہ عمل مردود ہے)

سیاسی معاملات اور لوگوں کے مابین فیصلہ کرنے کے سلسلے میں اگر ایسا حکم کیا جائے جو اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) نے مشروع نہیں فرمایا تو وہ طاغوتی و جاہلی حکم ہوگا۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿أَفَحُكْمَ الْجَاهِلِيَّةِ يَبْغُونَ وَمَنْ أَحْسَنُ مِنَ اللَّهِ حُكْمًا لِّقَوْمٍ يُوقِنُونَ﴾ (المائدۃ: ۵۰)

(کیا یہ زمانۂ جاہلیت کے حکم کے خواہش مند ہیں اور جو یقین رکھتے ہیں ان کے لئے اللہ سے اچھا حکم کس کا ہے؟)

[1] تخریج گزر چکی ہے۔
[2] تخریج گزر چکی ہے۔

اسی طرح حلال و حرام قرار دینے کا حق بھی صرف اللہ تعالیٰ کو ہے، کسی کے لئے جائز نہیں کہ اس معاملہ میں وہ اللہ تعالیٰ کا شریک ہو ارشاد الٰہی ہے:

﴿ وَلَا تَأْكُلُوا مِمَّا لَمْ يُذْكَرِ اسْمُ اللَّهِ عَلَيْهِ وَإِنَّهُ لَفِسْقٌ وَإِنَّ الشَّيَاطِينَ لَيُوحُونَ إِلَىٰ أَوْلِيَائِهِمْ لِيُجَادِلُوكُمْ وَإِنْ أَطَعْتُمُوهُمْ إِنَّكُمْ لَمُشْرِكُونَ ﴾ (الانعام: ۱۲۱)

(اور جس چیز پر اللہ کا نام نہ لیا جائے اسے مت کھاؤ کہ اس کا کھانا گناہ ہے اور شیطان (لوگ) اپنے رفیقوں کے دلوں میں یہ بات ڈالتے ہیں کہ تم سے جھگڑا کریں اور اگر تم لوگ ان کے کہے پر چلے تو بے شک تم بھی مشرک ہوئے)

آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے شیاطین اور ان کے حواری کی اطاعت کو حلت و حرمت کے معاملہ میں شرک قرار دیا ہے۔ اسی طرح سے جو علماء و امراء کی اطاعت و پیروی کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کی حلال کردہ کو حرام کرنے میں یا حرام کردہ کو حلال کرنے میں تو انہوں نے بھی انہیں اللہ تعالیٰ کے سوا اپنا رب بنالیا، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ اتَّخَذُوا أَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ أَرْبَابًا مِّن دُونِ اللَّهِ وَالْمَسِيحَ ابْنَ مَرْيَمَ وَمَا أُمِرُوا إِلَّا لِيَعْبُدُوا إِلَٰهًا وَاحِدًا لَّا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ سُبْحَانَهُ عَمَّا يُشْرِكُونَ ﴾ (التوبة: ۳۱)

(انہوں نے اپنے علماء اور مشائخ اور مسیح ابن مریم کو اللہ کے سوا اپنا رب بنالیا حالانکہ ان کو یہ حکم دیا گیا تھا کہ اللہ واحد کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں اس کے سوا کوئی معبودِ حقیقی نہیں اور وہ ان لوگوں کے شریک مقرر کرنے سے پاک ہے)

حدیث شریف[1] میں آیا ہے کہ اس آیت کریمہ کو آپ ﷺ نے سیدنا عدی بن

[1] تخریج گزر چکی ہے۔

حاتم الطائی رضی اللہ عنہ کے سامنے پڑھا تو سیدنا عدی بن حاتم الطائی نے عرض کیا: "يَا رَسُولَ اللهِ. إِنَّا لَسْنَا نَعْبُدُهُمْ. فَقَالَ لَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: - أَلَيْسُوا يُحِلُّونَ مَا حَرَّمَ اللهُ. فَتُحِلُّونَهُ. وَيُحَرِّمُونَ مَا أَحَلَّ اللهُ فَتُحَرِّمُونَهُ؟ قَالَ: بَلَى. قَالَ: فَتِلْكَ عِبَادَتُهُمْ" (اے اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم)! ہم ان کی عبادت نہیں کرتے ہیں؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا وہ اللہ تعالی کی جن حرام کردہ چیزوں کو حلال قرار دیتے ہیں ان کو حلال نہیں سمجھتے؟ اور جن حلال چیزوں کو حرام قرار دیتے ہیں ان کو حرام نہیں سمجھتے؟ سیدنا عدی رضی اللہ عنہ نے عرض کیا جی ہاں! تو آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا: یہی ان کی عبادت (اور انہیں رب بنانا) ہے)۔

چنانچہ احکام الٰہی کو چھوڑ کر حلت و حرمت کے معاملہ میں ان کی اطاعت و پیروی کرنا در اصل ان کی عبادت کرنا ہے اور شرک ہے۔ یہ شرک اکبر ہے جو اس توحید کے خلاف و منافی ہے جس پر کلمۂ توحید لا الٰہ الا اللہ دلالت کرتا ہے، کیونکہ یہ جن چیزوں پر دلالت کرتا ہے اس میں یہ بات بھی شامل ہے کہ حلال و حرام قرار دینے کا حق صرف اللہ تعالی کو ہے۔ جب اس شخص کا یہ حکم ہے جو حلال و حرام کے معاملے شریعت کی مخالفت جاننے کے باوجود اپنے علماء و مشائخ کی پیروی کرتا ہے حالانکہ وہ دین اور علم کے سب سے زیادہ قریب ہوتے ہیں اور یہ بھی عین ممکن ہے کہ ان کی غلطی کسی اجتہاد کے سبب ہو جس میں وہ حق بات کو نہیں پاسکے لیکن پھر بھی ان کو ایک اجر ملتا ہے، تو اس شخص کا کیا حکم ہو گا جو ان خود ساختہ وضعی قوانین کی پیروی کرے جو کفار و ملحدین کے وضع کردہ ہیں، جو باہر سے منگائے گئے ہیں اور عالم اسلام اور وہاں کے مسلم عوام پر زبردستی تھوپ گئے ہیں؟ لا حول ولا قوۃ الا باللہ۔ اس طرح تو اللہ تعالی کے بجائے کفار و ملحدین کو ارباب من دون اللہ (اللہ کے سوا رب) بنایا جاتا ہے۔ جو ان کے لئے احکام و قوانین وضع کرتے ہیں حرام چیزوں کو حلال قرار دیتے ہیں اور اسی سے بندوں پر حکومت کرتے ہیں۔

آٹھویں فصل

ملحدانہ تحریکوں اور جاہلی جماعتوں کی طرف انتساب کا حکم

ملحدانہ تحریکوں کی طرف انتساب کا حکم

ملحدانہ تحریکوں جیسے کمیونزم، سیکولرزم، سرمایہ دارانہ نظام وغیرہ جو سراسر کفر والحاد پہ مبنی ہیں کی طرف انتساب مذہب اسلام سے ارتداد ہے۔ان تحریکوں کی طرف انتساب کرنے والا شخص اگر اسلام کا دعویٰ کرتا ہے تو یہ نفاقِ اکبر ہے، اس لئے کہ منافقین بھی ظاہری طور پہ اپنا انتساب اسلام کی طرف کرتے تھے لیکن اندرونی طور پر وہ کافروں کے ساتھ ہوتے تھے۔ جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ وَإِذَا لَقُوا الَّذِينَ آمَنُوا قَالُوا آمَنَّا وَإِذَا خَلَوْا إِلَىٰ شَيَاطِينِهِمْ قَالُوا إِنَّا مَعَكُمْ إِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزِئُونَ ﴾ (البقرۃ: ۱۴)

(اور یہ لوگ جب مومنوں سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم ایمان لے آئے ہیں اور جب اپنے شیطانوں میں جاتے ہیں تو (ان سے) کہتے ہیں کہ ہم تمہارے ساتھ ہیں اور ہم (پیروانِ محمد ﷺ سے) تو ہنسی کیا کرتے ہیں)

ایک اور جگہ ارشاد ہے:

﴿ الَّذِينَ يَتَرَبَّصُونَ بِكُمْ فَإِن كَانَ لَكُمْ فَتْحٌ مِّنَ اللَّهِ قَالُوا أَلَمْ نَكُن مَّعَكُمْ وَإِن كَانَ لِلْكَافِرِينَ نَصِيبٌ قَالُوا أَلَمْ نَسْتَحْوِذْ عَلَيْكُمْ وَنَمْنَعْكُم مِّنَ الْمُؤْمِنِينَ ﴾ (النساء: ۱۴۱)

(جو تم کو دیکھتے رہتے ہیں کہ اگر اللہ کی طرف سے تم کو فتح ملے تو کہتے ہیں کیا ہم تمہارے ساتھ نہ تھے؟ اور اگر کافروں کو فتح نصیب ہو تو ان سے کہتے ہیں کیا ہم تمہارے نہیں تھے اور تم کو

مسلمانوں کے ہاتھوں سے بچایا نہیں؟)

اس طرح کے دھوکہ باز منافقوں کے ہمیشہ دو رخ ہوتے ہیں۔ایک رخ سے تو مومنوں سے ملتے ہیں اور دوسرے رخ سے اپنے ملحد بھائیوں کی طرف پلٹ جاتے ہیں۔ان کی دو زبانیں ہوتی ہیں،ایک کے ذریعہ مسلمانوں سے شناسائی پیدا کرتے ہیں اور دوسری کے ذریعہ اپنے پوشیدہ راز کی ترجمانی کرتے ہیں۔ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَإِذَا لَقُوا الَّذِينَ آمَنُوا قَالُوا آمَنَّا وَإِذَا خَلَوْا إِلَىٰ شَيَاطِينِهِمْ قَالُوا إِنَّا مَعَكُمْ إِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزِئُونَ ﴾ (البقرۃ:۱۴)

(اور یہ لوگ جب مومنوں سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم ایمان لے آئے ہیں اور جب اپنے شیطانوں میں جاتے ہیں تو (ان سے) کہتے ہیں کہ ہم تمہارے ساتھ ہیں اور ہم (پیروانِ محمد ﷺ سے) تو ہنسی کیا کرتے ہیں)

یہ کتاب و سنت سے ہمیشہ گریز کرتے ہیں۔کتاب و سنت والوں کا مذاق اڑاتے ہیں۔ان کو حقارت کی نگاہ سے دیکھتے کتاب و سنت کے احکام کی پیروی سے انہیں چڑھ ہے۔ شریعت سے ان کو ازلی دشمنی ہے یہ اپنے دنیاوی علوم و فنون اور نظامہائے زندگی سے بہت خوش ہیں جبکہ اس نے اب تک انہیں برائی، تکبر و غرور میں ہی مبتلا رکھا ہے۔لہٰذا انہیں تم ہمیشہ صریح وحی اور کتاب و سنت کا مذاق اڑاتے ہوئے پاؤ گے۔

﴿ اللَّهُ يَسْتَهْزِئُ بِهِمْ وَيَمُدُّهُمْ فِي طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُونَ ﴾ (البقرۃ:۱۵)

(ان (منافقوں) سے اللہ ہنسی کرتا ہے اور انہیں مہلت دیئے جاتا ہے کہ شرارت اور سرکشی میں پڑے بہک رہے ہیں)

جب کہ اللہ تعالیٰ نے صراحت سے مومنوں کی طرف اپنا انتساب کرنے کا حکم دیا

ہے، ارشاد باری ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَكُونُوا مَعَ الصَّادِقِينَ﴾ (التوبة:۱۱۹)

(اے اہل ایمان! اللہ سے ڈرتے رہو اور راستبازوں وسچوں کے ساتھ رہو)

یہ ملحدانہ تحریکیں آپس میں دست و گریباں ہیں، اس لئے کہ ان کی بنیاد باطل و فتنہ و فساد پر پڑی ہے، جیسے کمیونزم اللہ تعالیٰ (جو سارے جہانوں کا خالق و مالک ہے) کے وجود کا انکار کرتی ہے اور تمام آسمانی مذاہب وادیان کو دنیا سے مٹانا چاہتی ہے، جو شخص اپنی دانش میں بلا عقیدہ جینا چاہتا ہے اور تمام بدیہی وعقلی یقینیات کا انکار کرتا ہو دراصل وہ اپنی عقل کا دشمن ہے اور اس سے کام لینا نہیں چاہتا ہے اسی طرح سیکولرزم بھی تمام مذاہب وادیان کا انکار کرتی ہے اور مادر پدر آزاد مادیت پر اپنی بنیاد رکھتی ہے، جب کہ مادیت ایک ایسا مذہب ہے جس کی حیوانی زندگی کے سوا کوئی غرض وغایت نہیں اور سرمایہ دارانہ نظام کا تو کہنا ہی کیا؟ اس کا سارا فلسفہ صرف مال جمع کرنے پر قائم ہے چاہے وہ کسی طرح سے بھی آئے۔ اس میں حلال وحرام کی کوئی تمیز نہیں، فقراء و مساکین اور کمزوروں پر ان کے یہاں کوئی رحم ورافت، شفقت و ہمدردی نہیں، پھر اس کی معیشت واقتصاد کا سارا دارو مدار سود کی لعنت پر ہے جب کہ سود کھانا اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) کے خلاف جنگ کرنا ہے۔ جس سے افراد و جماعت اور حکومت و ریاست سب کے سب تباہی و بربادی سے دوچار ہو جاتے ہیں۔ جو فقیر و غریب قوموں کے خون چوسنے کا بہترین ذریعہ ہے۔ ان سب کے باوجود بھلا کون چاہے ایمان والا نہ بھی ہو کم از کم عقل رکھنے والا ہی ان نظاموں کے تحت زندگی بسر کرے گا؟ جس میں عقل ودین نام کی کوئی چیز ہی نہیں اور نہ ہی صحیح مقصد زندگی ہے کہ جسے ہدف بنایا جائے اور جس کی خاطر جدوجہد کی جائے۔ ان مذاہب نے اس وقت مسلمان ممالک پر حملہ کیا جب ان کی اکثریت صحیح دین سے عاری ہو گئی، جس نے ضیاع کاری اور ان (ملحدوں) کی محتاجی میں تربیت پائی۔

جاہلی، قومی ولسانی جماعتوں کی طرف انتساب کا حکم

جاہلی، قومی اور نسلی جماعتوں اور پارٹیوں کی طرف انتساب بھی کفر وارتداد ہے کیونکہ دینِ اسلام تمام بر مبنی عصبیت، جاہلی نعروں کا شدت سے انکار کرتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُم مِّن ذَكَرٍ وَأُنثَىٰ وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ﴾ (الحجرات: ۱۳)

(لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور تمہاری قومیں اور قبیلے بنائے تاکہ ایک دوسرے کو شناخت کرو اور اللہ کے نزدیک تم میں زیادہ عزت والا وہ ہے جو زیادہ پرہیز گار ہے)

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: ''لَيْسَ مِنَّا مَنْ دَعَا إِلَى عَصَبِيَّةٍ وَلَيْسَ مِنَّا مَنْ قَاتَلَ عَلَى عَصَبِيَّةٍ [وليس منا من نضب لعصبية] وَلَيْسَ مِنَّا مَنْ مَاتَ عَلَى عَصَبِيَّةٍ''[1] (وہ ہم میں سے نہیں جو عصبیت کی طرف بلائے، وہ ہم میں سے نہیں جو عصبیت کے لئے لڑائی کرے، [وہ ہم میں سے نہیں جو عصبیت کے لئے غصہ ہو] اور وہ ہم میں سے نہیں جو عصبیت پر مرے) نیز فرمایا: ''إِنَّ اللهَ عَزَّ وَجَلَّ قَدْ أَذْهَبَ عَنْكُمْ عُبِّيَّةَ الْجَاهِلِيَّةِ وَفَخْرَهَا بِالْآبَاءِ إِنَّمَا هُوَ مُؤْمِنٌ تَقِيٌّ أَوْ فَاجِرٌ شَقِيٌّ اَلنَّاسُ بَنُو آدَمَ وَآدَمُ خُلِقَ مِنْ تُرَابٍ، [وَلَا فَضْلَ لِعَرَبِيٍّ عَلَى عَجَمِيٍّ إِلَّا بِالتَّقْوَى]''[2] (اللہ تعالیٰ نے دورِ جاہلیت کے تکبر اور آباؤ اجداد پر فخر کردیا ہے اب یا تو کوئی متقی مومن ہوگا، یا بدبخت فاجر، تمام لوگ آدم علیہ السلام کی اولاد ہیں اور

[1] أبو داود الأدب (۵۱۲۱)، بریکٹ والے الفاظ ہمیں ابوداود میں نہیں ملے۔ (ط ع)

[2] الترمذي المناقب (۳۹۵۵)، أبو داود الأدب (۵۱۱۶)، بریکٹ والے الفاظ الگ حدیث کے ہیں (المعجم الأوسط للطبراني ۴۸۸۹) (ط ع)

آدم مٹی سے پیدا کئے گئے ہیں، کسی عربی کو عجمی پر کوئی فضیلت نہیں بلکہ فضیلت کا دار و مدار تقویٰ پر ہے)

دراصل یہ جماعتیں اور پارٹیاں مسلمانوں کے اندر تفرقہ ڈالتی ہیں جب کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں نیکی و تقوی پر اتحاد و اتفاق کا حکم دیا ہے، اور افتراق و انتشار سے منع فرمایا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللَّهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا وَاذْكُرُوا نِعْمَتَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ إِذْ كُنْتُمْ أَعْدَاءً فَأَلَّفَ بَيْنَ قُلُوبِكُمْ فَأَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهِ﴾ (آل عمران: ۱۰۲)

(اور سب مل کر اللہ کی (ہدایت کی) رسی کو مضبوط پکڑے رہنا اور متفرق نہ ہونا، اور اللہ کی اس نعمت کو یاد کرو جب تم ایک دوسرے کے دشمن تھے، تو اس نے تمہارے دلوں میں الفت ڈال دی، اور تم اس کی مہربانی سے بھائی بھائی ہو گئے)

اللہ تعالیٰ ہم سے یہ چاہتے ہیں کہ ہم ایک جماعت ہو جائیں جو کامیاب و کامران حزب اللہ (اللہ تعالیٰ کی جماعت) ہو۔ لیکن آج عالم اسلام خاص طور پر یورپ کی سیاسی و ثقافتی یلغار کے بعد مختلف جاہلی، نسلی، وطنی عصبیتوں کی لعنت میں مبتلا ہو گیا ہے[1]۔ اور ان لعنتوں کو ایک علمی مسئلہ، طے شدہ حقیقت اور ناگزیر صورتِ حال سمجھ کر تسلیم کر لیا گیا ہے۔ سارے جہان کے مسلم باشندے مغربی افکار کے اثرات سے متاثر ہو کر ان جاہلی عصبیتوں کی طرف تیزی سے بھاگنے لگے ہیں جن کو اسلام نے مٹا دیا تھا اور اس کے گیت گاتے ہیں، اس کے شعار کو زندہ کرتے ہیں اور قبل از اسلام دور پر فخر کرتے ہیں حالانکہ اسلام سے پہلے والے عصبیتی دور کو اسلام نے جاہلی دور کہا ہے اور اب بھی اسی نام سے یاد کرتا ہے اور اس تاریک

[1] ہمارے وطن کا بھی یہی حال ہے جو آجکل اپنے عروج پر ہے۔ اللہ تعالیٰ رحم فرمائے۔ (ط ع)

ترین دور سے نکالنے پر اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر احسان جتلایا ہے اور اس عظیم احسان و نعمت کا شکر ادا کرنے پر ان کو ابھارا ہے۔

یہ ایک طبعی بات ہے کہ ایک مومن قدیم یا قریب زمانے کی جاہلیت کا تذکرہ ناپسندیدگی اور کراہیت کے ساتھ کرتا ہے جس سے اسے اتنی شدید نفرت ہوتی ہے کہ رونگٹے کھڑے ہو جائیں۔ کیا جیل میں سخت ترین سزا کاٹنے والے کے رونگٹے اس وقت کھڑے نہیں ہو جاتے جب اس کے سامنے جیل کی قید و بند کی صعوبتوں اور ذلتوں کا ذکر کیا جائے؟ اور کیا سخت ترین بیماری اور موت کے منہ سے بچ نکلنے والا شخص اپنی بیماری کا تذکرہ کرتے ہی منہ نہیں بگاڑ لیتا اور اس کے چہرے کی رنگت نہیں تبدیل ہو جاتی؟[1] لہٰذا ہر ایک کے ذہن میں یہ بات ہونی چاہیے اور ہر مسلمان کو معلوم ہونا چاہیے کہ مسلمانوں میں یہ گروہ بندیاں دراصل اللہ تعالیٰ کا عذاب ہے جسے وہ اپنی شریعت و مذہب سے اعراض کرنے والوں اور اپنے دین سے بدگمان ہونے والے بندوں پر مسلط کر دیا کرتا ہے۔ فرمانِ الٰہی ہے:

﴿قُلْ هُوَ الْقَادِرُ عَلَىٰ أَن يَبْعَثَ عَلَيْكُمْ عَذَابًا مِّن فَوْقِكُمْ أَوْ مِن تَحْتِ أَرْجُلِكُمْ أَوْ يَلْبِسَكُمْ شِيَعًا وَيُذِيقَ بَعْضَكُم بَأْسَ بَعْضٍ﴾ (الانعام: ۶۵)

(کہہ دو کہ وہ (اس پر بھی) قدرت رکھتا ہے کہ تم پر اوپر کی طرف سے یا تمہارے پاؤں کے نیچے سے عذاب بھیجے یا تمہیں فرقہ فرقہ کر دے اور ایک کو دوسرے (سے لڑا کر آپس) کی لڑائی کا مزہ چکھا دے)

اس سلسلہ میں رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: "وَمَا لَمْ تَحْكُمْ أَئِمَّتُهُمْ بَيْنَهُمْ بِكِتَابِ

[1] من رسالة: (ردة ولا أبا بكر لها) لأبي الحسن الندوي.

اللهِ إِلَّا جَعَلَ بَأْسَهُمْ بَيْنَهُم"[1] (اور جب ان کے ائمہ کرام کتاب اللہ سے حکم نہیں دیں گے تو اللہ تعالیٰ ان کو آپس میں لڑا دیں گے)

جماعتوں اور پارٹیوں کے تعصب کی وجہ سے انسان اس حق بات کو قبول نہیں کرتا جو دوسروں کے پاس موجود ہے جیسا کہ یہودیوں کے ہاں پیش آیا، انہی یہودیوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ آمِنُوا بِمَا أَنزَلَ اللَّهُ قَالُوا نُؤْمِنُ بِمَا أُنزِلَ عَلَيْنَا وَيَكْفُرُونَ بِمَا وَرَاءَهُ وَهُوَ الْحَقُّ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَهُمْ﴾ (البقرۃ:۹۱)

(اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ جو (کتاب) اللہ نے (اب) نازل فرمائی ہے اس کو مانو، تو کہتے ہیں کہ جو کتاب ہم پر (پہلے) نازل ہو چکی ہے ہم تو اسی کو مانتے ہیں (یعنی) یہ اس کے سوا اور (کتاب) کو نہیں مانتے۔ حالانکہ وہ (سراسر) سچی ہے اور جو ان کی (آسمانی) کتاب ہے اس کی بھی تصدیق کرتی ہے)

اہل جاہلیت کا بھی یہی حال تھا حق کو چھوڑ کر یہ اپنے آباؤ اجداد کی روش پر پڑے ہوئے تھے اور ان کے نقشِ قدم سے سرمو انحراف کے لئے تیار نہیں تھے۔ ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَإِذَا قِيلَ لَهُمُ اتَّبِعُوا مَا أَنزَلَ اللَّهُ قَالُوا بَلْ نَتَّبِعُ مَا أَلْفَيْنَا عَلَيْهِ آبَاءَنَا﴾ (البقرۃ:۱۷۰)

(اور جب ان لوگوں سے کہا جاتا ہے کہ جو (کتاب) اللہ نے نازل فرمائی ہے اس کی پیروی کرو تو کہتے ہیں (نہیں) بلکہ ہم تو اسی چیز کی پیروی کریں گے جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا)

[1] ابن ماجه الفتن (۴۰۱۹).

آج کے حزبی جماعتی لوگ چاہتے ہیں کہ اپنی اپنی جماعت و پارٹی کو اس اسلام کی جگہ پر لا کھڑا کریں جو تمام انسانیت پر اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے۔

نویں فصل

زندگی کے سلسلہ میں مادی نقطۂ نظر اور اس کے مفاسد

آج زندگی سے متعلق دو طرح کے نظریے رائج ہیں۔ایک مادی نظریہ، دوسرا صحیح نظریہ۔ان دونوں نظریے کے آثار آج لوگوں کی زندگی میں دیکھے جا سکتے ہیں۔

مادی نقطۂ نگاہ اور اس کی حقیقت

مادی نقطۂ نگاہ کی حقیقت یہ ہے کہ انسان صرف اپنی دنیاوی و فوری لذتوں کے حصول کے پیچھے پڑا رہے اور اس کی ساری تگ ودو، حرکات ونشاط اسی ایک چیز پر مرکوز ہو کر رہ جائے۔اس کے آگے وہ کچھ سوچتا نہ ہو کہ خواہشاتِ نفس اور لذت پرستی کے پیچھے اس طرح سے دوڑنے کا انجام کیا ہو سکتا ہے، اور اس کی بھی پرواہ نہیں کرتا کہ اللہ تعالیٰ نے اس دنیا کو صرف آخرت کی کھیتی اور عمل کا گھر بنایا ہے اور آخرت کو جزاو سزا کا گھر بنایا ہے۔لٰہذا جو شخص بھی دنیاوی زندگی کو غنیمت جان کر اس میں نیک عمل کرتا ہے وہ دنیاو آخرت دونوں جہاں کے فائدے سے لطف اٹھاتا ہے۔اور جو اپنی دنیاوی زندگی کو ضائع کر دیتا ہے وہ اپنی آخرت کو بھی کھو دیتا ہے۔ارشاد ربانی ہے:

﴿خَسِرَ الدُّنْيَا وَالْآخِرَةَ ذَٰلِكَ هُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِينُ﴾ (الحج: ۱۱)

(دنیا میں بھی نقصان اٹھایا اور آخرت میں بھی، یہی تو نقصانِ صریح ہے)

اللہ تعالیٰ نے اس دنیا کو یوں ہی بیکار نہیں بنایا ہے بلکہ ایک عظیم حکمت، مصلحت کے واسطے ہی پیدا فرمایا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿الَّذِیْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَیَاۃَ لِیَبْلُوَکُمْ أَیُّکُمْ أَحْسَنُ عَمَلاً﴾ (الملک: ۲)

(اس نے موت اور زندگی کو پیدا کیا تاکہ تمہاری آزمائش کرے کہ تم میں کون اچھا عمل کرتا ہے)

ایک اور جگہ ارشاد ہے:

﴿إِنَّا جَعَلْنَا مَا عَلَی الْأَرْضِ زِیْنَۃً لَّهَا لِنَبْلُوَهُمْ أَیُّهُمْ أَحْسَنُ عَمَلاً﴾ (الکهف: ۷)

(جو چیز زمین پر ہے ہم نے اس کو زمین کے لئے آرائش بنایا ہے تاکہ لوگوں کی آزمائش کریں کہ ان میں کون اچھا عمل کرنے والا ہے)

اللہ تعالیٰ نے اس زندگی میں اموال و اولاد، جاہ و منزلت، اقتدار و منصب اور دیگر لذائذ میں سے ایسے ایسے عارضی خوشگوار نعمتیں اور ظاہری زیب و زینت کے سامان پیدا فرمائے ہیں جن کا علم صرف اللہ ہی کو ہے۔ لہٰذا لوگوں میں جن کی نگاہ صرف ان نعمتوں اور زینتوں کی ظاہری شکل و صورت پر رہتی ہے، اور زیادہ سے زیادہ ان سے لطف اندوز ہونے پر لگے رہتے ہیں، اور ان کی پوشیدہ حکمتوں کے بارے میں نہیں سوچتے ہیں اور نہ ہی ان کے غلط استعمال کے انجام و عواقب کی پرواہ کرتے ہیں بلکہ اس سے ایک قدم آگے بڑھ کر آخرت کا سرے سے انکار ہی کر دیتے ہیں۔ جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَقَالُوا إِنْ هِیَ إِلَّا حَیَاتُنَا الدُّنْیَا وَمَا نَحْنُ بِمَبْعُوثِیْنَ﴾ (الانعام: ۲۹)

(اور کہتے ہیں کہ ہماری جو دنیا کی زندگی ہے بس یہی (زندگی) ہے اور ہم (مرنے کے بعد) پھر زندہ نہیں کئے جائیں گے)

ایسے لوگوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے سخت وعید سنائی ہے: ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿إِنَّ الَّذِينَ لَا يَرْجُونَ لِقَاءَنَا وَرَضُوا بِالْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَاطْمَأَنُّوا بِهَا وَالَّذِينَ هُمْ عَنْ آيَاتِنَا غَافِلُونَ - أُولَٰئِكَ مَأْوَاهُمُ النَّارُ بِمَا كَانُوا يَكْسِبُونَ﴾ (یونس: ۷،۸)

(جن لوگوں کو ہم سے ملنے کی توقع نہیں اور دنیا کی زندگی سے خوش اور اسی پر مطمئن ہو بیٹھے ہیں اور ہماری آیات ونشانیوں سے غافل ہو رہے ہیں، ان کا ٹھکانا ان (اعمال) کے سبب جو وہ کرتے ہیں جہنم ہے)

اور ایک جگہ ارشاد ہے:

﴿مَنْ كَانَ يُرِيدُ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا وَزِينَتَهَا نُوَفِّ إِلَيْهِمْ أَعْمَالَهُمْ فِيهَا وَهُمْ فِيهَا لَا يُبْخَسُونَ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ لَيْسَ لَهُمْ فِي الْآخِرَةِ إِلَّا النَّارُ وَحَبِطَ مَا صَنَعُوا فِيهَا وَبَاطِلٌ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ﴾

(ھود: ۱۵،۱۶)

(جو لوگ دنیا کی زندگی اور اس کی زیب وزینت کے طالب ہوں، ہم ان کے اعمال کا بدلہ انہیں دنیا ہی میں دے دیتے ہیں، اور اس میں ان کی حق تلفی نہیں کی جاتی، یہ وہ لوگ ہیں جن کے لئے آخرت میں آتش جہنم کے سوا اور کچھ نہیں اور جو عمل انہوں نے دنیا میں کئے سب برباد اور جو کچھ وہ کرتے رہے سب ضائع ہوا)

اس وعید وپھٹکار میں اس نظریہ کے جملہ حاملین شامل ہیں۔ چاہے وہ لوگ ہوں جو صرف حصولِ دنیا کے لئے اخروی اعمال کرتے ہیں، جیسے منافقین وریاکار، یا اہل کفر والحاد جو سرے سے آخرت اور اس کے حساب وکتاب پر ایمان ہی نہیں رکھتے۔ جیسے زمانۂ جاہلیت میں عام لوگوں کا حال تھا، یا پھر آج کل کے باطل وفاسد نظامہائے زندگی، جیسے سرمایہ داری، کمیونزم، سیکولرزم، الحاد وغیرہ۔ زندگی کے سلسلہ میں ان کی نگاہ مادیت سے آگے نہیں بڑھتی، یہ ہر چیز کو حیوانات وبہائم کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ ایسا کیوں نہ ہو جب کہ یہ بہائم (چوپایوں)

سے بھی زیادہ گمراہ ہیں کیونکہ انہوں نے اپنی عقل و آگہی سے کام لینا چھوڑ دیا ہے، اور اپنی پوری طاقت کو مادہ ہی کے لئے وقف کر رکھا ہے۔ اپنا سارا وقت ایسی چیزوں کے حصول کے لئے ضائع کرتے ہیں جو پائیدار نہیں اور اپنے اس انجام کے لئے کچھ نہیں کرتے جو ان کا انتظار کر رہا ہے اور جس سے کسی حال میں ان کو چھٹکارا نہیں۔ یہ حیوانات سے اس لئے بدتر ہیں کہ حیوانات کا کوئی ایسا انجام نہیں جس کا انہیں انتظار ہو اور نہ ہی ان کے پاس عقل و آگہی ہے، بر خلاف ان انسانی حیوانات کے، ارشاد ربانی ہے:

﴿أَمْ تَحْسَبُ أَنَّ أَكْثَرَهُمْ يَسْمَعُونَ أَوْ يَعْقِلُونَ إِنْ هُمْ إِلَّا كَالْأَنْعَامِ بَلْ هُمْ أَضَلُّ سَبِيلًا﴾

(الفرقان:۴۴)

(کیا تم یہ خیال کرتے ہو کہ ان میں اکثر سنتے یا سمجھتے ہیں؟ یہ تو چوپایوں کی طرح ہیں بلکہ ان سے بھی زیادہ گمراہ ہیں)

اس طرح کے لوگوں کو اللہ تعالی گنوار و جاہل اور ان پڑھ سے متصف کرتا ہے۔

فرمانِ الٰہی ہے:

﴿وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ - يَعْلَمُونَ ظَاهِرًا مِّنَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا

وَهُمْ عَنِ الْآخِرَةِ هُمْ غَافِلُونَ﴾ (الروم:۶-۷)

(لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے، یہ تو دنیا کی ظاہری زندگی ہی کو جانتے ہیں اور آخرت کی طرف سے غافل ہیں)

اس نظریہ کے حاملین میں سے بہت سے اگرچہ دنیاوی علوم و فنون کے ماہر ہوتے ہیں لیکن باطنی طور پر اور حقیقی اعتبار سے یہ جاہل و گنوار ہی ہوتے ہیں۔ علماء جیسی عزت و شرف والی صف میں ان کو داخل کرنا صحیح نہیں ہے، چونکہ ان کا علم دنیاوی زندگی کی ظاہری

چمک دمک سے آگے تجاوز نہیں کرتا، اسے علمِ ناقص ہی کہہ سکتے ہیں، بلکہ علماء کہلانے کے مستحق تو وہ حضرات ہیں جن کو اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل ہے۔ اس کی خشیت وخوف ان کے اندر ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿إِنَّمَا يَخْشَى اللَّهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ﴾ (فاطر:۲۸)

(اللہ سے تو اس کے بندوں میں سے وہی ڈرتے ہیں جو صاحبِ علم ہیں)

مادی نقطۂ نظر میں سے یہ بھی ہے جو اللہ تعالیٰ نے قارون اور جو خزانے اسے عطاء فرمائے تھے کے قصہ میں بیان فرمایا ہے:

﴿فَخَرَجَ عَلَىٰ قَوْمِهِ فِي زِينَتِهِ قَالَ الَّذِينَ يُرِيدُونَ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا يَا لَيْتَ لَنَا مِثْلَ مَا أُوتِيَ قَارُونُ إِنَّهُ لَذُو حَظٍّ عَظِيمٍ﴾ (القصص:۷۹)

(تو (ایک روز) قارون (بڑی) آرائش (اور ٹھاٹھ) سے اپنی قوم کے سامنے نکلا، جو لوگ دنیائی زندگی کے طالب تھے، کہنے لگے کہ جیسا (مال و متاع) قارون کو ملا ہے، کاش (ایسا ہی) ہمیں بھی ملے، وہ تو بڑا ہی صاحبِ نصیب ہے)

اس آیتِ کریمہ میں بیان ہوا ہے کہ مادی نقطۂ نگاہ والوں نے قارون کی طرح بننے کی تمنا کی، اس پر رشک کیا اور اس کو بڑا نصیب والا گردانا، آج کافر ریاستوں کا یہی حال ہے، کافر ریاستوں میں دولت کی ریل پیل ہے، اقتصادی وصنعتی ترقی ہے اس کو دیکھ کر ہمارے بعض کمزور ایمان والے مسلمان بھائی ان کو پسندیدگی واستحسان کی نگاہ سے دیکھنے لگے ہیں اور ان کے کفر و شرک اور برے انجام کی طرف نگاہ نہیں دوڑاتے، اس کے نتیجہ میں لوگ کافروں اور ملحدوں کی تعظیم وتکریم کرنے لگتے ہیں۔ اور ان کی بری عادتوں اور برے اخلاق کی نقل کرنے لگتے ہیں۔ لیکن ان کی جد وجہد، کوشش ومحنت، ایجاد واختراع اور قوت وطاقت کی تیاری جیسی مفید چیزوں میں ان کی تقلید نہیں کرتے۔

زندگی سے متعلق صحیح نظریہ

زندگی کے بارے میں دوسرا نظریہ یا نقطہ نگاہ یہ ہے کہ مال و دولت، جاہ و منصب، مادی قوت و طاقت اور تمام دنیاوی چیزوں کو اخروی اعمال کے وسائل سمجھے جائیں اور اس کے لئے ان سے فائدہ اٹھایا جائے۔

دنیا فی ذاتہ بری چیز نہیں ہے، اس کی برائی و اچھائی تو بندہ کے عمل سے ثابت ہوتی ہے کہ وہ اس کو کس نگاہ سے دیکھتا ہے۔ دراصل دنیا آخرت کا پل ہے۔ دنیا ہی سے جنت کا توشہ لیا جاتا ہے۔ جنت کی بہترین زندگی دنیا میں اچھی کھیتی کرنے ہی سے ملتی ہے۔

دنیا جد و جہد، جہاد و نماز، قیام و صیام اور خیرات و صدقات کا گھر ہے۔ اہل جنت سے اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائے گا:

﴿كُلُوا وَاشْرَبُوا هَنِيئًا بِمَا أَسْلَفْتُمْ فِي الْأَيَّامِ الْخَالِيَةِ﴾ (الحاقۃ: ۲۴)

(جو (عمل) تم ایام گزشتہ میں آگے بھیج چکے ہو اس کے صلے میں مزے سے کھاؤ اور پیو)

گزشتہ ایام یعنی دنیا۔

دسویں فصل

دم، جھاڑ پھونک و تعویذ گنڈے

دم، جھاڑ پھونک

الرقی: (دم جھاڑ) کی تعریف: "جمع رُقیۃ ۔ وھی : العُوذۃ التی یُرقی بھا صاحبُ الآفۃ کالحمّی والصرع، وغیر ذلک من الآفات، ویُسمونھا العزائم" (یہ رقیہ کی جمع

ہے، اس میں منتر وغیرہ پڑھ کر مریضوں، آفت زدوں پر پھونکا جاتا ہے، جیسے بخار، مرگی، آسیب وغیرہ، اسے عزائم (منتر) بھی کہا جاتا ہے)، اس کی دو قسمیں ہیں جو حسب ذیل ہیں۔

اول: جو شرک سے خالی ہو: بایں طور پر کہ مریض پر قرآن میں سے کچھ پڑھ کر پھونکا جائے یا پھر اللہ تعالیٰ کے اسماء وصفات کا نام لے کر مریض کے لئے پناہ مانگی جائے۔ یہ قسم جائز ہے، کیونکہ خود آپ ﷺ نے جھاڑ پھونک کیا ہے، اور آپ ﷺ نے اس کی اجازت دی ہے، بلکہ اس کا حکم بھی دیا ہے۔

سیدنا عوف بن مالک رضی اللہ عنہ سے یہ روایت مروی ہے آپ کہتے ہیں کہ ہم جاہلیت میں جھاڑ پھونک کیا کرتے تھے۔ لہٰذا ہم نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول (ﷺ)! اس بارے میں آپ کیا فرماتے ہیں؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''اَعْرِضُوا عَلَيَّ رُقَاكُمْ لَا بَأْسَ بِالرُّقَى مَا لَمْ تَكُنْ شِرْكًا''[1] (اپنی جھاڑ پھونک مجھے بھی دکھاؤ اس میں کوئی حرج نہیں جب تک کہ اس کے اندر شرک نہ ہو)

علامہ سیوطی رحمہ اللہ نے فرمایا: جھاڑ پھونک کے جواز پر علماء کا اجماع ہے، لیکن اس کے لئے تین شرطیں ہیں۔

۱- اول یہ کہ اس میں کلام الٰہی یا اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ یا صفات استعمال کئے گئے ہوں۔

۲- دوسری یہ ہے کہ وہ عربی زبان میں ہو اور اس کا مفہوم ومعنی واضح ہو۔

۳- اور تیسری شرط یہ کہ جھاڑ پھونک کرنے والے اور کرانے والے دونوں کا یہ اعتقاد ہو کہ

[1] مسلم السلام (۲۲۰۰)، أبو داود الطب (۳۸۸۶).

یہ چیزیں بذاتِ خود مؤثر نہیں ہوتی ہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی قدرت سے ہوتی ہیں[1]۔

اس کی کیفیت یہ ہے کہ جو کچھ پڑھنا ہے اسے پہلے پڑھ لیا جائے پھر مریض پر پھونکا جائے یا پانی پر پھونکا جائے اور وہ پانی مریض کو پلا دیا جائے۔ جیسے کہ سیدنا ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کی حدیث میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے "أَخَذَ تُرَابًا مِنْ بَطْحَانَ فَجَعَلَهُ فِي قَدَحٍ ثُمَّ نَفَثَ عَلَيْهِ بِمَاءٍ وَصَبَّهُ عَلَيْهِ"[2] (بطحان سے مٹی لی، اس کو ایک پیالے میں کیا، پانی کے ذریعہ اس پر پھونکا اور پانی کو اس پر انڈیل دیا)۔

دوم: جھاڑ پھونک کی دوسری قسم وہ ہے جس میں شرک پایا جائے۔ اس طرح کے جھاڑ پھونک میں غیر اللہ سے مدد مانگی جاتی ہے۔ غیر اللہ سے دعا کی جاتی ہے، غیر اللہ کی دہائی دی جاتی ہے، غیر اللہ کو پکارا جاتا ہے، اس سے پناہ مانگی جاتی ہے، جیسے جن، یا فرشتے، یا انبیا صالحین کے ناموں کو پڑھ کر پھونکنا۔

اس میں کھلے طور پر غیر اللہ کو پکارا جاتا ہے، جو شرک اکبر ہے یا پھر وہ عربی کے علاوہ دوسری زبانوں میں ہوتا ہے، یا اس کے معنی و مفہوم واضح نہیں ہوتے ہیں، ایسی صورت میں پورا اندیشہ رہتا ہے کہ اس میں شرکیہ و کفریہ کلمات ہوں اور پڑھنے والے کو اس کا علم نہ ہو لہذا اس طرح کے تمام جھاڑ پھونک ممنوع و ناجائز ہیں۔

تعویذ گنڈہ

تمائم کی تعریف: "جمع تميمة ، وهي : ما يعلق بأعناق الصبيان لدفع

[1] فتح المجید ص ۱۳۵۔

[2] (ابو داؤد، کتاب الطب ۳۳۸۷)

العین، وقد یعلق علی الکبار من الرجال والنساء" (تمائم (تعویذ و گنڈا) تمیمہ کی جمع ہے اس سے مراد وہ تعویذ[1] ہے جو بچوں کو نظر بد سے بچانے کے لئے ان کے گلے میں لٹکائے جاتے ہیں، اور کبھی کبھی مرد و عورت دونوں کے بڑے بوڑھوں پر بھی لٹکائے جاتے ہیں)۔ تعویذ کی دو قسمیں ہیں:

پہلی قسم: وہ تعویذ جو قرآن حکیم میں سے تیار کئے گئے ہوں یا تو ان میں قرآن کی آیتیں لکھی گئی ہوں یا اللہ تعالی کے اسماء وصفات لکھے گئے ہوں اور شفاء حاصل کرنے کے لئے وہ مریض کے بدن کے کسی حصہ میں باندھے جاتے ہوں، یا اس کے گلے میں لٹکائے جاتے ہوں۔ اس طرح کی تعویذ لٹکانے کے سلسلہ میں علماء کا اختلاف ہے اور اس بارے میں ان کی دو رائے یا دو اقوال سامنے آئے ہیں۔

پہلا قول: جائز ہے، یہ سیدنا عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کا قول ہے[2]، سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کردہ حدیث کا بھی ظاہری معنی اسی پر دلالت کرتا ہے۔ سیدنا ابو جعفر الباقر اور احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے بھی اس کی تائید کی ہے اور اس سے منع والی حدیث کو شرکیہ تعویذ پر محمول کیا ہے۔

[1] تعویذ دراصل اللہ تعالی سے پناہ مانگنے کے عمل کو کہا جاتا ہے جسے کرنے کا حکم ہے جبکہ گلے وغیرہ میں جو دھاگے وغیرہ باندھے جاتے ہیں انہیں تمیمہ کہا جاتا جو کہ حرام ہیں، لیکن بعض مکار اہل شرک وبدعت ہمارے یہاں ان تمائم کو حلال بنانے کے لئے ان کا نام تعویذ رکھ کر عوام کو دھوکہ دیتے ہیں۔ (ط ع)

[2] عبداللہ بن عمرو بن العاص کی حدیث کا جواب علماء کرام یہ دیتے ہیں کہ اول تو یہ حدیث ضعیف ہے، دوسرا اس میں بھی ہے کہ وہ چھوٹے بچے جن کو دعا یاد نہ ہوتی ان کے گلے میں تختی بطور تعلیم لٹکاتے تھے اور بڑوں کو یاد کرواتے تھے۔ (ط ع)

دوسرا قول: عدم جواز کا ہے یہ سیدنا ابن مسعود اور ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے اور حذیفہ، عقبہ بن عامر، ابن عکیم رضی اللہ عنہم وغیرہم کا ظاہر قول بھی یہی ہے، اور تابعین کی ایک جماعت کا بھی یہی کہنا ہے، ان میں سے اصحاب ابن مسعود اور ایک روایت کے مطابق احمد بھی شامل ہیں جسے ان کے بہت سے اصحاب نے اختیار فرمایا ہے۔ متاخرین نے پورے جزم کے ساتھ عدم جواز کا فتویٰ دیا ہے اور سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث کو دلیل بنایا ہے کہ وہ فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا: "إِنَّ الرُّقَى وَالتَّمَائِمَ وَالتِّوَلَةَ شِرْكٌ"[1] (جھاڑ پھونک، تعویذ گنڈے اور جنتر منتر شرک ہیں)[2]

التولۃ (جادوئی منتر اور جڑی بوٹی) یہ ایک خاص جادوئی نسخہ ہے، جسے بعض لوگ اس خیال سے بناتے ہیں کہ یہ بیوی کو شوہر کی پیاری اور شوہر کو بیوی کا پیارا بناتا ہے۔

تین وجوہات کی بنا پر دوسرا قول ہی صحیح ہے۔

اول: ہر طرح کی تعویذ سے عمومی طور پر روکا گیا ہے، اور اس عموم کو خاص کرنے والی کوئی چیز موجود نہیں۔

دوم: اس کے ذریعہ فتنہ وفساد کا راستہ ہی روک دیا جاتا ہے، کیونکہ اس کے جواز کے بعد لوگ وہ چیزیں استعمال کرنے لگیں گے جو واقعی مباح نہیں۔

سوم: جب قرآنی آیتوں سے تیار کردہ تعویذ لٹکایا جاتا ہے تو لٹکانے والے سے اس کی بے

[1] أبو داود الطب (۳۸۸۳)، ابن ماجه الطب (۳۵۳۰)، أحمد (۳۸۱/۱)

[2] اسی معنی کی ایک اور حدیث موجود ہے کہ: "مَنْ عَلَّقَ تَمِيمَةً فَقَدْ أَشْرَكَ" (سلسلہ احادیث صحیحہ ۴۹۲)
(جس نے تعویذ لٹکایا اس نے شرک کیا) (ط ع)

حرمتی ہوتی جاتی ہے مثلاً بیت الخلاء، یا استنجاء کے وقت اسے اپنے پاس سے الگ نہیں کر پاتا[1]۔

دوسری قسم: اس میں قرآن مجید کے علاوہ دوسری تمام لٹکانے والی چیزیں آجاتی ہیں، جیسے ٹھیکرے، ہڈیاں، سیپ دھاگے، جوتیاں، کیلیں، شیاطین وجن کے نام اور طلاسم وغیرہ۔ تعویذوں کی یہ قسم سراسر حرام ہے۔ اس میں کھلا شرک ہے، اس لئے کہ اس طرح کی چیزوں میں اللہ تعالیٰ اور اس کے اسماء وصفات اور قرآنی آیات کے بجائے دیگر چیزوں کے نام لٹکائے جاتے ہیں۔ جب کہ ایک حدیث شریف کے الفاظ ہیں: "مَنْ تَعَلَّقَ شَيْئًا وُكِلَ إِلَيْهِ"[2] (جو شخص کسی چیز کو لٹکاتا ہے وہ اسی کے سپرد کر دیا جاتا ہے)

یعنی اللہ تعالیٰ اس کو اسی چیز کے سپرد کر دیتا ہے اور اگر کوئی اللہ تعالیٰ سے لو لگائے رہتا ہے اس کی پناہ چاہتا ہے اور اپنے معاملات بھی اس کے سپرد کر دیتا ہے تو ایسے شخص کے لئے اللہ تعالیٰ خود کافی ہو جاتا ہے، اس کے ہر دور کو قریب کر دیتا ہے اور ہر مشکل کو آسان بنا دیتا ہے اور جو اس کے علاوہ دیگر مخلوقات، تعویذوں و (جادوئی) دواؤں اور مقابر ومزارات کا سہارا لیتے ہیں تو اللہ تعالیٰ انہیں انہی کے سپرد کر دیتے ہیں جو اسے نفع نہیں پہنچا سکتے ہیں، اس کی وجہ سے اس کا عقیدہ بھی جاتا ہے اور اللہ سے اس کے تعلقات ختم ہو جاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ بھی اس کا ساتھ چھوڑ دیتے ہیں۔

لہذا ایک مسلمان کو سب سے پہلے اپنے عقیدہ کی حفاظت کرنی چاہیے اور کوئی کام ایسا نہیں کرنا چاہیے جس سے اس کا عقیدہ بگڑتا ہو یا اس میں انحراف پیدا ہوتا ہو۔ لہذا ناجائز

1 فتح المجید ص ۱۳۶
2 صحیح ترمذی ۲۰۷۲

دوائیں استعمال نہ کریں، نجومیوں، کاہنوں، عاملوں اور شعبدہ بازوں کے پاس ہرگز ہرگز نہ جائیں۔ اس لئے کہ یہ لوگ آدمی کو اچھا کرنے کے بجائے اس کے دل کو اور بیمار کر دیتے ہیں اور اس کے عقیدہ کو بگاڑ دیتے ہیں۔ لیکن جو اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرتا ہے وہ اس کے لئے کافی ہو جاتا ہے۔

اس طرح کی تعویذیں بعض حضرات خود اپنے اوپر ڈال لیتے ہیں جب کہ انہیں جسمانی طور پر کوئی مرض نہیں ہوتا بلکہ یہ خیالی وہمی مریض ہوتے ہیں۔ جیسے نظر بد، حسد سے خوف وغیرہ۔ کچھ لوگ تو اپنے گاڑی، جانور، گھر کے دروازہ، دوکان پر تعویذ لٹکاتے ہیں۔ یہ سب عقیدہ اور اللہ تعالیٰ پر توکل کی کمزوری ہے اور عقیدہ واعتقاد میں کمزوری پیدا ہو جانا ہی دراصل سب سے بڑی بیماری ہے جس کا فوری علاج از حد ضروری ہے جو توحید کی معرفت اور عقیدۂ صحیحہ کے علم ہی سے ہو سکتا ہے (اور یہی اس کتاب کا مقصد ہے)۔

گیارہویں فصل

غیر اللہ کی قسم، مخلوق کا وسیلہ اور مخلوق کی دہائی کے احکام کا بیان

غیر اللہ کی قسم

قسم کو عربی میں حلف کہا جاتا ہے، اس سے مراد "توکید الحکم بذکر معظم علی وجہ الخصوص" (کسی حکم وفیصلہ کو مؤکد کرنے کے لئے خصوصی طور پر کسی بڑے اور عظیم شخص یا چیز کا نام لینا) ہے، چونکہ غایت درجہ کی تعظیم کا مستحق صرف اللہ تعالیٰ ہے، اس لئے اس کے علاوہ کسی دوسرے کی قسم کھانا یا قسم کے وقت نام لینا جائز نہیں ہے۔

علمائے کرام کا اس پر اجماع ہے کہ صرف اللہ تعالیٰ اور اس کے اسماء و صفات کی ہی قسم کھائی جا سکتی ہے۔ اسی طرح اس بات پر بھی اجماع ہے کہ غیر اللہ کی قسم کسی حال میں جائز نہیں [1] کیونکہ غیر اللہ کی قسم کھانا شرک ہے۔ اس کی دلیل سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث ہے کہ جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''مَنْ حَلَفَ بِغَيْرِ اللهِ فَقَدْ كَفَرَ أَوْ أَشْرَكَ'' [2] (جس نے غیر اللہ کی قسم کھائی اس نے کفر یا شرک کیا)۔

یہ شرکِ اصغر ہے لیکن اگر جس کی قسم کھائی جائے وہ قسم کھانے والے کے نزدیک اتنی معزز ہستی ہو کہ بات اس کی عبادت تک پہنچ جائے تو اس کی قسم کھانا شرکِ اکبر ہے۔ جیسا کہ آج ہمارے قبر پرستوں کا حال ہے۔ یہ لوگ صاحبِ قبر سے اتنا ڈرتے ہیں کہ جتنا اللہ تعالیٰ سے نہیں ڈرتے اور اس کی اتنی تعظیم کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی نہیں کرتے۔ لہٰذا ان میں سے کسی کو اگر کسی ولی کی قسم کھانے کو کہا جائے تو اس کی قسم نہیں کھاتا مگر سچی اور اگر اللہ تعالیٰ کی قسم کھانے کو کہا جائے تو کھا لیتا ہے اگرچہ وہ جھوٹا ہو۔ دراصل قسم میں جس کی قسم کھائی جاتی ہے اس کی بے حد تعظیم و تکریم ہوتی ہے اور اس طرح کی تعظیم و تکریم صرف اللہ ہی کو زیب دیتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی قسم کھانے میں بھی بہت زیادہ احتیاط برتنے کی ضرورت ہے۔ اور ہر جگہ اور ہر موقع پر اس کا استعمال نہیں کرنا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَلَا تُطِعْ كُلَّ حَلَّافٍ مَّهِينٍ﴾ (القلم: ۱۰)

(اور کسی ایسے شخص کے کہے میں نہ آنا جو بہت قسمیں کھانے والا ذلیل اوقات ہے)

[1] حاشية ابن قاسم على كتاب التوحيد ص ۳۰۲.

[2] الترمذي النذور والأيمان (۱۵۳۵) ، أبو داود الأيمان والنذور (۳۲۵۱).

نیز فرمایا:

﴿وَاحْفَظُوا أَيْمَانَكُمْ﴾ (المائدۃ:۸۹)

((اور تمہیں) چاہیئے کہ اپنی قسموں کی حفاظت کرو)

یعنی بوقتِ ضرورت اور سچائی و نیکی کے معاملہ ہی میں قسم کھاؤ اس لئے کہ بہت زیادہ قسم کھانا اور جھوٹی قسم کھانا اللہ تعالی کے ساتھ تمسخر کرنے کے مترادف ہے جو کمالِ توحید کے سراسر خلاف ہے، ایک حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "ثَلَاثَةٌ لَا يُكَلِّمُهُمُ اللهُ وَلَا يُزَكِّيهِمْ، وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ" (تین اشخاص سے اللہ تعالی بات نہیں کرے گا اور نہ انہیں پاک وصاف کرے گا، اور ان کے لئے دردناک عذاب ہوگا) اسی حدیث میں آگے یوں آیا ہے: "وَرَجُلٌ جَعَلَ اللهَ بِضَاعَةً، لَا يَشْتَرِي إِلَّا بِيَمِينِهِ، وَلَا يَبِيعُ إِلَّا بِيَمِينِهِ"[1] (اور وہ شخص جس نے اللہ تعالی کو اپنا سامان بنا لیا، لہٰذا وہ جب کچھ بیچتا ہے تو اس کی قسم کھا کر اور خریدتا ہے تو اس کی قسم کھا کر)

زیادہ قسم کھانے کی جو وعید آئی ہے اس سے صاف پتہ چلتا ہے کہ زیادہ قسم کھانا حرام ہے۔ تاکہ اللہ تعالی کی ذاتِ گرامی اور اسماء وصفاتِ مقدسہ کی تعظیم و تکریم مخدوش نہ ہو۔

اسی طرح اللہ کی جھوٹی قسم کھانا بھی حرام ہے، اسے یمینِ غموس (ڈبا دینے والی قسم)[2] بھی کہا گیا ہے۔ اللہ تعالی نے منافقوں کے وصف میں فرمایا کہ یہ لوگ حقیقتِ حال

[1] البخاري الشهادات (۲٥۲۷)، مسلم الإيمان (۱۰۸)، الترمذي السير (۱٥۹٥)، النسائي البيوع (۴۴٦۲)، ابن ماجه التجارات (۲۲۰۷)، أحمد (۲/۲٥۳).

[2] جو اپنے کھانے والے کو پہلے گناہ میں ڈبا دیتی ہے پھر جہنم میں ڈبا دے گی، اور اس میں کسی گزرے ہوئے ماضی کے واقعے کے بارے میں جانتے بوجھتے جھوٹ بولا جاتا ہے۔

سے واقف ہونے کے باوجود جھوٹی قسم کھاتے ہیں۔

قسم کے احکام کا خلاصہ

۱- غیر اللہ جیسے امانت، کعبہ مشرفہ یا نبی کریم ﷺ کی قسم کھانا حرام ہے اور شرک بھی۔

۲- جان بوجھ کر اللہ تعالیٰ کی جھوٹی قسم کھانا بھی حرام ہے (اسے یمینِ غموس کہا جاتا ہے)۔

۳- اللہ تعالیٰ کی بکثرت قسم کھانا حرام ہے، چاہے وہ اپنی قسم میں سچا ہی کیوں نہ ہو، اس لئے کہ بلاضرورت قسم کھانا اللہ تعالیٰ کے ساتھ مذاق کرنا ہے۔

۴- ضرورت کے وقت سچائی کے موقع پر اللہ تعالیٰ کی قسم کھانا جائز ہے۔

اللہ کا قرب حاصل کرنے کے لئے مخلوق کا وسیلہ

التوسل (وسیلہ) کے معنی: "هو التقرب إلى الشيء والتوصل إليه، والوسيلة: القربة" (کسی چیز سے قریب ہونے اور پہنچنے کے ہیں اور وسیلہ قربت کو کہتے ہیں)، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

﴿وَابْتَغُوا إِلَيْهِ الْوَسِيلَةَ﴾ (المائدة: ۳۵)

(اور اس کا قرب حاصل کرنے کا ذریعہ تلاش کرتے رہو)

یعنی اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے ذریعہ اس کا قرب حاصل کرنا اور اس کی رضا چاہنا۔

وسیلے کی اقسام و احکام

قسم اول: مشروع وسیلہ، اس کے بھی چند اقسام ہیں۔

۱- اللہ تعالیٰ کے اسماء وصفات کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کا تقرب حاصل کرنا، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے

ہمیں حکم دیا ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلِلّٰهِ الْأَسْمَاءُ الْحُسْنٰى فَادْعُوْهُ بِهَا وَذَرُوا الَّذِيْنَ يُلْحِدُوْنَ فِيْ أَسْمَائِهِ سَيُجْزَوْنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ﴾ (الاعراف: ۱۸۰)

(اور اللہ کے سب نام اچھے ہی اچھے ہیں تو اس کو اس کے ناموں سے پکارا کرو، اور جو لوگ اس کے ناموں میں الحاد (کجی اختیار) کرتے ہیں ان کو چھوڑ دو، وہ جو کچھ کر رہے ہیں عنقریب اس کی سزا پائیں گے)

۲۔ سابقہ ایمان اور ان اعمالِ صالحہ کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کی قربت حاصل کرنا جنہیں متوسل (وسیلہ دینے والا) بجالا چکا ہے۔ اہلِ ایمان کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے ہمیں یہ خبر دی ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿رَبَّنَا إِنَّنَا سَمِعْنَا مُنَادِيًا يُّنَادِيْ لِلْإِيْمَانِ أَنْ آمِنُوْا بِرَبِّكُمْ فَآمَنَّا رَبَّنَا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَكَفِّرْ عَنَّا سَيِّئَاتِنَا وَتَوَفَّنَا مَعَ الْأَبْرَارِ﴾ (آل عمران: ۱۹۳)

(اے رب! ہم نے ایک ندا کرنے والے کو سنا کہ ایمان کے لئے پکار رہا تھا، (یعنی اپنے) رب پر ایمان لاؤ، تو ہم ایمان لئے آئے اے ہمارے رب! ہمارے گناہ معاف فرما اور ہماری برائیوں کو ہم سے محو کر اور ہم کو دنیا سے نیک بندوں کے ساتھ اٹھا)

اور جیسا کہ ان تین اشخاص کے متعلق حدیث میں آیا ہے جن پر چٹان کھسک آئی تھی اور ان کے غار کا دروازہ بند ہو گیا تھا۔ جس سے وہ نکل نہیں پا رہے تھے۔

لہٰذا انہوں نے نیک اعمال کا توسل اختیار کیا جس کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ نے ان سے چٹان کو کھسکا دیا اور وہ چلتے ہوئے نکل آئے[1]۔

۳۔ اللہ تعالیٰ کی توحید کے ذریعہ توسل اختیار کرنا جیسا کہ سیدنا یونس علیہ السلام نے کیا تھا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿فَنَادَىٰ فِي الظُّلُمَاتِ أَن لَّا إِلَٰهَ إِلَّا أَنتَ سُبْحَانَكَ﴾ (الانبیاء:۸۷)

(آخر اندھیروں میں (اللہ کو) پکارنے لگے کہ تیرے سوا کوئی معبودِ حقیقی نہیں تو پاک ہے)

۴۔ اللہ تعالیٰ کا توسل اپنی کمزوری و ناتوانی، ضرورت و فقر کے اظہار کے ذریعہ جیسا کہ سیدنا ایوب علیہ السلام نے کہا تھا۔ آیت کریمہ ہے:

﴿أَنِّي مَسَّنِيَ الضُّرُّ وَأَنتَ أَرْحَمُ الرَّاحِمِينَ﴾ (الانبیاء:۸۳)

(مجھے ایذا ہو رہی ہے اور تو سب سے بڑھ کر رحم کرنے والا ہے)

۵۔ اللہ تعالیٰ کا توسل و تقرب زندہ بزرگوں اور صالحین کی دعاؤں کے ذریعہ جیسا کہ صحابہ کرام کیا کرتے تھے کہ جب خشک سالی آتی تھی تو نبی اکرم (ﷺ) سے درخواست کرتے کہ آپ (ﷺ) اللہ تعالیٰ سے ان کے لئے دعاء فرمائیں، پھر جب آپ (ﷺ) کی وفات ہوگئی تو آپ ﷺ کے چچا محترم سیدنا عباس رضی اللہ عنہ سے دعا کی درخواست کرتے تھے اور آپ

---

[1] یہ ایک حدیث کا مفہوم ہے جو کہ صحیح بخاری ۲۲۷۲ و مسلم ۲۷۴۳ میں ہے، کہ ان میں سے ایک نے والدین کے ساتھ حسن سلوک کے وسیلے سے دعاء کی، دوسرے نے اپنی پاکبازی کے اور تیسرے نے مزدور کو اس کا پورا اجر دینے جیسے نیک اعمال کے وسیلے سے دعاء کی۔ (ط ع)

ان کے لئے دعا کرتے تھے۔

٦۔ اللہ تعالیٰ کا توسل اپنے گناہوں کے اعتراف کے ذریعہ۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿قَالَ رَبِّ إِنِّي ظَلَمْتُ نَفْسِي فَاغْفِرْ لِي﴾ (القصص:١٦)

(بولے کہ اے رب! میں نے اپنے آپ پر ظلم کیا تو مجھے بخش دے)

قسم ثانی: غیر مشروع وسیلہ مذکورہ بالا جائز توسل کے علاوہ توسل کے لئے جو بھی طریقہ اختیار کیا جائے گا وہ ناجائز ہوگا، جیسے فوت شدگان سے دعاء اور سفارش کا توسل، رسول اللہ ﷺ کے رتبہ عالیہ یا دیگر مخلوقات کی ذات یا ان کے حق کے ذریعہ توسل وغیرہ۔ ناجائز توسل کی بھی متعدد قسمیں ہیں جو حسب ذیل ہیں۔

١۔ فوت شدگان سے دعا مانگنا:

فوت شدگان سے دعا مانگنا جائز نہیں اس لئے کہ مردہ دعا پر قدرت نہیں رکھتا ہے جیسا کہ وہ زندگی میں رکھتا تھا۔ لہٰذا مردوں سے سفارش طلب کرنا بھی جائز نہیں ہے۔ اس لئے کہ سیدنا عمر بن الخطاب، سیدنا معاویہ، اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم خشک سالی کے مواقع پر استسقاء کے توسل اور سفارش کے لئے انہی حضرات کے پاس گئے جو اس وقت زندہ موجود تھے۔ جیسے سیدنا عباس اور سیدنا یزید بن الاسود رضی اللہ عنہما وغیرہما، لیکن صحابہ کرام نے کبھی بھی رسول اللہ ﷺ کے وصال کے بعد آپ ﷺ سے روضۂ اطہر کے پاس یا روضۂ اطہر کے باہر، استسقاء کی درخواست نہیں کی، بلکہ دوسری زندہ ہستی کو پکڑا جیسے سیدنا عباس اور یزید بن الاسود وغیرہما ایسے ہی ایک موقع پر سیدنا عمر نے یہ دعا فرمائی تھی۔ "اَللّٰهُمَّ إِنَّا كُنَّا نَتَوَسَّلُ

إِلَيْكَ بِنَبِيِّنَا صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَتَسْقِينَا وَإِنَّا نَتَوَسَّلُ إِلَيْكَ بِعَمِّ نَبِيِّنَا فَاسْقِنَا"[۱] (اے اللہ! ہم پہلے اپنے نبی (کی دعاء) کے ذریعہ وسیلہ پکڑتے تھے تو ہمیں بارش عطاء فرماتا تھا، اب ہم اپنے نبی کے چچا (کی دعاء) کے توسل سے اس کی درخواست کرتے ہیں لہٰذا ہمیں بارش عطاء فرما)۔

یہاں پر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جگہ پر سیدنا عباس رضی اللہ عنہ کا توسل اختیار کیا، اس لئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اسطرح سے وہ مشروع توسل نہیں لیا جا سکتا تھا جو وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات میں لیا کرتے تھے۔

صحابہ کرام ایسا بھی کر سکتے تھے کہ آپ کے روضۂ اطہر کے پاس آتے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے توسل سے اللہ تعالٰی سے جو طلب کرنا ہوتا کرتے اگر یہ جائز ہوتا[۲]، لیکن صحابہ کرام کا اسے ترک کرنے سے صاف واضح ہو جاتا ہے کہ مردوں کا توسل اختیار کرنا صحیح نہیں، نہ تو ان کی دعا کے ذریعہ اور نہ ہی ان کی سفارش کے ذریعہ، اگر توسل و سفارش اور دعاء کے معاملہ میں مردہ و زندہ برابر ہوتے تو صحابہ کرام کبھی بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑ کر آپ کے چچا محترم سیدنا عباس رضی اللہ عنہ کو نہیں پکڑتے، جو بہر حال آپ کے بلند رتبے کو نہیں پہنچ سکتے تھے۔

۲- رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا کسی دوسرے کے مقام و منصب کے ذریعہ توسل کا حکم:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا کسی دوسرے کے مقام و منصب کے ذریعہ توسل جائز نہیں۔

اس سلسلہ کی جو یہ حدیث بیان کی جاتی ہے: "إذا سألتم الله فاسألوه بجاهي، فإن جاهي

[۱] صحیح بخاری ۱۰۱۰، ۳۷۱۰

[۲] مجموع الفتاوی (۱/۳۱۸-۳۱۹)

عند اللہ عظیم" (جب تم اللہ تعالی سے کچھ مانگو تو میرے جاہ و عزت کے وسیلہ سے مانگو، اس لئے کہ میری جاہ و منزلت اللہ تعالی کے نزدیک بہت عظیم ہے)

یہ حدیث سراسر موضوع و جھوٹی ہے۔ مسلمانوں کی معتبر کتب میں سے کسی میں نہیں ملتی اور نہ ہی کسی محدث نے اسے ذکر کیا ہے[1]۔ لہٰذا جب تک یہ دلیل صحیح ثابت نہ ہو جائے اس پر عمل کرنا جائز نہیں ہے، کیونکہ عبادات کے اثبات کے لئے قرآن و حدیث میں سے صریح (صحیح) دلیل کی ضرورت ہوتی ہے۔

۳۔ مخلوق میں سے کسی کی ذات کا توسل:

مخلوق میں سے کسی کی ذات کا توسل جائز نہیں، بذات فلاں کے توسل سے کہنے میں اگر "ب" قسم کے لئے ہے تو یہ اللہ تعالی پر کسی مخلوق کی قسم کھانا ہے حالانکہ جب مخلوق کا مخلوق پر قسم کھانا جائز نہیں اور وہ شرک ہے جیسا کہ حدیث میں وارد ہوا ہے، تو پھر اللہ تعالی پر کسی مخلوق کی قسم کیسے کھائی جاسکتی ہے! (یعنی اللہ تعالی کسی مخلوق کے آگے مجبور نہیں)

اور اگر "ب" سبب کے لئے ہے (یعنی فلاں ذات کے سبب) تو اللہ تعالی نے مخلوق کے ذریعہ سے سوال کرنے کو دعاء کی قبولیت کے لئے سبب نہیں بنایا، اور نہ ہی اسے اپنے بندوں کے لئے مشروع قرار دیا ہے۔

۴۔ مخلوق کے حق کے ذریعہ توسل کیوں جائز نہیں؟:

مخلوق کے حق کے ذریعہ توسل دو وجوہات کی بناء پر جائز نہیں۔

[1] مجموع الفتاوی (۳۱۹/۱۰)۔

اول: اللہ تعالیٰ پر کسی کا کوئی حق نہیں، بلکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر بے شمار فضل واحسان فرماتے ہوئے ایسا فرمایا ہے کہ:

﴿وَكَانَ حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِينَ﴾ (الروم: ۴۷)

(اور مومنوں کی مدد تم پر لازم تھی یا ہم پر حق ہے کہ ہم مومنوں کی مدد کریں)

اطاعت گزار کو جو جزا ملتی ہے وہ اللہ تعالیٰ کے فضل وانعام سے ملتی ہے۔ یہاں بدلہ و عوض کا معاملہ نہیں ہوتا جیسے کہ مخلوق کے مابین عام طور سے ہوتا ہے[1]۔

دوم: اللہ تعالیٰ کی طرف سے اپنے مخلوق کو فضل وانعام کو جو حق پہنچتا ہے یہ خصوصی ہے غیر کا اس سے کوئی تعلق نہیں ہوتا لہٰذا اگر کوئی غیر مستحق شخص مستحق شخص کے توسل سے یہ حق حاصل کرنا چاہے تو یہ ایک بیرونی معاملہ سے توسل چاہنے والا ہوگا، اور یہ عمل اس کو کچھ فائدہ پہنچانے والا نہیں ہوگا۔ جہاں تک اس حدیث کا تعلق ہے جس کے الفاظ یہ ہے "اللّٰهُمَّ إِنِّي

[1] ایک حدیث میں ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ کوئی بھی شخص اپنے اعمال کے بل بوتے پر جنت میں داخل نہیں ہو سکتا جب تک اللہ تعالیٰ کی رحمت شامل حال نہ ہو، پوچھا گیا کہ آپ بھی فرمایا ہاں جب تک مجھے میرے رب کی رحمت نہیں ڈھانپ لیتی میں بھی نہیں داخل ہو سکتا (صحیح ترغیب وترہیب ۳۵۹۹) اور دوسری جانب قرآن کریم میں کئی مقامات پر ہے کہ جنت میں داخل ہو جاؤ ان اعمال کے سبب جو تم کیا کرتے تھے۔ (الاعراف: ۴۳، السجدۃ: ۱۷ اور ۱۹ وغیرہ) تو ان دونوں کے مابین کس طرح سے جمع کیا جائے گا؟ چنانچہ شیخ ابن عثیمین رحمہ اللہ اس کی توجیہ یوں فرماتے ہیں کہ جنت میں محض عمل کے ذریعہ دخول کی نفی اعمال کے بدلے یا عوض کے اعتبار سے ہے، اور عمل کے ذریعہ دخول کا اثبات سبب کے اعتبار سے ہے یعنی کوئی شخص کتنے بھی عمل کرلے اللہ تعالیٰ کی جنت کی حقیقی قیمت اور اس کی نعمتوں کا شکر بجا نہیں لا سکتا البتہ عمل سبب ضرور ہیں جنت میں دخول کا۔ لہذا یہاں عوض یا بدلہ اور سبب میں فرق ہے۔ (شرح ریاض الصالحین، باب الاستقامۃ، ج۸۶) (ط ع)

أَسْأَلُكَ بِحَقِّ السَّائِلِينَ عَلَيْكَ"[1] (اے اللہ! میں سائلین کا حق جو تجھ پر ہے کے ذریعہ سوال کرتا ہوں)۔ تو یہ حدیث بھی صحیح ثابت نہیں ہے کیونکہ اس کی سند میں عطیہ العوفی ہے جس کے ضعیف ہونے پر اتفاق ہے جیسا کہ بعض محدثین نے فرمایا ہے۔ جس حدیث کا درجہ یہ ہو اس کو عقیدہ کے اس اہم معاملہ میں دلیل بنانا صحیح نہیں ہے۔ پھر اس میں کسی خاص شخص کے حق کا تذکرہ نہیں ہے۔ بلکہ عام طور پر سائلین کے حق کا واسطہ دیا گیا ہے اور سائلین کا حق ہے کہ ان کی مرادیں پوری ہوں۔ جیسے اللہ تعالیٰ نے ان سے وعدہ فرمایا ہے۔

پھر یہ ایسا حق ہے جسے اللہ تعالیٰ نے خود سے اپنے اوپر واجب قرار دیا ہے کسی دوسرے نے اس پر واجب قرار نہیں دیا ہے (اور نہ دے سکتا ہے)۔ لہٰذا اس سے توسل حاصل کرنا خود اللہ تعالیٰ کے سچے وعدہ کے ذریعہ توسل حاصل کرنا ہے نہ کہ کسی مخلوق کے حق کے ذریعہ[2]۔

مخلوق کو پکارنے اور اس سے مدد چاہنے کا حکم

"استعانۃ" کہتے ہیں "طلب العون والمؤازرۃ فی الأمر" (مدد چاہنے اور کسی معاملہ میں کسی سے تائید و تقویت حاصل کرنے کو)۔

[1] ابن ماجه المساجد والجماعات (٧٧٨)، أحمد (٢١/٣).

[2] جیسا کہ قرآن مجید میں مومنوں کی دعاء ہے کہ: ﴿رَبَّنَا وَآتِنَا مَا وَعَدْتَنَا عَلَىٰ رُسُلِكَ وَلَا تُخْزِنَا يَوْمَ الْقِيَامَةِ إِنَّكَ لَا تُخْلِفُ الْمِيعَادَ﴾ (آل عمران: ۱۹۴) (اے ہمارے رب اور ہمیں عطاء کر وہ جس کا تو نے ہم سے اپنے رسولوں کے ذریعہ وعدہ فرمایا ہے، اور ہمیں بروز قیامت رسوا مت فرمانا، بیشک تو وعدہ خلافی نہیں فرماتا)۔ (طع)

"استغاثہ" کہتے ہیں "طلب الغوث ، وھو ازالۃ الشدۃ" (کسی پریشانی وشدت کو دور کرنے کی درخواست کرنے کو)۔ لہذا مخلوق سے استعانت واستغاثہ کی دو قسمیں ہیں۔

اول: جتنا مخلوق کے بس میں ہے اتنا ہی اس سے استعانت واستغاثہ کرنا جائز ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوَىٰ﴾ (المائدۃ: ۲)

(اور نیکی اور پرہیزگاری کے کاموں میں ایک دوسرے کی مدد کیا کرو)

اللہ تعالیٰ نے سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے قصہ میں بھی فرمایا:

﴿فَاسْتَغَاثَهُ الَّذِي مِن شِيعَتِهِ عَلَى الَّذِي مِنْ عَدُوِّهِ﴾ (القصص: ۱۵)

(تو جو شخص ان کی قوم میں سے تھا اس نے دوسرے شخص کے مقابلے میں جو موسیٰ کے دشمنوں میں سے تھا موسیٰ سے مدد طلب کی)

جنگ وغیرہ کے مواقع پر بھی ایک شخص اپنے انصار واعوان کو اس طرح کے تعاون امداد کے لئے پکارتا ہے۔

دوم: جو مخلوق کے بس میں نہ ہو صرف اللہ تعالیٰ ہی اس پر قدرت رکھتا ہو، اس بارے میں مخلوق سے استعانت واستغاثہ کرنا، جیسے فوت شدگان سے، استغاثہ کرنا یا مدد مانگنا یا زندوں سے ایسی چیزیں طلب کرنا اور مدد چاہنا جس پر صرف اللہ تعالیٰ ہی قدرت رکھتا ہے۔ جیسے مریضوں کی شفایابی، مصائب کا ازالہ، تکلیف دور کرنا، چنانچہ یہ قسم ناجائز اور شرک اکبر ہے، رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک میں ایک منافق مسلمانوں کو خوب پریشان کیا کرتا تھا منافق کی شرارت دیکھ کر ایک

مسلمان نے کہا چلو اس منافق کے سلسلہ میں رسول اللہ ﷺ سے استغاثہ کریں یہ سن کر آپ نے فرمایا: "إِنَّهُ لَا يُسْتَغَاثُ بِي، وَإِنَّمَا يُسْتَغَاثُ بِاللهِ"[1] (مجھ سے مدد طلب نہیں کی جاتی بلکہ مدد تو اللہ تعالیٰ ہی سے طلب کی جاتی ہے)

رسول اللہ ﷺ نے اپنے حق میں اس طرح کے الفاظ استعمال کرنے کو ناپسند فرمایا حالانکہ آپ (ﷺ) اس پر قادر تھے لیکن توحید خالص کی حفاظت اور شرک کے سدِ ذرائع (راہوں کو بند کرنے) کے لئے اور اپنے رب کے سامنے تواضع وانکساری اور اپنی امت کو اقوال و افعال میں وسائلِ شرک سے بچانے کے لئے ایسا فرمایا۔ اپنی زندگی میں اس پر قدرت رکھنے کے باوجود جب آپ (ﷺ) نے ایسا فرمایا تو پھر آپ (ﷺ) کی وفات کے بعد اس کی جراءت کیسے کی جاسکتی ہے اور آپ سے وہ چیزیں بھی کیسے طلب کی جاسکتی ہیں جن پر آپ (ﷺ) قادر نہیں ہیں۔ پھر جب یہ چیزیں آپ کے ساتھ جائز نہیں تو کسی دوسرے (ولی یا بزرگ یا غیر) کے ساتھ تو بدرجہ اولیٰ ناجائز ہوں گی۔

---

[1] أخرجه أحمد في "مسنده" (٥ / ٣١٧ / ٢٢٧٥٨)، والطبراني في "المعجم الكبير" كما في "المجمع" (١٠ / ٢٦٣)۔ اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ: "إِذْ تَسْتَغِيثُونَ رَبَّكُمْ فَاسْتَجَابَ لَكُمْ" (الانفال: ۹) (جب تم اپنے رب سے استغاثہ (فریاد) کر رہے تھے تو اس نے تمہاری سن لی)۔ (ط ع)

پانچواں باب

رسول (صلی اللہ علیہ وسلم)، اہل بیت اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے متعلق وجوبی اعتقاد کا بیان

اس باب میں حسب ذیل فصلیں ہوں گی۔

پہلی فصل: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت و تعظیم کا وجوب اور آپ کی تعریف میں افراط و تفریط سے ممانعت اور آپ کی قدر و منزلت کا بیان۔

دوسری فصل: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت و پیروی کے وجوب کا بیان۔

تیسری فصل: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود و سلام بھیجنے کی مشروعیت کا بیان۔

چوتھی فصل: اہل بیت کی فضیلت اور حق تلفی و غلو کے بغیر ان کے ساتھ سلوک کا بیان۔

پانچویں فصل: صحابہ کرام کی فضیلت ان کے بارے میں ضروری اعتقاد اور ان کے آپسی اختلافات کے سلسلے میں مذہب اہل سنت و جماعت کا موقف۔

چھٹی فصل: صحابہ کرام اور ائمہ عظام کو برا بھلا کہنے کی ممانعت۔

پہلی فصل

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت و تعظیم کا وجوب، آپ کی تعریف میں افراط و تفریط سے ممانعت اور آپ کی قدر و منزلت کا بیان

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت و تعظیم کا وجوب

بندہ پر سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کی محبت ضروری ہے، یہ عبادت کی سب سے عظیم قسم ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

﴿ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَشَدُّ حُبًّا لِلَّهِ ﴾ البقرۃ: ۱۶۵

(اور جو ایمان والے ہیں وہ تو اللہ تعالیٰ ہی سے سب سے زیادہ محبت کرتے ہیں)

اس لئے کہ اللہ تعالیٰ ہی اپنے بندوں کا منعم حقیقی ہے۔ جس نے ساری ظاہری و باطنی نعمتوں سے بندوں کو نوازا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ سے محبت کے بعد اس کے رسول محمد ﷺ سے محبت واجب ہے۔ اس لئے کہ آپ (ﷺ) نے بندوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دی، اس کی معرفت سے ہمکنار کیا، اس کی شریعت کو پہنچایا اور اس کے احکامات کو بیان فرمایا ہے۔ آج مسلمانوں کو جو دنیا و آخرت کی بھلائی حاصل ہے وہ اسی رسول رحمت (ﷺ) کی بدولت حاصل ہے۔ کوئی شخص آپ (ﷺ) کی اطاعت اور اتباع کے بغیر جنت میں داخل نہیں ہو سکتا۔ ایک حدیث کے الفاظ ہیں: "ثَلاثٌ مَنْ كُنَّ فِيهِ وَجَدَ حَلَاوَةَ الإِيمَانِ. أَنْ يَكُونَ اللهُ وَرَسُولُهُ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِمَّا سِوَاهُمَا، وَأَنْ يُحِبَّ الْمَرْءَ لَا يُحِبُّهُ إِلَّا لِلَّهِ، وَأَنْ يَكْرَهَ أَنْ يَعُودَ فِي الْكُفْرِ كَمَا يَكْرَهُ أَنْ يُقْذَفَ فِي النَّارِ"[1] (جس کے اندر تین چیزیں ہوں گی وہ ایمان کی مٹھاس پائے گا۔ وہ یہ کہ اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) اس کے نزدیک دوسری ہر چیز سے زیادہ محبوب ہوں اور کسی شخص سے محبت کرتا ہو تو صرف اللہ تعالیٰ کے لئے کرتا ہو اور کفر کی طرف لوٹنا اس کے بعد کہ اللہ تعالیٰ نے اسے اس سے نکالا ہے ایسا ہی ناپسند کرتا ہو جیسا کہ آگ میں ڈالے جانے کو ناپسند کرتا ہے)

اس حدیث سے پتہ چلا کہ رسول اللہ ﷺ کی محبت اللہ تعالیٰ کی محبت کے تابع ہے اور اس کے ساتھ لازم ہے اور رتبے کے اعتبار سے دوسرے درجہ پر ہے۔ آپ ﷺ کی محبت اور اللہ تعالیٰ کے علاوہ دیگر تمام محبوب چیزوں سے آپ کی محبت کو مقدم رکھنے سے متعلق

[1] البخاري الإيمان (١٦) ، مسلم الإيمان (٤٣) ، الترمذي الإيمان (٢٦٢٤) ، النسائي الإيمان وشرائعه (٤٩٨٨) ، ابن ماجه الفتن (٤٠٣٣)

حدیث کے الفاظ یہ ہیں: "لَا یُؤْمِنُ أَحَدُکُمْ. حَتّٰی أَکُوْنَ أَحَبَّ إِلَیْهِ مِنْ: وَلَدِهٖ، وَوَالِدِهٖ، وَالنَّاسِ أَجْمَعِیْنَ"[1] (تم میں سے کوئی اس وقت تک پکا مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ میں اس کی اولاد اس کے والدین اور تمام لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں)

بلکہ ایک حدیث میں تو آیا ہے کہ ایک مومن کے لئے ضروری ہے کہ آپ ﷺ کو اپنے نفس سے زیادہ محبوب رکھے۔ سیدنا عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ عرض کیا کہ: "یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ، لَأَنْتَ أَحَبُّ إِلَیَّ مِنْ کُلِّ شَیْءٍ إِلَّا مِنْ نَفْسِیْ، فَقَالَ النَّبِیُّ ﷺ: لَا وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِهٖ، حَتّٰی أَکُوْنَ أَحَبَّ إِلَیْكَ مِنْ نَفْسِكَ، فَقَالَ لَهٗ عُمَرُ: فَإِنَّهُ الْآنَ وَاللّٰهِ لَأَنْتَ أَحَبُّ إِلَیَّ مِنْ نَفْسِیْ، فَقَالَ النَّبِیُّ ﷺ: اَلْآنَ یَا عُمَرُ"[2] (اے اللہ کے رسول (ﷺ)! آپ میرے نزدیک دنیا کی ہر چیز سے محبوب ہیں سوائے میرے نفس کے، آپ (ﷺ) نے فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے جب تک میں تمہارے نفس سے بھی زیادہ محبوب نہ بن جاؤں بات نہیں بنے گی۔ یہ سن کر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: (اگر ایسی بات ہے تو) یقیناً اللہ کی قسم! اس وقت آپ میرے نفس سے بھی زیادہ محبوب ہیں، آپ نے فرمایا: اب صحیح ہے اے عمر)

اس سے یہ بات واضح ہوگئی کہ رسول اللہ ﷺ کی محبت واجب ہے اور اللہ تعالیٰ کی محبت کے علاوہ دنیا کی ہر چیز کی محبت پر مقدم ہے۔ اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ کی محبت اللہ

[1] البخاری الإیمان (۱۵)، مسلم الإیمان (۴۴)، النسائی الإیمان وشرائعه (۵۰۱۳)، ابن ماجه المقدمة (۶۷)، سنن الدارمی الرقاق (۲۷۴۱)

[2] البخاری الأیمان والنذور (۶۲۵۷)، أحمد (۴/۳۳۶)

تعالیٰ کی محبت کے تابع اور اس کو لازم ہے[1]، اس لئے یہ محبت بھی اللہ تعالیٰ کی راہ میں ہے اور اسی کے لئے ہے اور اللہ تعالیٰ کی محبت مومن کے دل میں جتنی بڑھے گی اتنی ہی رسول اللہ ﷺ کی محبت بڑھے گی اور اللہ تعالیٰ کی محبت اگر گھٹے گی تو رسول اللہ ﷺ کی محبت بھی گھٹے گی، اور جو کوئی بھی اللہ تعالیٰ کا محبوب ہو گا تو اس سے اللہ تعالیٰ کی خاطر محبت رکھی جائے گی۔

اور رسول اللہ ﷺ سے محبت رکھے جانے کا تقاضا یہ ہے کہ ہم ان کی (بنا غلو کے) تعظیم و توقیر میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھیں اور انہی کی اتباع کریں ان کے قول کو ہر ایک کے قول سے مقدم رکھیں اور انکی سنت کی بہت زیادہ تعظیم کریں۔

علامہ ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: (انسان سے محبت اور اس کی تعظیم اگر اللہ سے محبت اور اس کی تعظیم کے تابع ہے تو وہ جائز ہے۔ جیسے رسول اللہ ﷺ سے محبت اور آپ کی تعظیم، آپ کی یہ محبت و تعظیم دراصل آپ کو رسول بنا کر بھیجنے والے سے محبت اور اس کی تعظیم کی تکمیل ہے۔ آپ ﷺ کی امت آپ (ﷺ) سے محبت اس لئے کرتی ہے کہ آپ (ﷺ) اللہ تعالیٰ کو محبوب ہیں اور آپ (ﷺ) کی تعظیم و تکریم اس لئے کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ (ﷺ) کو یہ عزت و مرتبہ عطاء فرمایا ہے۔ لہذا آپ ﷺ سے محبت اللہ تعالیٰ سے محبت کا ایک جزء ہے یا اللہ تعالیٰ سے محبت کا نتیجہ ہے۔

[1] جیسا کہ ارشاد ہوا ﴿قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللَّهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ﴾ (آل عمران: ۳۱) ((اے پیغمبر لوگوں سے) کہہ دو کہ اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری پیروی کرو اللہ بھی تم سے محبت کرے گا اور تمہارے گناہوں کو معاف کر دے گا) (مترجم)

مقصود یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کی شخصیت میں اتنی محبت و رعب ڈال دیا تھا۔۔۔ یہی وجہ ہے کہ کوئی بھی انسان کسی انسان کے لئے اتنا محبوب، موقر و بارعب نہیں ہے جتنا کہ رسول اللہ ﷺ اپنے صحابہ کرام کے نزدیک محبوب و موقر و بارعب تھے، سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے اسلام قبول کرنے کے بعد کہا تھا کہ قبولِ اسلام سے پہلے رسول اللہ ﷺ سے زیادہ مبغوض شخص میرے نزدیک کوئی نہیں تھا، لیکن اب قبولِ اسلام کے بعد رسول اللہ ﷺ سے محبوب ترین اور موقر ترین شخص میرے نزدیک کوئی نہیں، اگر مجھ سے آپ کا حلیہ بیان کرنے کو کہا جائے تو میں کچھ نہیں بول سکتا اس لئے کہ آپ کی توقیر و اجلال میں کبھی آپ کو جی بھر کے نہیں دیکھ سکا۔

سیدنا عروہ بن مسعود نے قریش سے کہا تھا، اے لوگو! اللہ کی قسم میں قیصر و کسریٰ اور دیگر شاہانِ ممالک کے دربار میں گیا ہوں لیکن کسی کو بھی ایسا نہیں پایا کہ اس کے احباب و اصحاب اس کی اتنی تعظیم کرتے ہوں جتنی تعظیم محمد ﷺ کے احباب، اصحاب ان کی کرتے ہیں۔ اللہ کی قسم ان کی تعظیم و تکریم اور اجلال و رعب میں ان سے نظر نہیں ملاتے، جب وہ تھوکتے ہیں تو کسی صحابی کی ہتھیلی ہی میں پڑتا ہے جسے وہ اپنے چہرے اور سینے پر مل لیتے ہیں اور آپ جب وضوء کرتے ہیں تو وہ وضوء کے پانی کے لئے آپس میں لڑ پڑتے ہیں)[1]۔

آپ ﷺ کی تعریف میں افراط و تفریط سے ممانعت

غلو کہتے ہیں "تجاوز الحد، یُقالُ: غَلَا غُلُوًّا، إذا تجاوز الحد فی القدر" (حد پار کر جانے کو، کوئی شخص جب اندازہ میں حد سے آگے بڑھ جاتا ہے تو اس کے لئے غلو کا لفظ استعمال

[1] جلاء الافہام: ۱۲۰، ۱۲۱۔

ہوتا ہے) اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿لَا تَغْلُوا فِي دِينِكُمْ﴾ النساء: ۱۷۱

(اپنے دین (کی بات) میں حد سے نہ بڑھو)

اور اطراء کہتے ہیں: ”مجاوزة الحد فی المدح والکذب فیه“ (کسی کی تعریف میں حد سے آگے بڑھ جانے کو اور اس میں جھوٹ ملانے کو) اور رسول اللہ ﷺ کے حق میں غلو کا مطلب یہ ہے کہ آپ کی قدر و منزلت کے تعیین میں حد سے تجاوز ہو جائے۔ بایں طور پر کہ آپ کو عبدیت و رسالت کے رتبے سے آگے بڑھا دیا جائے اور کچھ الٰہی خصائص و صفات آپ کی طرف منسوب کر دیئے جائیں۔ مثلاً آپ کو مدد کے لئے پکارا جائے، اور اللہ تعالیٰ کے بجائے آپ (ﷺ) سے استغاثہ کیا جائے اور آپ (ﷺ) کی قسم کھائی جائے۔

اسی طرح آپ کے حق میں مبالغہ سے مراد یہ ہے کہ آپ کی مدح و توصیف میں اضافہ کر دیا جائے، اس چیز سے آپ ﷺ نے خود روک دیا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”لَا تُطْرُونِي كَمَا أَطْرَتِ النَّصَارَى ابْنَ مَرْيَمَ ، إِنَّمَا أَنَا عَبْدٌ فَقُولُوا: عَبْدُ اللهِ وَرَسُولُه“[1]

(میری حد سے زیادہ تعریف نہ کیا کرو جیسا کہ نصاریٰ نے ابن مریم علیہ السلام کے بارے میں کہا بے شک میں ایک بندہ ہوں لہٰذا مجھے اللہ کا بندہ اور اس کا رسول کہا کرو)

یعنی باطل اوصاف سے میری تعریف نہ کرنا اور میری تعریف میں غلو نہ کرنا جیسا کہ نصاریٰ نے سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کی تعریف میں کیا ہے کہ ان کو الوہیت کے درجہ میں پہنچا دیا، دیکھو تم میری اس طرح تعریف کرو جس طرح کہ میرے رب نے میری تعریف کی

[1] البخاري أحاديث الأنبياء (٣٢٦١).

ہے۔ لہذا مجھے اللہ کا بندہ اور اللہ کا رسول کہا کرو، یہی وجہ ہے کہ ایک صحابی نے جب آپ (ﷺ) سے کہا کہ: "أَنْتَ سَيِّدُنَا، فَقَالَ: السَّيِّدُ اللهُ" (آپ ہمارے سید (سردار) ہیں تو آپ ﷺ نے فرمایا: سید تو اللہ تعالیٰ ہے) اور جب انہوں نے کہا کہ: "أَفْضَلُنَا فَضْلًا وَأَعْظَمُنَا طَوْلًا، فَقَالَ: قُولُوا بِقَوْلِكُمْ أَوْ بَعْضِ قَوْلِكُمْ، وَلَا يَسْتَجْرِيَنَّكُمُ الشَّيْطَانُ"[1] (ہم میں سے افضل اور سب سے بڑے ہیں درجے کے اعتبار سے تو آپ (ﷺ) نے فرمایا: جو تم عام طور پر کہتے ہو ویسے ہی کہو کہیں ایسا نہ ہو کہ اس معاملہ میں شیطان تمہیں اپنا وکیل بنالے)۔

اسی طرح کچھ لوگوں نے آپ سے کہا کہ اے اللہ کے رسول! "يَا خَيْرَنَا وَابْنَ خَيْرِنَا، وَيَا سَيِّدَنَا وَابْنَ سَيِّدِنَا" (اے ہم میں کے سب سے بہتر اور ہم میں کے سب سے بہتر کے بیٹے اور ہمارے سردار و ہمارے سردار کے بیٹے!) یہ سن کر آپ ﷺ نے فرمایا: "يَا أَيُّهَا النَّاسُ، قُولُوا بِقَوْلِكُمْ وَلَا يَسْتَهْوِيَنَّكُمُ الشَّيْطَانُ، أَنَا مُحَمَّدٌ عَبْدُ اللهِ وَرَسُولُهُ مَا أُحِبُّ أَنْ تَرْفَعُونِي فَوْقَ مَنْزِلَتِي الَّتِي أَنْزَلَنِي اللهُ"[2] (اے لوگو! جو تم عام طور پر میرے متعلق کہتے ہو وہی کہو کہیں ایسا نہ ہو کہ شیطان تمہیں بہکادے، میں محمد ہوں اللہ کا بندہ اور اس کا رسول، میں یہ پسند نہیں کرتا کہ تم مجھے اپنی اس قدر و منزلت سے آگے بڑھادو، جس پر اللہ رب العزت نے مجھے رکھا ہے)

رسول اللہ ﷺ نے اپنے لئے ہمارے سردار، ہم میں کے سب سے اچھے، ہم میں کے سب سے افضل و اعظم، جیسے الفاظ و تعریف کو ناپسند فرمایا ہے، حالانکہ واقعتاً آپ

[1] أبو داود الأدب (۴۸۰۶)، أحمد (۲۵/۴).
[2] أحمد (۱۵۳/۳).

(ﷺ) علی الاطلاق تمام مخلوق میں سب سے افضل واشرف ہیں۔ لیکن آپ نے لوگوں کو ایسا کہنے سے صرف اس لئے روک دیا تھا کہ آپ (ﷺ) کے بارے میں لوگ غلو و مبالغہ میں نہ پڑ جائیں اور توحید کی حفاظت ہو سکے۔ آپ (ﷺ) نے اپنے آپ کو صرف دو صفتوں سے متصف کرنے کی ہدایت کی ہے، جو دراصل بندہ کے لئے عبدیت کا سب سے بڑا رتبہ ہے اور جن میں غلو و مبالغہ نہیں اور نہ ہی عقیدہ کے لئے کوئی خطرہ، وہ دو صفتیں ہیں اللہ کا بندہ اور اس کا رسول۔ اور اپنی اس قدر و منزلت سے جس میں رب العالمین نے آپ کو رکھا ہے اونچا کرنے کو ناپسند فرمایا ہے۔ آج بہت سے لوگ آپ (ﷺ) کے اس فرمان کی مخالفت پر تلے ہوئے ہیں، کھلے عام آپ کو پکارتے ہیں آپ سے استغاثہ کرتے ہیں، آپ کی قسم کھاتے ہیں اور آپ سے وہ چیزیں مانگتے ہیں جو صرف اللہ ہی سے مانگی جاتی ہے۔

اسی طرح کی مخالفتیں میلادوں، نعتیہ کلاموں اور نظموں میں خوب خوب ہو رہی ہیں، اس طرح کے لوگ اللہ تعالیٰ کے حق اور رسول اللہ ﷺ کے حق میں کوئی تمیز نہیں کرتے۔

علامہ ابن القیم رحمہ اللہ نے اس حقیقت کو اپنے ایک قصیدہ نونیہ میں یوں بیان کیا:

للہ حق لا یکون لغیرہ   ولعبدہ حق هما حقان

لا تجعلوا الحقین حقاً واحداً   من غیر تمییز ولا فرقان

(اللہ تعالیٰ کا ایک حق ہے جو کسی دوسرے کا نہیں ہو سکتا اور اس کے بندہ کا ایک حق ہے یہ دو علیحدہ حق ہوئے۔ ان دونوں حقوق کو بغیر امتیاز و دلیل کے ایک حق نہ بناؤ)۔

رسول اللہ ﷺ کی قدر و منزلت کا بیان

اللہ تعالیٰ نے آپ کی جتنی تعریف کی ہے اور آپ کو جس قدر و منزلت سے نوازا

ہے اتنی تعریف کرنے اور اس رتبہ کو بیان کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو بڑے رتبے اور عالی مقام سے نوازا ہے، آپ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں، تمام مخلوقات میں آپ (ﷺ) علی الاطلاق سب سے اچھے اور سب سے افضل ہیں۔ آپ تمام انسانوں کے لئے رسول ہیں، جن وانس کے ہر فرد کے لئے آپ نبی ورسول بنا کر بھیجے گئے ہیں، آپ رسولوں میں بھی سب سے افضل ہیں، خاتم النبیین ہیں، آپ (ﷺ) کے بعد کوئی نبی نہیں ہے۔ آپ (ﷺ) کے سینہ کو اللہ تعالیٰ نے کھول دیا تھا، آپ (ﷺ) کے ذکر کو اللہ تعالیٰ نے بلند فرمایا ہے، آپ (ﷺ) کے احکامات کی نافرمانی کرنے والوں کے لئے ہر طرح کی ذلت ورسوائی ہے، آپ (ﷺ) صاحب مقام محمود ہیں جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿عَسَىٰٓ أَن يَبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُودًا﴾ (الاسراء:۷۹)

(قریب ہے کہ آپ کا رب آپ (ﷺ) کو مقام محمود پر فائز کرے)

مقام محمود سے مراد وہ مقام ہے جہاں اللہ تعالیٰ آپ کو قیامت کے دن لوگوں کی شفاعت کے لئے کھڑا کرے گا تاکہ انہیں ان کا رب اس موقع کی پریشانی و شدت سے آرام پہنچائے، یہ بہت ہی خاص مقام ہے جو صرف آپ (ﷺ) ہی کو عطا ہوگا، آپ (ﷺ) کے علاوہ کسی نبی کو بھی یہ مقام عطا نہ ہوگا۔

آپ ﷺ اللہ تعالیٰ سے سب سے زیادہ ڈرنے والے اور اللہ کا سب سے زیادہ تقویٰ اختیار کرنے والے ہیں، اللہ تعالیٰ نے خود آپ (ﷺ) کے سامنے آواز بلند کرنے سے لوگوں کو روک دیا ہے اور ان لوگوں کی تعریف کی ہے جو آپ (ﷺ) کے سامنے اپنی آواز پست رکھتے ہوئے۔

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَرْفَعُوا أَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوا لَهُ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ أَن تَحْبَطَ أَعْمَالُكُمْ وَأَنتُمْ لَا تَشْعُرُونَ إِنَّ الَّذِينَ يَغُضُّونَ أَصْوَاتَهُمْ عِندَ رَسُولِ اللَّهِ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ امْتَحَنَ اللَّهُ قُلُوبَهُمْ

لِلتَّقْوٰى لَهُم مَّغْفِرَةٌ وَّأَجْرٌ عَظِيمٌ إِنَّ الَّذِينَ يُنَادُونَكَ مِن وَرَاءِ الْحُجُرَاتِ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُونَ وَلَوْ أَنَّهُمْ صَبَرُوا حَتَّىٰ تَخْرُجَ إِلَيْهِمْ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ﴾ (الحجرات: ۲-۵)

(اے اہل ایمان! اپنی آوازیں پیغمبر کی آواز سے اونچی نہ کرو، اور جس طرح آپس میں ایک دوسرے سے بولتے ہو (اس طرح) ان کے روبرو زور سے نہ بولا کرو، (ایسا نہ ہو) کہ تمہارے اعمال ضائع ہو جائیں اور تم کو خبر بھی نہ ہو، جو لوگ اللہ کے پیغمبر کے سامنے دبی آواز سے بولتے ہیں اللہ نے ان کے دل تقویٰ کے لئے آزمالئے ہیں، ان کے لئے بخشش اور اجر عظیم ہے جو لوگ آپ کو حجروں کے باہر سے آواز دیتے ہیں ان میں سے اکثر بے عقل ہیں اور وہ صبر کئے رہتے یہاں تک کہ آپ خود نکل کر ان کے پاس آتے تو یہ ان کے لئے بہتر تھا اور اللہ تو بخشنے والا مہربان ہے)

علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: (یہ وہ آیات کریمہ ہیں جن کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے اپنے مومن بندوں کو رسول اللہ ﷺ کی توقیر و تعظیم اور اجلال و اکرام کا معاملہ کرنے کے آداب سکھائے ہیں، ان کو بتایا کہ آپ (ﷺ) کے سامنے آپ سے زیادہ اپنی آواز کو بلند نہ کریں، نام لے کر آپ کو کوئی شخص نہ پکارے، جیسا کہ عام لوگ پکارے جاتے ہیں، لہٰذا یا محمد (اے محمد) (ﷺ) نہیں کہا جائے گا۔ بلکہ نبوت و رسالت کے واسطے سے آپ (ﷺ) پکارے جائیں گے، لہٰذا کہا جائے گا اے اللہ کے رسول، اے اللہ کے نبی، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿لَا تَجْعَلُوا دُعَاءَ الرَّسُولِ بَيْنَكُمْ كَدُعَاءِ بَعْضِكُم بَعْضًا﴾ (النور: ۶۳)

(مومنو! پیغمبر کے بلانے کو ایسا خیال نہ کرنا جیسا تم آپس میں ایک دوسرے کو بلاتے ہو)

خود اللہ تعالیٰ نے آپ کو "اے نبی! اے رسول!" کے القاب سے پکارا ہے، اور اللہ

تعالیٰ اور فرشتوں نے آپ (ﷺ) پر درود و سلام بھیجے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو آپ پر درود و سلام بھیجنے کا حکم دیا ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿إِنَّ اللَّهَ وَمَلَائِكَتَهُ يُصَلُّونَ عَلَى النَّبِيِّ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا﴾

(الاحزاب: ۵۶)

(اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے پیغمبر پر درود بھیجتے ہیں۔ مومنو! تم بھی ان پر درود اور سلام بھیجا کرو)

لیکن نبی ﷺ کی تعریف و توصیف کے لئے کوئی وقت یا کوئی کیفیت کتاب و سنت کی صحیح دلیل کے بغیر مخصوص نہیں کی جائے گی۔ لہٰذا آج جو لوگ میلادالنبی کے جشن و جلوس کا اہتمام کرتے ہیں اور اس تاریخ کو آپ (ﷺ) کی پیدائش کا دن سمجھتے ہیں، یہ بہت ہی ناپسندیدہ بدعت ہے۔

آپ کی تعظیم و تکریم کا تقاضا ہے کہ آپ کی سنت کی تعظیم و تکریم کی جائے اس پر عمل کے وجوب کا اعتقاد رکھا جائے، اور یہ کہ سنتِ رسول قرآن مجید کے بعد تعظیم و عمل کے اعتبار سے پہلے درجہ پر ہے اس لئے کہ سنت بھی اللہ تعالیٰ کی وحی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَمَا يَنطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ - إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ﴾ (النجم: ۳،۴)

(اور وہ (رسول ﷺ) خواہش نفس سے بات نہیں فرماتے بلکہ وہ تو وحیِ الٰہی ہوتی ہے جو ان کی طرف وحی کی جاتی ہے)

لہٰذا احادیث رسول میں شک پیدا کرنا اس کی شان کو کم کرنے کی کوشش کرنا حرام ہے۔ اس کے متن و سند اور طرق کی تصحیح و تضعیف میں کلام، معنی کی تعیین و تشریح بہت ہی احتیاط، علم و تحفظ کے ساتھ کی جانی چاہیے۔ آج بے شمار جہلاء خاص طور پر تعلیم کے ابتدائی

مراحل کے نوجوان سنتِ رسول پر زبان درازی کرنے لگے ہیں۔ احادیث کی تصحیح و تضعیف شروع کردی ہے، اور صرف مطالعہ کے بل بوتے پر راویوں پر جرح کرنے لگے ہیں، یہ خود ان کے لئے اور امت کے لئے بہت بڑا خطرہ ہے، انہیں اللہ تعالیٰ سے ڈرنا چاہیئے اور اپنی حد سے آگے نہیں بڑھنا چاہیئے۔

دوسری فصل

نبی کریم ﷺ کی اطاعت و پیروی کے وجوب کا بیان

نبی اکرم ﷺ کی اطاعت ہر حال میں واجب ہے لہذا آپ (ﷺ) کے احکامات کو بجالانا اور آپ ﷺ کے منہیات سے باز رہنا واجب ہے آپ (ﷺ) کو اللہ کے رسول ماننے کا یہی تقاضا ہے، اللہ تعالیٰ نے بہت ساری آیتوں میں آپ (ﷺ) کی اطاعت کا حکم دیا ہے، کبھی تو اللہ تعالیٰ کی پیروی کے ضمن میں جیسے آیتِ کریمہ ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ﴾ (النساء:۵۹)

(مومنو! اللہ اور اس کے رسول کی فرمانبرداری کرو)

اور کبھی انفرادی طور پر آپ کی پیروی کا حکم دیا ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

﴿مَنْ يُطِعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ﴾ (النساء:۸۰)

(جس نے رسول کی اطاعت کی در حقیقت اس نے اللہ کی اطاعت کی)

اور ایک جگہ ارشاد ہے:

﴿وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ﴾ (النور:۵۶)

(اور رسول اللہ کے فرمان پر چلتے رہو تاکہ تم پر رحم کیا جائے)

اور کبھی رسول اللہ ﷺ کی نافرمانی کرنے والوں کو وعیدیں سنائی گئی ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿فَلْيَحْذَرِ الَّذِينَ يُخَالِفُونَ عَنْ أَمْرِهِ أَن تُصِيبَهُمْ فِتْنَةٌ أَوْ يُصِيبَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ﴾

(النور:٦٣)

(تو جو لوگ ان کے حکم کی مخالفت کرتے ہیں ان کو ڈرنا چاہیے (ایسا نہ ہو) کہ ان پر کوئی آفت پڑ جائے یا تکلیف دینے والا عذاب نازل ہو)

یعنی ان کے دلوں میں کفر و نفاق اور بدعت کے فتنے پیدا ہوں گے یا پھر اس مادی دنیا ہی میں کوئی دردناک عذاب آگھیرے گا، جیسے قتل یا حد یا قید یا پھر اس کے علاوہ دیگر فوری سزائیں۔اللہ تعالیٰ نے آپ (ﷺ) کی اطاعت واتباع کو بندے سے اپنی محبت اور اس کے گناہوں کی مغفرت کا سبب بنایا ہے۔

﴿قُلْ إِن كُنتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللَّهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ﴾

(آل عمران:٣١)

((اے پیغمبر لوگوں سے) کہہ دو کہ اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری پیروی کرو، اللہ بھی تم سے محبت کرے گا اور تمہارے گناہوں کو معاف کر دے گا)

اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی اطاعت کو ہدایت اور آپ کی نافرمانی کو گمراہی قرار دیا ہے۔ارشاد ربانی ہے:

﴿وَإِن تُطِيعُوهُ تَهْتَدُوا﴾ (النور:٥٤)

(اور اگر تم ان کے فرمان پر چلو گے تو ہدایت پاؤ گے)

نیز فرمایا:

﴿فَإِن لَّمْ يَسْتَجِيبُوا لَكَ فَاعْلَمْ أَنَّمَا يَتَّبِعُونَ أَهْوَاءَهُمْ وَمَنْ أَضَلُّ مِمَّنِ اتَّبَعَ هَوَاهُ بِغَيْرِ هُدًى مِّنَ اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ﴾ (القصص: ٥٠)

(پھر اگر یہ تمہاری بات قبول نہ کریں تو جان لو کہ یہ صرف اپنی خواہشوں کی پیروی کرتے ہیں اور اس سے زیادہ کون گمراہ ہوگا جو اللہ کی ہدایت کو چھوڑ کر اپنی خواہش کے پیچھے چلے؟ بے شک اللہ ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا)

اللہ تعالی نے اس کی بھی خبر دی ہے کہ آپ امت کے لئے بہترین نمونہ اور اسوۂ حسنہ ہیں، ارشاد ہے:

﴿لَّقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَن كَانَ يَرْجُو اللَّهَ وَالْيَوْمَ الْآخِرَ وَذَكَرَ اللَّهَ كَثِيرًا﴾

(الاحزاب: ٢١)

(یقیناً تمہارے لئے رسول اللہ (ﷺ) میں بہترین نمونہ ہے، ہر اس شخص کے لئے جو اللہ تعالی (سے ملنے) اور روز قیامت (کے آنے) کی امید ہو اور وہ اللہ تعالی کا بہت ذکر کرنے والا ہو)

علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: (یہ آیت کریمہ نبی اکرم ﷺ کے تمام اقوال، افعال و احوال کو اسوہ بنانے کی سب سے بڑی دلیل ہے، اسی لئے اللہ تعالی نے احزاب کے دن لوگوں کو یہ حکم دیا کہ صبر و استقامت، جہاد و مجاہدہ، اور رب العالمین کی طرف سے آسانی و کشادگی کے انتظار میں آپ ﷺ کو اپنا اسوۂ حسنہ بنائیں اور قیامت تک کے لئے آپ (ﷺ) ہی کی زندگی کو نمونہ بنائیں۔

اللہ تعالی نے رسول اللہ ﷺ کی اطاعت و پیروی کا تذکرہ قرآن مجید کے اندر تقریباً چالیس جگہوں پر کیا ہے، لوگ آپ کی لائی ہوئی سنت و شریعت کی معرفت اور اس کی اتباع کے

غذاء پانی سے بھی زیادہ محتاج ہیں۔ غذا و پانی نہ ملنے پر انسان دنیا میں مر جائے گا لیکن رسول اللہ ﷺ کی اطاعت و پیروی نہ ہونے پر دردناک عذاب اور دائمی بدبختی کا شکار ہو جائے گا۔ یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے تمام عبادات میں اپنی اقتداء و پیروی اور انہیں اسی ہیئت و کیفیت میں ادا کرنے کا حکم دیا ہے جس ہیئت میں آپ ادا فرماتے تھے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا بھی یہی ارشاد ہے کہ:

﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ﴾ (الاحزاب:٢١)

(یقیناً تمہارے لئے رسول اللہ (ﷺ) میں بہترین نمونہ ہے)

چنانچہ ارشاد نبی (ﷺ) ہے: "صَلُّوا كَمَا رَأَيْتُمُونِي أُصَلِّي"[1] (اسی طرح نماز پڑھو جس طرح تم نے مجھے نماز پڑھتے ہوئے دیکھا ہے) اور ایک جگہ ارشاد فرمایا: "خُذُوا عَنِّي مَنَاسِكَكُمْ"[2] (مجھ سے اپنے حج کے مناسک سیکھ لو) نیز فرمایا: "مَنْ عَمِلَ عَمَلًا لَيْسَ عَلَيْهِ أَمْرُنَا فَهُوَ رَدٌّ"[3] (جو شخص بھی کوئی ایسا عمل کرتا ہے جس پر ہمارا امر نہیں تو وہ عمل مردود ہے) نیز فرمایا: "مَنْ رَغِبَ عَنْ سُنَّتِي فَلَيْسَ مِنِّي"[4] (جو شخص میری سنت سے اعراض کرتا ہے وہ مجھ سے نہیں)

اس کے علاوہ بھی اور بہت سے نصوص ہیں کہ جن میں آپ (ﷺ) کی اقتداء

[1] البخاري الأذان (٦٠٥)، مسلم المساجد ومواضع الصلاة (٦٧٤)، الترمذي الصلاة (٢٠٥)، النسائي الأذان (٦٣٥)، أبو داود الصلاة (٨٣٢)، ابن ماجه إقامة الصلاة والسنة فيها (٩٧٩)، أحمد (٥٣/٥)، الدارمي الصلاة (١٢٥٣).

[2] النسائي مناسك الحج (٣٠٦٢).

[3] البخاري الصلح (٢٥٥٠)، مسلم الأقضية (١٧١٨)، أبو داود السنة (٤٦٠٦)، ابن ماجه المقدمة (١٤)، أحمد (٢٥٦/٦).

[4] البخاري النكاح (٤٧٧٦)، مسلم النكاح (١٤٠١)، النسائي النكاح (٣٢١٧)، أحمد (٢٨٥/٣).

و پیروی کا حکم ہے اور آپ (ﷺ) کی مخالفت و نافرمانی سے منع کیا گیا ہے۔

تیسری فصل

رسول اکرم ﷺ پر درود سلام بھیجنے کی مشروعیت کا بیان

رسول اللہ ﷺ پر درود و سلام بھیجنا، آپ کا امت پر ایسا حق ہے جسے خود اللہ تعالیٰ نے مشروع قرار دیا ہے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿إِنَّ اللَّهَ وَمَلَائِكَتَهُ يُصَلُّونَ عَلَى النَّبِيِّ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا﴾
(الاحزاب: ٥٦)

(اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے پیغمبر پر درود بھیجتے ہیں۔
مومنو! تم بھی ان پر درود اور سلام بھیجا کرو)

یہ بھی وارد ہوا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا اپنے نبی (ﷺ) پر صلاۃ (درود) کا مطلب ہے فرشتوں کے سامنے آپ (ﷺ) کی تعریف کرنا اور فرشتوں کے درود بھیجنے کا مطلب ہے آپ (ﷺ) کے لئے دعاء کرنا اور لوگوں کے درود بھیجنے کا مطلب ہے استغفار کرنا[1]۔ اس آیتِ کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنے بندے اور نبی (ﷺ) کی اپنے پاس ملاءِ اعلیٰ میں قدر و منزلت کی خبر دی کہ وہ آپ (ﷺ) کا ذکر اپنے قریبی فرشتوں میں فرماتے ہیں اور یہ

[1] اسے بخاری نے ابی العالیہ سے بیان فرمایا ہے۔

کہ فرشتے آپ (ﷺ) پر درود بھیجتے ہیں، پھر اللہ تعالیٰ نے دنیا والوں کو آپ پر درود و سلام بھیجنے کا حکم دیا ہے تاکہ عالم علوی اور عالم سفلی دونوں کی تعریف آپ کے لئے جمع ہو جائے۔

﴿وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا﴾ کا مطلب ہے کہ آپ ﷺ پر اسلامی سلام بھیجو، لہذا کوئی جب آپ پر سلام بھیجنا چاہے تو صلاۃ (درود) و سلام دونوں بھیجے ان میں سے ایک پر اکتفا نہ کرے۔ لہذا صرف "صلی اللہ علیہ" نہ کہے اور نہ ہی صرف "علیہ السلام" کہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کو ساتھ ساتھ بھیجنے کا حکم دیا ہے۔ (جیسے صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یا علیہ الصلاۃ والسلام)۔ آپ ﷺ پر درود بھیجنے کا حکم بہت سی جگہوں پر بطورِ واجب یا سنتِ مؤکدہ بڑی تاکید سے آیا ہے۔

علامہ ابنِ قیم رحمہ اللہ نے اپنی کتاب "جلاء الافہام" میں ایسی اکتالیس جگہوں کا تذکرہ کیا ہے جہاں آپ (ﷺ) پر درود بھیجنا ثابت ہے، اس کی پہلی جگہ جو کہ سب سے اہم و مؤکد ترین بھی ہے وہ آخری تشہد ہے۔ اس موقع پر درود پڑھنے کی مشروعیت کے بارے میں تمام مسلمانوں کا اجماع ہے البتہ اسکے وجوب کے بارے میں اختلاف ہے[1]۔ انہی جگہوں میں ایک قنوت کے آخر میں، خطبوں میں جیسے خطبۂ جمعہ، عیدین و استسقاء، اسی طرح سے مؤذن کا جواب دینے کے بعد، دعاء کے وقت، مسجد میں داخل ہوتے اور نکلتے وقت اور آپ ﷺ کا ذکر آتے وقت۔ پھر علامہ ابن قیم رحمہ اللہ نے آپ (ﷺ) پر درود بھیجنے کے چالیس فائدہ گنوائے ہیں[1]۔ انہی فائدوں میں سے کچھ یہ ہیں۔

[1] جلاء الافہام ص ۲۲۲، ۲۲۳

[1] جلاء الافہام ۳۰۲

اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل، اللہ تعالیٰ کی طرف درود بھیجنے والے کے لئے ایک درود پر دس رحمتیں، دعاء کی قبولیت کی امید جب دعاء سے پہلے درود بھیجا جائے۔ پھر جب درود کے ساتھ وسیلہ کا سوال کیا جائے تو یہ آپ ﷺ کی سفارش کا سبب بنتا ہے، یہ گناہوں کی معافی کا سبب ہے اور رسول اللہ ﷺ کی طرف سے درود کا جواب دیئے جانے کا بھی سبب ہے۔ پس اللہ تعالیٰ درود و سلام بھیجے اس رسول کریم پر۔

چوتھی فصل

اہل بیت کی فضیلت اور حق تلفی یا غلو کے بغیر ان کے ساتھ سلوک کا بیان

اہل بیت سے کون مراد ہیں اور ان کے حقوق

اہل بیت سے مراد رسول اللہ ﷺ کے وہ آل و اولاد ہیں جن پر صدقہ حرام ہے، ان میں سیدنا علی کی اولاد، سیدنا جعفر کی اولاد، سیدنا عقیل کی اولاد، سیدنا عباس کی اولاد، بنو حارث بن عبدالمطلب اور نبی اکرم ﷺ کی تمام ازواج مطہرات اور بنات طاہرات رضی اللہ عنہن شامل ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيُذْهِبَ عَنكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرًا﴾

(الاحزاب: ۳۳)

(اے (پیغمبر کے) اہل بیت اللہ چاہتا ہے کہ تم سے ناپاکی (کا میل کچیل) دور کر دے اور تمہیں بالکل پاک صاف کر دے)

علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ اس ضمن میں لکھتے ہیں: (قرآن مجید میں جو تدبر کرے گا اس کو

کبھی بھی اس بات میں شک نہیں ہو گا کہ رسول اللہ ﷺ کی ازواجِ مطہرات بھی مذکورہ آیتِ کریمہ کے ضمن میں داخل ہیں۔ اس لئے کہ سیاق کلام انہی کے ساتھ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس کے فوراً بعد فرمایا:

﴿وَاذْكُرْنَ مَا يُتْلَىٰ فِي بُيُوتِكُنَّ مِنْ آيَاتِ اللَّهِ وَالْحِكْمَةِ﴾

(الاحزاب: ۳۴)

(اور تمہارے گھروں میں جو اللہ کی آیتیں پڑھی جاتی ہیں اور حکمت (کی باتیں سنائی جاتی ہیں یعنی حدیث) ان کو یاد رکھو)

آیت کریمہ کا مطلب یہ ہے کہ تمہارے گھروں میں کتاب و سنت میں سے جو کچھ بھی اللہ تعالیٰ اپنے رسول پر نازل فرماتا ہے اس پر عمل کرو، سیدنا قتادہ رحمۃ اللہ علیہ اور دوسرے حضرات نے یہ مفہوم بیان کیا ہے کہ اس نعمت کو یاد کرو جو اور لوگوں کو چھوڑ کر تمہارے لئے خاص کی گئی ہے۔ یعنی وحی تمہارے گھروں میں نازل ہوتی ہے۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا تو اس نعمت سے مالا مال تھیں اور اس عمومی رحمت میں آپ کو خاص مقام عطاء ہوا تھا کیونکہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو چھوڑ کر کسی کے بستر پر وحی نازل نہیں ہوئی ہے۔ جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے خود فرمایا بعض علماء کا کہنا ہے کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا یہ خصوصیت اس لئے ہے کہ آپ ﷺ نے ان کے سوا کسی بھی کنواری سے شادی نہیں کی، اور آپ کے سوا ان کے بستر پر کبھی کوئی دوسرا مرد نہیں سویا۔ (یعنی دوسرے سے شادی ہی نہیں کی)۔

لہٰذا مناسب تھا کہ اس خصوصیت و رتبۂ عالیہ سے آپ نوازی جاتیں اور جب آپ کی ازواج مطہرات اہل بیت میں داخل ہیں تو آپ کے اقارب واعزاء بدرجۂ اولیٰ اس میں

داخل ہیں اور وہ اس نام کے زیادہ مستحق ہیں)[1]۔

لہٰذا اہل سنت والجماعت اہل بیت سے محبت کرتے ہیں اور عقیدت رکھتے ہیں، اور ان کے سلسلہ میں رسول اللہ ﷺ کی اس وصیت کو اپنے سامنے رکھتے ہیں جسے آپ نے غدیر خم (ایک جگہ کا نام ہے) کے موقع پر فرمایا تھا: "أُذَكِّرُكُمُ اللهَ فِي أَهْلِ بَيْتِي"[2] (میرے اہل بیت کے (حقوق کا خیال رکھنے کے) سلسلے میں تمہیں میں اللہ تعالی (کے تقوی) کو یاد رکھنے کی وصیت کرتا ہوں)

اہل سنت والجماعت ان سے محبت کرتے ہیں اور ان کی تکریم وتعظیم کرتے ہیں۔ اس لئے کہ یہ بھی رسول اللہ ﷺ سے محبت وعقیدت اور آپ (ﷺ) کی تعظیم، تکریم کی علامت ہے۔ اس شرط کے ساتھ ہے کہ وہ سنت کی اتباع پر قائم ہوں، جیسے کہ ان کے سلف صالح سیدنا عباس اور ان کی اولاد، سیدنا علی اور ان کی آل اولاد رضی اللہ عنہم کا حال تھا، اور ان میں سے جو سنتِ رسول اللہ ﷺ کے مخالف ہوں اور دین پر قائم نہ ہوں، پھر ان سے عقیدت ودوستی جائز نہ ہوگی، چاہے اہل بیت (سید) میں سے ہوں۔

اہل بیت کے بارے میں اہل سنت والجماعت کا موقف بہت ہی اعتدال وانصاف پر مبنی ہے اہل بیت میں سے جو دین وایمان پر قائم ہیں ان سے گہری محبت وعقیدت رکھتے ہیں اور ان میں سے جو سنت کے مخالف اور دین سے منحرف ہوں ان سے دور رہتے ہیں، چاہے وہ نسبی طور پر اہل بیت میں داخل کیوں نہ ہوں۔ اس لئے کہ اہل بیت اور رسول اللہ ﷺ کے قریبی

1 دیکھیں تفسیر ابن کثیر میں ان آیات کی تفسیر۔

2 مسلم فضائل الصحابة (٢٤٠٨)، أحمد (٣٦٧/٤)، الدارمي فضائل القرآن (٣٣١٦)

ہونے سے کوئی فائدہ نہیں جب تک کہ اللہ تعالیٰ کے دین پر قائم نہ ہوں۔

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ پر جب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی:

﴿وَأَنذِرْ عَشِيرَتَكَ الْأَقْرَبِينَ﴾ (الشعراء: ۲۱۴)

(اور اپنے قریب کے رشتہ داروں کو ڈر سنا دو)

تو آپ ﷺ نے کھڑے ہو کر فرمایا: ”فَقَالَ: يَا مَعْشَرَ قُرَيْشٍ، أَوْ كَلِمَةً نَحْوَهَا، اشْتَرُوا أَنْفُسَكُمْ، لَا أُغْنِي عَنْكُمْ مِنَ اللهِ شَيْئًا يَا عَبَّاسُ بْنَ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ، لَا أُغْنِي عَنْكَ مِنَ اللهِ شَيْئًا، وَيَا صَفِيَّةُ عَمَّةَ رَسُولِ اللهِ، لَا أُغْنِي عَنْكِ مِنَ اللهِ شَيْئًا، وَيَا فَاطِمَةُ بِنْتَ مُحَمَّدٍ سَلِينِي مِنْ مَالِي مَا شِئْتِ، لَا أُغْنِي عَنْكِ مِنَ اللهِ شَيْئًا“[1] (اے قریش! (یا اس جیسا کوئی لفظ) اپنے آپ کو خرید لو (یعنی نیک اعمال کر کے جنت حاصل کر لو اور جہنم سے بچ جاؤ)، اللہ تعالیٰ کے سامنے میں تمہارے لئے کچھ نہیں کر سکتا، اے عباس بن عبد المطلب! میں اللہ کے سامنے تمہارے لئے کچھ نہیں کر سکتا۔ اے صفیہ رسول اللہ کی پھوپھی! میں اللہ کے سامنے تمہارے لئے کچھ نہیں کر سکتا، اے فاطمہ بنت محمد! میرے مال میں سے جو چاہو مانگ و لیکن اللہ کے سامنے میں تمہارے لئے کچھ نہیں کر سکتا) ایک اور حدیث کے الفاظ ہیں:

”مَنْ بَطَّأَ بِهِ عَمَلُهُ لَمْ يُسْرِعْ بِهِ نَسَبُهُ“[2] (جس کا عمل اسے پیچھے چھوڑ جائے اس کا نسب اسے آگے نہیں بڑھا سکتا)

[1] البخاري الوصايا (۲٦۰۲) ، مسلم الإيمان (۲۰٦) ، النسائي الوصايا (۳٦۳٦) ، أحمد (۲/۳٦۱) ، الدارمي الرقاق (۲۷۳۲).

[2] مسلم الذكر والدعاء والتوبة والاستغفار (۲٦۹۹) ، الترمذي القراءات (۲۹۳۵) ، ابن ماجه المقدمة (۲۲۵) ، أحمد (۲/۲۵۲) ، الدارمي المقدمة (۳۴۴).

اہل سنت والجماعت رافضی شیعوں کے غلط عقیدہ سے پاک ہیں، جو بعض اہل بیت کے سلسلے میں غلو سے کام لیتے ہوئے ان کی عصمت کا دعویٰ کرتے ہیں، اسی طرح نواصب کے گمراہ کن طریقوں سے بھی پاک ہیں، جو اصحاب استقامت اہل بیت سے بھی بغض ودشمنی رکھتے ہیں انہیں لعن وطعن کرتے ہیں۔ الحمد للہ اہل سنت والجماعت ان بدعتیوں اور خرافیوں کی گمراہی سے بھی پاک ہیں جو اہل بیت کو وسیلہ بناتے ہیں اور اللہ کے سوا ان کو اپنا رب والہ مانتے ہیں۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ اہل سنت والجماعت اس بارے میں اور دیگر معاملات میں بھی منہج اعتدال اور صراط مستقیم پر قائم ہیں جن کے رویہ میں کوئی افراط وتفریط نہیں اور نہ ہی اہل بیت کے حق میں حق تلفی وغلو ہے۔ خود معتدل ودین پر قائم اہل بیت اپنے لئے غلو پسند نہیں کرتے ہیں، اور غلو کرنے والوں سے برائت وبیزاری کا اظہار کرتے ہیں، خود سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے اپنے متعلق غلو کرنے والوں کو آگ میں جلادینے کا حکم ارشاد فرمایا تھا اور سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ان کے قتل کو جائز قرار دیا ہے، لیکن وہ آگ کے بجائے تلوار سے قتل کے قائل تھے۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے غلو کرنے والوں کے سردار عبداللہ بن سبا کو قتل کرنے کے لئے تلاش کروایا تھا لیکن وہ بھاگ گیا تھا اور کہیں چھپ گیا تھا[1]۔

1 اہل بیت کے تفصیلی فضائل وحقوق کے بارے میں جاننے کے لیے ہماری ویب سائٹ پہ موجود شیخ عبدالمحسن العباد حفظہ اللہ کی کتاب "اہل سنت والجماعت کے نزدیک اہل بیت کا مقام ومرتبہ" کا مطالعہ مفید رہے گا۔ (ط ع)

پانچویں فصل

صحابہ کرام کی فضیلت ان کے بارے میں ضروری اعتقاد اور ان کے آپسی اختلافات کے سلسلہ میں مذہب اہل سنت و جماعت کا موقف

صحابہ سے مراد کون لوگ ہیں اور ان کے بارے میں ہمارا کیا عقیدہ ہونا چاہیے؟

صحابہ صحابی کی جمع ہے، اس سے مراد: ''وھو من لقی النبی ـ صلی اللہ علیہ وسلم ـ مؤمنا بہ ومات علی ذلک'' (ہر وہ شخص نے جس نے بحالتِ ایمان رسول اللہ ﷺ سے ملاقات کی اور اسی ایمان کی حالت میں اس کی موت ہوئی)۔ ان کے بارے میں ہمارا یہ عقیدہ ہونا واجب ہے کہ وہ امت کے سب سے افضل ترین لوگ تھے، ان کا زمانہ خیر القرون (سب سے بہترین زمانہ) تھا اور یہ شرف ان کو اسلام کی طرف ان کی سبقت، رسول اللہ ﷺ کی صحبت کے لئے ان کا انتخاب، آپ کے ساتھ جہاد، شریعت کے بارِ گراں کو انہی نے اور بعد والوں تک پہنچانے کی وجہ سے حاصل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ان کی تعریف کی ہے، آیت کریمہ ہے:

﴿وَالسَّابِقُونَ الأَوَّلُونَ مِنَ الْمُهَاجِرِينَ وَالأَنصَارِ وَالَّذِينَ اتَّبَعُوهُم بِإِحْسَانٍ رَّضِيَ اللّهُ عَنْهُمْ وَرَضُواْ عَنْهُ وَأَعَدَّ لَهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي تَحْتَهَا الأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا أَبَداً ذَلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ﴾ (التوبۃ: ۱۰۰)

(جن لوگوں نے سبقت کی (یعنی سب سے پہلے) ایمان لائے مہاجرین میں سے بھی اور انصار میں سے بھی اور جنہوں نے بطور احسن ان کی پیروی کی، اللہ ان سے خوش ہے اور وہ اللہ سے خوش ہیں، اور اس نے ان کے لئے باغات تیار کئے ہیں جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں، اور وہ ہمیشہ ان میں رہیں گے، یہی

بڑی کامیابی ہے)

ایک اور جگہ ارشاد ہے:

﴿مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللَّهِ وَالَّذِينَ مَعَهُ أَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ تَرَاهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَبْتَغُونَ فَضْلًا مِّنَ اللَّهِ وَرِضْوَانًا سِيمَاهُمْ فِي وُجُوهِهِم مِّنْ أَثَرِ السُّجُودِ ذَٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرَاةِ وَمَثَلُهُمْ فِي الْإِنجِيلِ كَزَرْعٍ أَخْرَجَ شَطْأَهُ فَآزَرَهُ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوَىٰ عَلَىٰ سُوقِهِ يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِيَغِيظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ مِنْهُم مَّغْفِرَةً وَأَجْرًا عَظِيمًا﴾

(الفتح:٢٩)

(محمد (ﷺ) اللہ کے رسول ہیں اور جو لوگ ان کے ساتھ ہیں وہ کافروں کے حق میں تو سخت ہیں پر آپس میں رحم دل ہیں۔ (اے دیکھنے والے) تو ان کو پائے گا کہ (اللہ کے آگے) رکوع و سجود میں ہیں، اور اللہ کا فضل اور اس کی خوشنودی طلب کر رہے ہیں، (کثرت) سجود کے اثر سے ان کی پیشانیوں پر نشان پڑے ہوئے ہیں، ان کے یہی اوصاف تورات میں (مرقوم) ہیں، اور انجیل میں ان کی مثال یوں بیان ہوئی کہ گویا ایک کھیتی ہے جس نے (پہلے زمین سے) اپنی سوئی نکالی (ابھری) پھر اس کو مضبوط کیا پھر موٹی ہوئی اور پھر اپنی نال پر سیدھی کھڑی ہو گئی اور کھیتی والوں کو خوش کرنے لگی تاکہ کافروں کا جی جلائے۔ جو لوگ ان میں سے ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے، ان سے اللہ نے گناہوں کی بخشش اور اجر عظیم کا وعدہ کیا ہے)

اور ایک جگہ ارشاد ہے:

﴿لِلْفُقَرَاءِ الْمُهَاجِرِينَ الَّذِينَ أُخْرِجُوا مِن دِيَارِهِمْ وَأَمْوَالِهِمْ يَبْتَغُونَ فَضْلًا

مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا وَيَنصُرُونَ اللّٰهَ وَرَسُولَهُ أُولَٰئِكَ هُمُ الصَّادِقُونَ وَالَّذِينَ تَبَوَّءُوا الدَّارَ وَالْإِيمَانَ مِن قَبْلِهِمْ يُحِبُّونَ مَنْ هَاجَرَ إِلَيْهِمْ وَلَا يَجِدُونَ فِي صُدُورِهِمْ حَاجَةً مِّمَّا أُوتُوا وَيُؤْثِرُونَ عَلَىٰ أَنفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ وَمَن يُوقَ شُحَّ نَفْسِهِ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ﴾ (الحشر:۸-۹)

(اور ان مفلسوں تارکینِ وطن کے لئے بھی جو اپنے گھروں اور مالوں سے خارج (اور جدا) کر دیئے گئے ہیں (جو) اللہ کے فضل اور اس کی خوشنودی کے طلبگار اور اللہ اور اس کے پیغمبر کے مددگار ہیں۔ یہی لوگ سچے (ایماندار) ہیں۔ اور (ان لوگوں کے لئے بھی) جو مہاجرین سے پہلے (ہجرت کے گھر (یعنی مدینے) میں مقیم اور ایمان میں (مستقل) رہے اور جو لوگ ہجرت کر کے ان کے پاس آتے ہیں ان سے محبت کرتے ہیں اور جو کچھ ان کو ملا اس سے اپنے دل میں کچھ خواہش (اور خلش) نہیں پاتے، اور ان کو اپنی جانوں سے مقدم رکھتے ہیں خواہ ان کو خود احتیاج ہی ہو اور جو شخص حرصِ نفس سے بچا لیا گیا تو ایسے ہی لوگ مراد پانے والے ہیں)

ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے مہاجرین و انصار کی بڑی تعریف فرمائی ہے اور انہیں بھلائیوں کی طرف سبقت کرنے والے کہا ہے۔ اس کی بھی خبر دی ہے کہ وہ ان سے راضی ہے ان کے لئے باغات تیار کئے ہیں، اسی طرح انہیں آپس میں ایک دوسرے پر رحم کرنے والے اور کافروں پر سختی کرنے والے بتایا ہے۔ اسی طرح ان کے اوصاف بتاتے ہوئے فرمایا کہ کثرت سے رکوع سجدہ کرنے والے ہیں، ان کے دل پاک وصاف ہیں۔ ان کے چہروں پر اطاعت و ایمان کی جو نشانی و نور ہے اس سے وہ پہچانے جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنی نبی (ﷺ) کی صحبت کے لئے اختیار فرمایا ہے، تاکہ کافروں کو غصہ دلائے۔ مہاجرین کی تعریف

میں فرمایا کہ انہوں نے محض اللہ تعالی کے لئے اور اس کے دین کی نصرت کے لئے اس کے فضل و رضا کی تلاش میں اپنے وطن عزیز اور مال و دولت کو خیر باد کہا اور وہ اپنے اس عمل میں سچے تھے، انصار کی تعریف میں فرمایا کہ وہ ہجرت، نصرت، ایمانِ صادق کے گھر والے ہیں۔ ان کی خوبیوں میں سے یہ بیان کیا کہ وہ اپنے مہاجر بھائیوں سے محبت کرتے ہیں۔ ان کو اپنے پر ترجیح دیتے ہیں، ان سے ہمدردی کرتے ہیں، وہ بخل سے پاک ہیں، جن کی وجہ سے فلاح و کامرانی ان کے قدم چومتی ہے، یہ ان کے بعض فضائل و حسنات ہیں۔ ان کے علاوہ کچھ خاص فضائل و رتبے ہیں جن کی وجہ سے ان میں سے بعض بعض سے ممتاز ہیں اور یہ ان کی اسلام کی طرف سبقت، جہاد و ہجرت کی وجہ سے ہے۔

افضل ترین صحابہ

لہذا افضل ترین صحابہ خلفائے اربعہ سیدنا ابو بکر، سیدنا عمر، سیدنا عثمان اور سیدنا علی رضی اللہ عنہم تھے۔ ان کے بعد باقی عشرۂ مبشرہ ہیں۔ جو ان چار کے علاوہ سیدنا طلحہ، سیدنا زبیر، سیدنا عبدالرحمن بن عوف، سیدنا ابو عبیدہ بن الجراح، سیدنا سعد بن ابی وقاص، سیدنا سعید بن زید رضی اللہ عنہم ہیں۔ مہاجرین کو انصار پر فضیلت دی گئی ہے۔ اہل بدر اور اہل بیعۃ الرضوان کی بھی خاص فضیلت آئی ہے، فتح مکہ سے پہلے جو اسلام لائے اور جہاد کیا ہے ان کو فتح مکہ کے بعد اسلام قبول کرنے والے پر فضیلت دی گئی ہے۔

صحابہ کرام کے مابین ہونے والے کشت و خون اور فتنہ و فساد سے متعلق اہل سنت و جماعت کا موقف

صحابہ کرام کے اندر فتنہ پھیلنے کی وجہ اسلام اور اہل اسلام کے خلاف یہودیوں کی

سازش تھی۔ ایک خبیث ترین مکار یمن کے یہودی عبداللہ بن سبا کو یہودیوں نے کھڑا کیا، اس نے جھوٹ موٹ اپنے اسلام کا اعلان کیا، پھر یہ خبیث یہودی اپنے حقد و حسد کا زہر خلیفۂ ثالث سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف اگلنے لگا، ان کے خلاف من گھڑت تہمتیں بنا بنا کر پھیلانے لگا، لہٰذا کچھ کمزور ایمان، کوتاہ نظر و فتنہ پسند لوگ اس سے دھوکہ کھا کر اس کے ارد گرد جمع ہو گئے اور اسی سازش کے نتیجہ میں سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ مظلومیت کی حالت میں شہید کیے گئے۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے فوراً بعد مسلمانوں میں اختلافات شروع ہو گئے اور اس یہودی اور اس کے متبعین کے اکسانے پر فتنہ نے اپنا سر اٹھایا اور صحابہ کرام اپنے اپنے اجتہاد کے مطابق آپس میں لڑ پڑے۔

کتاب "الطحاویہ" کے شارح لکھتے ہیں: (رفض کا فتنہ ایک منافق اور زندیق نے پیدا کیا، اس نے دینِ اسلام کو ختم کرنا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت کو داغدار کرنا چاہا، جیسا کہ علمائے کرام نے بیان کیا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ عبداللہ بن سبا نے جب اپنے اسلام کا اظہار کیا تو اس نے دراصل اپنی خباثت اور مکاری سے دینِ اسلام میں فساد پھیلانا چاہا، جیسا کہ بولس نے نصرانیت کے ساتھ کیا، سب سے پہلے اس نے اپنی عبادت و زہد کا اظہار کیا، پھر امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا اظہار کیا۔ یہاں تک کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ سے متعلق فتنہ پھیلانے اور انہیں قتل کرنے کی کوشش کی، پھر جب کوفہ آیا تو سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے متعلق غلو کا اظہار کیا اور ان کی نصرت و تائید کرنی چاہی، تاکہ اس سے اپنے اغراض و مقاصد کو پہنچ سکے۔ جب سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو ان کی خبر ہوئی تو انہوں نے اس کو قتل کرنے کا حکم دے دیا، لیکن وہ قرقیس کی طرف بھاگ گیا اور اس کی پوری روداد تاریخ میں مشہور ہے)۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ لکھتے ہیں: (جب سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا قتل ہوا تو مسلمانوں کے دل منتشر ہو گئے، مصائب کے پہاڑ ان پر ٹوٹ پڑے، شریر و خبیث لوگ سامنے آ گئے اور اچھے لوگ ذلیل ہو گئے اور وہ لوگ فتنہ بھڑکانے لگے جو اب تک کچھ نہیں کر

سکتے تھے۔ اور اصلاح و خیر کو چاہنے والے اپنے میدان میں بے دست و پا ہو گئے۔ لہٰذا لوگوں نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کر لی، وہ خلافت کے لئے اس وقت سب سے زیادہ موزوں ترین شخص تھے اور باقی ماندہ صحابہ کرام میں سب سے اچھے تھے۔ لیکن چونکہ دل منتشر تھے اور فتنہ کی آگ بھڑک رہی تھی لہٰذا لوگوں کا پورا اتفاق نہ ہو سکا۔ جماعت کی شیرازہ بندی نہ ہو سکی۔ لہٰذا خلیفۂ وقت اور امت کے اچھے و مصلح لوگ وہ نہ کر سکے جو وہ چاہتے تھے کچھ لوگ فتنہ و فساد کے شعلوں میں کود پڑے، پھر جو ہوا سب کو معلوم ہے)[۱]۔

سیدنا علی و سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہما کے مابین جنگ میں صحابہ کرام کے آپسی جدال و قتال کا عذر پیش کرتے ہوئے علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ آگے لکھتے ہیں: (سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے جنگ کے وقت خلافت کا دعویٰ نہیں کیا تھا اور نہ ہی اس کے لئے ان کی بیعت ہوئی تھی، اور اپنے آپ کو خلیفہ سمجھ کر سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے جنگ بھی نہیں کی تھی، اور نہ ہی وہ اپنے آپ کو خلافت کا مستحق سمجھتے تھے، سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ سے اس سلسلہ میں جو شخص بھی سوال کرتا اس کے جواب میں آپ اس بات کا اقرار کرتے تھے۔ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ اور آپ کے ساتھی یہ نہیں سمجھتے تھے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں سے جنگ میں پہل کریں، بلکہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور آپ کے ساتھی یہ سمجھتے تھے کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں کے لئے ضروری ہے کہ ہماری اطاعت کریں، ہم سے بیعت کریں اس لئے کہ مسلمانوں کا ایک ہی خلیفہ ہو سکتا ہے۔ لہٰذا اس رو سے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھی سمع و طاعت سے خارج ہیں اور ایک واجب کو ادا نہیں کر رہے ہیں۔ جب کہ وہ طاقتور بھی ہیں، لہٰذا انہوں

---

۱ مجموع الفتاوی (۲۵/۳۰۴-۳۰۵)۔

نے ان کے ساتھ جنگ کرنا ضروری سمجھا تاکہ وہ لوگ اس واجب کو ادا کریں خلیفہ کی اطاعت ہو اور جماعت کا شیرازہ برقرار رہے، جب کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کا کہنا تھا کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی بیعت و طاعت ان پر واجب نہیں اس کے لئے اگر ان سے جنگ کی گئی تو وہ مظلوم ہوں گے، انہوں نے یہ اس لئے کہا کہ تمام مسلمانوں کا اس پر اتفاق ہے کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ مظلومیت کی حالت میں شہید کئے گئے ہیں اور ان کے قاتلین سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی فوج میں شامل ہیں۔ فوج میں ان کا غلبہ ہے۔ ان کی طاقت ہے، ہم کہیں گے تو ہم پر ظلم و زیادتی کریں گے۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ انہیں روک نہیں پائیں گے جیسے کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے معاملہ میں انہیں روک نہیں پائے تھے، لہٰذا ہمیں کسی ایسے خلیفہ کی بیعت کرنی چاہیے جو ہمیں انصاف دلا سکے اور ہمارے لئے انصاف کی کوشش کر سکے۔

صحابہ کرام کے مابین اختلافات اور جنگ و جدال سے متعلق اہل سنت و جماعت کا جو موقف ہے اس کا خلاصہ کیا جائے تو دو چیزیں سامنے آئیں گی۔

اول: اہل سنت و جماعت صحابہ کرام کے مابین ہونے والے جنگ و جدال سے متعلق اپنی زبان بند رکھتے ہیں اور اس کی زیادہ کھود کرید نہیں کرتے اس لئے کہ سلامتی چپ رہنے ہی میں ہے، خاص طور پر اس طرح کے معاملہ میں۔ تو انکی دعا یہ ہوتی ہے:

﴿رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِإِخْوَانِنَا الَّذِينَ سَبَقُونَا بِالْإِيمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِي قُلُوبِنَا غِلًّا لِّلَّذِينَ آمَنُوا رَبَّنَا إِنَّكَ رَءُوفٌ رَّحِيمٌ﴾ (الحشر: ۱۰)

(اے ہمارے رب! ہمارے اور ہمارے بھائیوں کے جو ہم سے پہلے ایمان لائے ہیں گناہ معاف فرما اور مومنوں کی طرف سے ہمارے دل میں کینہ (و حسد) نہ پیدا ہونے دے، اے ہمارے رب! تو بڑا شفقت کرنے والا مہربان ہے)

دوم: صحابہ کے سلسلہ میں من گھڑت برائیوں سے متعلق جو روایتیں ہیں ان کا

متعدد طریقوں سے جواب دینا جو حسب ذیل ہیں:

پہلا طریقہ: یہ تمام مرویات جھوٹے ہیں دشمنانِ اسلام نے صحابہ کرام کو بدنام کرنے کے لئے گڑھے ہیں۔

دوسرا طریقہ: ان روایات میں حذف واضافہ سے کام لیا گیا ہے یا اس کی صحیح شکل بگاڑ دی گئی ہے، اس میں جھوٹ کی آمیزش کی گئی ہے۔ لہٰذا یہ محرف ہیں، ان کی طرف رجوع کرنا صحیح نہیں ہے۔

تیسرا طریقہ: اس ضمن میں جتنے صحیح آثار واحادیث وارد ہوئے بھی ہیں تو وہ بہت کم ہیں جن میں صحابہ کرام کو معذور سمجھنا چاہیے کیونکہ صحابہ کرام سب کے سب مجتہد تھے یا تو انہوں نے اپنے اجتہاد میں صحیح فیصلہ کیا یا غلط، اگر صحیح فیصلہ کیا ہے تو ان کے لئے دو اجر ہیں، اور اگر غلط فیصلہ کیا ہے تو ان کے لئے ایک اجر ہے ساتھ ہی ان کی غلطی بھی معاف ہے۔ اس بارے میں رسول اللہ (ﷺ) کا ارشاد گرامی ہے کہ: ''إِذَا اجْتَهَدَ الْحَاكِمُ فَأَصَابَ فَلَهُ أَجْرَانِ، وَإِذَا اجْتَهَدَ فَأَخْطَأَ فَلَهُ أَجْرٌ وَاحِدٌ'' [1] (جو کوئی حاکم (قاضی یا فیصلہ کرنے والا) اجتہاد کرتا ہے اور اس میں صحیح بات کو پالیتا ہے تو اس کے دو اجر ہیں اور اگر اجتہاد کی صورت میں غلطی کر بیٹھتا ہے تو اس کا ایک اجر ہے)

چوتھا طریقہ: وہ ہمارے ہی طرح انسان تھے ان سے غلطی سرزد ہو سکتی ہے، اس لئے وہ

[1] البخاري الاعتصام بالكتاب والسنة (٦٩١٩)، مسلم الأقضية (١٧١٦)، أبو داود الأقضية (٣٥٧٤)، ابن ماجه الأحكام (٢٣١٤).

باعتبارِ افراد گناہ و خطاء سے معصوم نہیں ہیں[1] اور ان سے جو کچھ بھی گناہ سرزد ہوں ان کے ہزاروں مکفرات (نیک اعمال) ان کے پاس ہیں، جن سے ان کے گناہ دھل سکتے ہیں:

۱- ان کے لئے توبہ ہے جو ہر گناہ کو کھا جاتی ہے جیسا کہ اس بارے میں دلائل موجود ہیں۔

۲- ان کے بہت سے فضائل و نیک اعمال ہیں جن کی وجہ سے ان کی غلطی کی مغفرت ہو سکتی ہے اگر واقعی کوئی غلطی ہو بھی، جیسا کہ اللہ تعالی نے فرمایا:

﴿إِنَّ الْحَسَنَاتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّئَاتِ﴾ (ھود:۱۱۴)

(بیشک نہیں کہ نیکیاں گناہوں کو مٹا دیتی ہیں)

ساتھ ہی ان کو رسول اکرم ﷺ کی صحبت نصیب ہے، آپ ﷺ کے ساتھ مل کر جہاد کا شرف حاصل ہے، جو ان کے ان معمولی خطاء کو دھونے کے لئے کافی ہے۔

۳- ان کی نیکیاں دوسروں کی نیکیوں کے مقابلہ میں بہت زیادہ کر دی گئی ہیں، کوئی ان کے فضل و فضیلت کو کوئی نہیں پا سکتا، رسول اللہ ﷺ کے ارشاد گرامی سے ثابت ہے کہ وہ سب خیر القرون (بہترین نسل) تھے ان کا ایک مد صدقہ دوسروں کے احد پہاڑ کے برابر سونا کے صدقہ سے افضل و بہتر ہے[2]، اللہ ان سے راضی ہو اور انہیں بھی راضی رکھے۔

علامہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: (تمام اہل سنت والجماعت اور ائمہ

[1] لیکن باعتبار مجموعی ان کا اجماع معصوم ہے جیسا کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کا ارشادِ گرامی ہے کہ: "لا تجتمع أمتي على ضلالة" (احمد ۲۵۹۶۶ والطبرانی فی الکبیر ۲۱۷۱)) (میری امت گمراہی پر جمع نہیں ہو سکتی)

[2] ایک متفق علیہ حدیث کا مفہوم۔

دین کا اس بات پر اجماع ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے کوئی صحابی بھی معصوم نہیں، نہ تو سابقین اولین والے، نہ ہی لواحقین اور قرابت والے بلکہ ان سے گناہ سرزد ہونا ممکن ہے، پھر اللہ تعالیٰ توبہ کے ذریعہ ان کے گناہ کو معاف کر دے گا، ان کے درجات کو بلند فرمائے گا اور ان کے نیک اعمال کی وجہ سے ان کے گناہ مٹ جائیں گے یا دیگر دوسرے اسباب کی بنا پر ان کی مغفرت ہو جائے گی، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَالَّذِي جَاءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِهِ أُولَٰئِكَ هُمُ الْمُتَّقُونَ لَهُم مَّا يَشَاءُونَ عِندَ رَبِّهِمْ ذَٰلِكَ جَزَاءُ الْمُحْسِنِينَ لِيُكَفِّرَ اللَّهُ عَنْهُمْ أَسْوَأَ الَّذِي عَمِلُوا وَيَجْزِيَهُمْ أَجْرَهُم بِأَحْسَنِ الَّذِي كَانُوا يَعْمَلُونَ﴾ (الزمر: ۳۳-۳۵)

(اور جو شخص اچھی بات لے کر آیا اور جس نے اس کی تصدیق کی وہی لوگ متقی ہیں، وہ جو چاہیں گے ان کے لئے ان کے رب کے پاس (موجود) ہے، نیکو کاروں کا یہی بدلا ہے، تاکہ اللہ ان سے برائیوں کو جو انہوں نے کیں دور کر دے اور جو سب سے بہترین نیک کام وہ کرتے رہے ان کو بدلہ دے)

اور ایک جگہ ارشاد ہے:

﴿حَتَّىٰ إِذَا بَلَغَ أَشُدَّهُ وَبَلَغَ أَرْبَعِينَ سَنَةً قَالَ رَبِّ أَوْزِعْنِي أَنْ أَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِي أَنْعَمْتَ عَلَيَّ وَعَلَىٰ وَالِدَيَّ وَأَنْ أَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضَاهُ وَأَصْلِحْ لِي فِي ذُرِّيَّتِي إِنِّي تُبْتُ إِلَيْكَ وَإِنِّي مِنَ الْمُسْلِمِينَ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ نَتَقَبَّلُ عَنْهُمْ أَحْسَنَ مَا عَمِلُوا وَنَتَجَاوَزُ عَن سَيِّئَاتِهِمْ فِي أَصْحَابِ الْجَنَّةِ﴾ (الاحقاف: ۱۵، ۱۶)

(یہاں تک کہ ایک شخص خوب جوان ہوتا ہے اور چالیس برس کو پہنچ جاتا ہے تو کہتا ہے: اے میرے رب! مجھے توفیق دے کہ تو نے جو احسان مجھ پر اور میرے ماں باپ پر کئے ہیں ان کا شکر گزار بنوں اور یہ کہ نیک عمل کروں، جن کو تو پسند کرلے اور میری اولاد میں صلاح (و تقویٰ) دے، میں تیری طرف رجوع کرتا ہوں اور میں فرمانبرداروں میں سے ہوں، یہی

لوگ ہیں جن کے اعمال نیک ہم قبول کریں گے اور ان کے گناہوں سے درگزر فرمائیں گے اور (یہی) اہل جنت میں (ہوں گے))[1]

صحابہ کرام کے مابین اختلافات اور جنگ و جدال کا جو فتنہ اٹھ تھا اس کو دشمنانِ دینِ اسلام نے صحابہ کرام کی شخصیت و کرامت پر حملہ کرنے کا سبب بنالیا۔ اس خبیثانہ عمل میں آج کل کے کچھ اصحاب قلم لگے ہوئے ہیں، جو بلا علم و معرفت کے محض بکواس کرتے ہیں اور اپنے آپ کو صحابہ کرام کے مابین حَکم و فیصل بنا کر پیش کرتے ہیں اور بلا دلیل و حجت کسی صحابی کو سچا اور کسی کو خطاکار گردانتے ہیں اور یہ سب کچھ جہالت، خواہشات کی پیروی اور حاقد و حاسد دشمن مستشرقین اور ان کے دم چھلوں کی تقلید میں کیا جاتا ہے۔ ان لوگوں نے اپنے عمل سے اسلامی تاریخ اور قرنِ اول کے اسلام سے ناواقف بعض نوجوانوں میں شک و شبہ کا بیج بو دیا ہے، اس طرح سے وہ دیارِ اسلام ہی سے اسلام پر خنجر چلانا چاہتے ہیں۔ مسلمانوں میں انتشار وانار کی پیدا کرنا چاہتے ہیں اور اس امت کے موجودہ نسل میں اپنے اسلاف کی اقتداء کے بجائے ان سے متعلق بغض و نفرت کا بیج بونا چاہتے ہیں، اور تاکہ وہ اللہ تعالی کے اس فرمان پر عمل نہ کرسکیں:

﴿وَالَّذِيْنَ جَاۗءُوْ مِنْۢ بَعْدِهِمْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِيْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَآ اِنَّكَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ﴾ (الحشر:۱۰)

(اور جو ان (مہاجرین) کے بعد آئے وہ دعاء کرتے ہیں کہ اے ہمارے رب! ہمارے اور ہمارے بھائیوں کے جو ہم سے پہلے ایمان لائے ہیں گناہ معاف فرما اور مومنوں کی طرف سے ہمارے دل میں کینہ (وحسد) نہ پیدا ہونے دے، اے ہمارے رب! تو بڑا شفقت کرنے والا مہربان ہے)

[1] دیکھئے مجموع الفتاوی (۳۵/۶۹)۔

چھٹی فصل

صحابۂ کرام اور ائمۂ عظام کو برا بھلا کہنے کی ممانعت کا بیان

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو برا بھلا کہنے کی ممانعت

اہل سنت و جماعت کے نزدیک مسلمہ اصول ہے کہ صحابہ کرام سے متعلق ان کے دل صاف اور ان کی زبان ان کے ثناخواں ہیں وہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان پر عمل کرتے ہیں:

﴿وَالَّذِيْنَ جَاءُوْا مِنْ بَعْدِهِمْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِإِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْإِيْمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِيْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِيْنَ آمَنُوْا رَبَّنَا إِنَّكَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ﴾ [الحشر:١٠]

(اور جو ان (مہاجرین) کے بعد آئے وہ دعا کرتے ہیں کہ اے ہمارے رب! ہمارے اور ہمارے بھائیوں کے جو ہم سے پہلے ایمان لائے ہیں گناہ معاف فرما اور مومنوں کی طرف سے ہمارے دل میں کینہ (وحسد) نہ پیدا ہونے دے اے ہمارے رب!
تو بڑا شفقت کرنے والا مہربان ہے)

پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول کی اطاعت گزاری کرتے ہیں: ”لَا تَسُبُّوْا أَصْحَابِيْ، فَوَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ، لَوْ أَنَّ أَنْفَقَ أَحَدُكُمْ مِثْلَ أُحُدٍ ذَهَبًا مَا بَلَغَ مُدَّ أَحَدِهِمْ وَلَا نَصِيْفَهٗ“[1] (میرے صحابہ کو سب وشتم نہ کرو، اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے اگر تم میں سے ولی احد (پہاڑ) کے برابر سونا خرچ کرے تو ان میں سے کسی کے مد

[1] البخاري المناقب (٣٤٧٠)، مسلم فضائل الصحابة (٢٥٤١)، الترمذي المناقب (٣٨٦١)، أبو داود السنة (٤٦٥٨)، ابن ماجه المقدمة (١٦١)، أحمد (٥٤/٣)

نصف مد کے ثواب تک کے برابر نہیں پہنچ سکتا)

وہ روافض و خوارج کے گمراہ کن طریقہ سے پاک ہیں جو صحابہ کرام کو سب و شتم کرتے ہیں، ان کے لئے بغض رکھتے ہیں ان کے فضائل کا انکار کرتے ہیں اور ان میں کے اکثر پر کفر کا فتویٰ لگاتے ہیں۔

کتاب و سنت میں صحابہ کرام کے جو فضائل بیان ہوئے ہیں ان کو اہل سنت و جماعت قبول کرتے ہیں اور صحابہ کرام کو امت کی سب سے اچھی جماعت کہتے ہیں، جیسے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "خَيْرُكُمْ قَرْنِي"[1] (تم میں بہتر میرے دور کے لوگ ہیں) اور جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس امت کے تہتر (۷۳) فرقوں میں بٹ جانے اور ایک فرقہ کے سوا سب کے جہنم جانے کے بارے میں ذکر فرمایا تو لوگوں نے اس ایک جماعت کے متعلق پوچھا تو اس پر بھی آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے یہی فرمایا کہ: "هِيَ مَنْ كَانَ عَلَى مِثْلِ مَا أَنَا عَلَيْهِ الْيَوْمَ وَأَصْحَابِي"[2] (یہ وہ لوگ ہیں جو اسی پر قائم رہیں گے جس پر آج میں اور میرے صحابہ کرام قائم ہیں)۔

امام ابو زرعہ رحمہ اللہ جو امام مسلم رحمہ اللہ کے سب سے بڑے شیوخ میں شمار ہوتے ہیں نے فرمایا: (جب بھی کسی شخص کو دیکھو کہ وہ صحابہ کرام میں سے کسی کی کوئی خامی تلاش کر رہا ہے تو سمجھو کہ وہ زندیق (بے دین) ہے، اس لئے کہ قرآن حق ہے، رسول حق ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی شریعت حق ہے، یہ سب کو معلوم ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی

[1] البخاري الشهادات (٢٥٠٨)، مسلم فضائل الصحابة (٢٥٣٥)، الترمذي الفتن (٢٢٢١)، النسائي الأيمان والنذور (٣٨٠٩)، أبو داود السنة (٤٦٥٧)، أحمد (٤/٤٢٧).

[2] الترمذي الإيمان (٢٦٤١).

تعلیمات کو ہم تک پہنچانے والے صحابہ کرام ہی ہیں۔ لہٰذا ان پر جرح کرنا در اصل اسلامی تعلیمات و کتاب و سنت کو باطل قرار دینا ہے۔ لہٰذا صحابہ کرام پر جرح کرنے والے کو زندیق؛ گمراہ کہنا برحق ہے)۔

علامہ ابن حمدان رحمہ اللہ اپنی تصنیف نہایۃ المبتدئین میں لکھتے ہیں: (اگر کوئی کسی صحابی کو برا بھلا کہنا جائز سمجھتا ہے تو وہ کافر ہے اور اگر سب و شتم کرتا ہے لیکن اس کو جائز نہیں سمجھتا ہے تو وہ فاسق ہے۔ انہی سے ایک روایت مطلقاً کافر ہونے کی بھی ہے اور اگر کوئی کسی صحابہ پر فسق کا حکم لگاتا یا ان کی دینداری پر طعن کرتا ہے یا ان پر کفر کا فتویٰ لگاتا ہے تو وہ بھی کافر ہے)[1]۔

ائمہ ہدایت و علمائے امت کو برا بھلا کہنے کی ممانعت

صحابہ کرام کے بعد فضل و کرم کے اعتبار سے آئمہ ہدایت دوسرے نمبر پر آتے ہیں۔ ان میں خیر القرون کے تابعین و تبع تابعین اور ان کے بعد آنے والے جنہوں نے صحابہ کرام کی بطور احسن اتباع کی شامل ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَالسَّابِقُونَ الْأَوَّلُونَ مِنَ الْمُهَاجِرِينَ وَالْأَنصَارِ وَالَّذِينَ اتَّبَعُوهُم بِإِحْسَانٍ رَّضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ﴾ (التوبة: ۱۰۰)

(جن لوگوں نے سبقت کی (یعنی سب سے) پہلے (ایمان لائے) مہاجرین میں سے بھی اور انصار میں سے بھی اور جنہوں نے بطور احسن ان کی پیروی کی

[1] شرح عقیدۃ السفارینی (۲/۳۸۸، ۳۸۹)۔

اللہ ان سے خوش ہے، اور وہ اللہ سے خوش ہیں)

لہٰذا ان کی تنقیص کرنا یا انہیں برا بھلا کہنا کسی حال میں جائز نہیں اس لئے کہ یہ رشد و ہدایت کے علم بردار ہیں، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَمَن يُشَاقِقِ الرَّسُولَ مِن بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدَىٰ وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيلِ الْمُؤْمِنِينَ نُوَلِّهِ مَا تَوَلَّىٰ وَنُصْلِهِ جَهَنَّمَ وَسَاءَتْ مَصِيرًا﴾ (النساء: ۱۱۵)

(اور جو شخص سیدھا راستہ معلوم ہونے کے بعد پیغمبر کی مخالفت کرے اور مومنوں کے راستے کے سوا اور راستے پر چلے تو جدھر وہ چلتا ہے ہم اسے ادھر ہی چلنے دیں گے اور (قیامت کے دن) جہنم میں داخل کریں گے، اور وہ بری جگہ ہے)

الطحاویہ کے شارح فرماتے ہیں: (ہر مسلمان پر واجب ہے کہ اللہ اور اس کے رسول کی محبت و دوستی کے بعد مومنین کے ساتھ بھی دوستانہ و ہمدردانہ تعلق رکھے جیسا کہ قرآن مجید میں ارشاد ہوا ہے، خاص طور پر انبیاء کے وارثوں سے تعلق و دوستی تو بہت ضروری ہے، جنہیں اللہ تعالیٰ نے ستاروں کے مانند بتایا ہے جن کی روشنی کے ذریعہ بر و بحر کے شب ظلمات کی راہیں طے کی جاتی ہیں، تمام مسلمانوں کا اس بات پر اجماع ہے کہ ان کی ہدایت و سمجھ بوجھ میں کوئی نقص نہیں ہے۔

یہ لوگ دراصل رسول اللہ ﷺ کی امت کے سلسلہ میں آپ ﷺ کے خلفاء ہیں، مردہ سنتوں کو یہ زندہ کرتے ہیں، انہی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی کتاب بھی قائم ہے، اور ان کی زندگی کا سب سے بڑا مقصد کتاب اللہ کی نشر و اشاعت ہے۔ کتاب ان کی زبان سے بولتی ہے اور یہ کتاب کی زبان بولتے ہیں۔ یہ تمام لوگ یقینی طور پر اس بات پر متفق ہیں کہ رسول

اللہ ﷺ کی پیروی واجب ہے، لیکن جب ان میں سے کسی کا کوئی قول منقول ہو جو کسی صحیح حدیث کے بر خلاف ہو تو یقیناً اس حدیث کو چھوڑنے کا ان کے پیشِ نظر کوئی نہ کوئی عذر ضرور ہوگا)، اور اس عذر کی مندرجہ ذیل تین صورتیں ممکن ہیں:

عذر کی تین قسمیں:

۱۔ اس (عالم/امام) کا یہ اعتقاد ہو کہ رسول اللہ ﷺ نے ایسا نہیں فرمایا ہے (یعنی اس کی سند اس کے نزدیک صحیح نہ ہو)۔

۲۔ اس کا اعتقاد ہو کہ در حقیقت رسول اللہ ﷺ کا اس قول سے یہ مسئلہ مراد نہیں تھا۔ (یعنی فہمِ حدیث میں اختلاف ہو)

۳۔ اس کا اعتقاد ہو کہ یہ حکم (کسی دوسری حدیث کے ذریعہ) منسوخ ہے۔

ہم پر ان کے بڑے احسانات ہیں، ہم سے پہلے اسلامی تعلیمات کے بار گراں کو اٹھایا، ہم تک پوری امانت کے ساتھ اسے پہنچایا، اس کے رموز و غموض کو بیان فرمایا، اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہو اور انہیں راضی فرمائے۔

﴿رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِإِخْوَانِنَا الَّذِينَ سَبَقُونَا بِالْإِيمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِي قُلُوبِنَا غِلًّا لِّلَّذِينَ آمَنُوا رَبَّنَا إِنَّكَ رَءُوفٌ رَّحِيمٌ﴾ (الحشر:١٠)

(اے ہمارے رب! ہمارے اور ہمارے بھائیوں کے جو ہم سے پہلے ایمان لائے ہیں گناہ معاف فرما اور مومنوں کی طرف سے ہمارے دل میں کینہ (وحسد) نہ پیدا ہونے دے، اے ہمارے رب! تو بڑا شفقت کرنے والا مہربان ہے)

علماء کرام کی قدر و منزلت کو گھٹانا اور ان سے اجتہادی غلطی ہونے پر ان کی تنقیص کرنا بدعتیوں کا طریقہ ہے اور دشمنانِ اسلام کی ایک گہری سازش ہے تا کہ دینِ اسلام

کے بارے میں شکوک وشبہات پیدا کئے جائیں اور مسلمانوں کے درمیان بغض وعداوت کو جنم دیا جائے، اور اس لئے بھی تاکہ اس امت کے خلف (بعد میں آنے والے) اپنے سلف (گزرے ہوؤں) سے کٹ جائیں اور ساتھ ہی علماء کرام اور نوجوانوں کے مابین ایک خلیج پڑ جائے، جیسا کہ ہماری موجودہ حالت ہے۔ لہٰذا ایسے بعض ابتدائی طلباء کو بھی متنبہ ہو جانا چاہیے جو فقہائے امت کی قدر ومنزلت کو گھٹاتے ہیں اور فقہِ اسلامی کی قدر ومنزلت کو کم کرتے ہیں، اس کے پڑھنے اور پڑھانے سے بے رغبتی کا اظہار کرتے ہیں اور اس کے اندر جو حق اور اچھی باتیں ہیں اس کو بھی قبول کرنے سے انکار کرتے ہیں، جب کہ انہیں اپنے فقہِ اسلامی پہ عزت محسوس کرنی چاہیے۔ اپنے علماء وفقہا کی تکریم وتوقیر کرنی چاہیے اور گمراہ کن ومغرضانہ پروپیگنڈوں سے متاثر نہیں ہونا چاہیے، اللہ تعالیٰ سب کو توفیق دے[1]۔

[1] تفصیل کے لئے دیکھیں "رفع الملام عن آئمة الاعلام" از امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ اور شیخ ابن عثیمین رحمہ اللہ کا مضمون (فقہاء کرام کے اختلاف میں کیا کرنا چاہیے)۔ (ط ع)

چھٹا باب

بدعتیں

اس باب میں حسب ذیل فصلیں ہوں گی:

فصل اول

بدعت کی تعریف اور اس کی اقسام واحکام

بدعت کی تعریف

لغت کے اعتبار سے بدعت لفظ "البَدْع" سے ماخوذ ہے جس کا معنی ہے:

"الاختراع علی غیر مثال سابق" (بغیر سابقہ مثال کے کسی چیز کے ایجاد واختراع)۔ اللہ

تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿بَدِيعُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ﴾ (البقرة:۱۱۷)

((وہی) آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنے والا ہے)

یعنی بغیر سابقہ مثال کے زمین و آسمان کا ایجاد کرنے والا ہے، ایک اور جگہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿قُلْ مَا كُنتُ بِدْعًا مِّنَ الرُّسُلِ﴾ (الاحقاف:۹)

(کہہ دو کہ میں کوئی نیا پیغمبر نہیں آیا)

یعنی میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے پیغام لانے والا کوئی پہلا پیغمبر تو نہیں ہوں بلکہ مجھ سے پہلے بہت سارے پیغمبر آ چکے ہیں۔

عام بول چال میں کہا جاتا ہے: "ابتدع فلان بدعة" (فلاں شخص نے فلاں بدعت ایجاد کی) یعنی ایسا طریقہ ایجاد کیا جو اس سے پہلے کسی نے نہ کیا تھا۔

بدعت کی اقسام واحکام

بدعت کی دو قسمیں ہیں:

عادات واطوار کی بدعت جیسے نئی ایجادات واختراعات کی بدعت، یہ بدعت جائز ہے، اس لئے کہ عادات واطوار کے اندر اصل مباح وحلال ہے۔

بدعت کی دوسری قسم ہے دین کے اندر بدعت پیدا کرنا یہ بدعت حرام ہے، اس لئے کہ شریعت ودین دراصل توقیفی (وحی الٰہی کے تابع) چیز ہے، رسول اللہ ﷺ کا ارشاد

ہے: ''مَنْ أَحْدَثَ فِي أَمْرِنَا هَذَا مَا لَيْسَ فِيهِ فَهُوَ رَدٌّ''[1] (جو ہمارے اس معاملہ (دین) میں ایسی نئی بات ایجاد کرے جو اس میں سے نہیں تو وہ مردود ہے) ایک اور روایت کے الفاظ ہیں: ''مَنْ عَمِلَ عَمَلًا لَيْسَ عَلَيْهِ أَمْرُنَا فَهُوَ رَدٌّ''[2] (جو کوئی ایسا عمل کرے جس پر ہمارا معاملہ (دین) نہیں وہ مردود ہے)

دین میں بدعت کی بھی دو قسمیں ہیں:

پہلی قسم: قولی و اعتقادی بدعت، جیسے جہمیہ، معتزلہ، روافض اور تمام گمراہ فرقوں کے اقوال و تحریریں اور ان کے اعتقادات۔

دوسری قسم: اللہ تعالیٰ کی عبادت ایسی عبادت کے ساتھ کرنا جو اس نے مشروع قرار نہ دی ہو، اس کی بھی متعدد قسمیں ہیں جو حسب ذیل ہیں:

۱۔ جس میں اصل عبادت ہی بدعت ہو، جیسے عبادت کا کوئی ایسا طریقہ نکالا جائے جس کی شریعت میں کوئی سند نہ ہو، مثلاً نئی وغیر مشروع نماز نکالی جائے یا غیر مشروع روزہ رکھا جائے یا نئی عید منائی جائے جیسے عید میلاد وغیرہ۔

۲۔ مشروع عبادت میں کسی چیز کا اضافہ کر دیا جائے، جیسے ظہر یا عصر کی نماز میں ایک رکعت بڑھا کر اس کی رکعتیں پانچ کر دی جائیں وغیرہ۔

۳۔ مشروع عبادت کی ادائیگی میں بدعت پیدا کر لی جائے اور غیر مشروع طریقہ پر اسے ادا کیا

[1] تخریج گزر چکی ہے۔

[2] البخاري الصلح (۲۵۵۰)، مسلم الأقضية (۱۷۱۸)، أبو داود السنة (۴۶۰۶)، ابن ماجه المقدمة (۱۴)، أحمد (۲۵۶/۶).

جائے، جیسے مسنون دعاؤں کو اجتماعی طور پر گا گا کر پڑھا جائے یا پھر عبادت میں نفس پر اتنی سختی کی جائے کہ رسول اللہ ﷺ کی سنت کے دائرہ سے نکل جائے۔

۴- کسی مشروع عبادت کے لئے غیر مشروع وقت کی تعیین کی جائے، جیسے نصف شعبان کے دن کو روزے کے لئے اور اس کی رات کو قیام کے لئے خاص کر لینا، کیونکہ نماز و روزہ اصلاً تو مشروع ہیں، لیکن اس کے کوئی خاص اوقات مقرر کرنے کے لئے کوئی ٹھوس دلیل درکار ہے۔

دین میں بدعت اور اس کے تمام اقسام کا حکم

دین میں ہر بدعت حرام و گمراہی ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: "وَإِيَّاكُمْ وَمُحْدَثَاتِ الْأُمُورِ فَإِنَّ كُلَّ مُحْدَثَةٍ بِدْعَةٌ وَكُلَّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ"[1] (نئی نئی باتوں سے بچو، ہر نئی بات بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے) اور ایک جگہ ارشاد گرامی ہے: "مَنْ أَحْدَثَ فِي أَمْرِنَا هَذَا مَا لَيْسَ فِيهِ فَهُوَ رَدٌّ" (جو ہمارے اس معاملہ (دین) میں ایسی نئی بات ایجاد کرے جو اس میں سے نہیں تو وہ مردود ہے) اور ایک روایت کے الفاظ ہیں: "مَنْ عَمِلَ عَمَلًا لَيْسَ عَلَيْهِ أَمْرُنَا فَهُوَ رَدٌّ"[2] (جو کوئی ایسا عمل کرے جس پر ہمارا معاملہ (دین) نہیں وہ مردود ہے)

ان حدیثوں سے یہ بات کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ دین کے اندر پیدا کی ہوئی ہر

[1] مسلم الجمعة (۸٦۷)، النسائي صلاة العيدين (۱۵۷۸)، ابن ماجه المقدمة (۴۵)، أحمد (۳۱۰/۳)، الدارمي المقدمة (۲۰٦).

[2] یہ اور اس سے پہلے والی حدیث کی تخریج گزر چکی ہے۔

چیز بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی و مردود ہے، جس کا مطلب یہ ہوا کہ عبادات و اعتقادات میں بدعت حرام ہے، لیکن بدعت کی نوعیت کے اعتبار سے اس کی حرمت کا حکم مختلف ہو گا۔ چنانچہ بعض بدعات تو کھلا ہوا کفر ہے جیسے مردوں کا تقرب حاصل کرنے کے لئے قبروں کا طواف کرنا، قبروں پر نذر و نیاز چڑھانا، اصحاب قبر سے فریادیں کرنا، ان سے استغاثہ کرنا، اسی ضمن میں غالی قسم کے جہمی معتزلی کے اقوال بھی آتے ہیں۔ اور بعض بدعت شرک کے وسائل ہیں، جیسے قبروں پر تعمیر، وہاں کی نماز و دعاء وغیرہ، بعض بدعت اعتقادی فسق کے درجہ میں آتی ہے، جیسے خوارج، قدریہ اور مرجئہ وغیرہ کی اقوال، اعتقادات میں بدعت جو شرعی دلائل کے مخالف ہیں، اور بدعات میں سے بعض ایسی ہیں کہ جو معصیت و نافرمانی ہے جیسے شادی نہ کرنا، دھوپ میں کھڑے ہو کر روزہ رکھنے کی بدعت اور جنسی شہوت کو ختم کرنے کے لئے خصی ہونا وغیرہ کی بدعت[1]۔

ایک ضروری انتباہ

جو شخص بھی بدعت کی دو قسمیں کرتا ہے ایک بدعتِ حسنہ (اچھی بدعت) دوسری بدعتِ سیئہ (بری بدعت) تو وہ غلطی پر ہے اور رسول اللہ ﷺ کے اس قول کی مخالفت کرتا ہے۔ ارشاد فرمایا: "فَإِنَّ كُلَّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ" (ہر بدعت گمراہی ہے) کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے تمام بدعتوں کو گمراہی قرار دیا ہے، جبکہ بعض بدعت کو بدعتِ حسنہ کہنے والا گویا ہر بدعت کو گمراہی و ضلالت نہیں سمجھتا۔

[1] دیکھئے: الاعتصام للشاطبی (٢/٣٧)

علامہ حافظ ابن رجب رحمہ اللہ "شرح الاربعین" میں لکھتے ہیں رسول اللہ ﷺ کا یہ قول کہ (ہر بدعت گمراہی ہے) بہت جوامع الکلم (جامع ترین کلمہ) ہے، جس سے کوئی بدعت بھی باہر نہیں نکل سکتی ہے۔ یہ دین کا بہت ہی بنیادی قاعدہ ہے، اور یہ رسول اللہ ﷺ کے دوسرے قول کے مطابق ہے جس میں آپ ﷺ نے فرمایا: "مَنْ أَحْدَثَ فِي أَمْرِنَا هَذَا مَالَيْسَ فيه فَهُوَ رَدٌّ" (جو ہمارے اس معاملہ (دین) میں ایسی نئی بات ایجاد کرے جو اس میں سے نہیں تو وہ مردود ہے)

لہٰذا ہر نئی چیز جو دین کی طرف منسوب کی جائے گی اور دین میں اس کی کوئی اصل نہ ہوگی اس کی گمراہی و ضلالت میں کوئی شک نہیں اور دین اس سے بری الذمہ ہے۔ چاہے اس میں اعتقادی مسائل ہوں یا ظاہری و باطنی اقوال و اعمال)[1]۔

بدعت حسنہ کے قائلین کے پاس سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے ایک قول کے علاوہ کوئی دلیل نہیں، عمر رضی اللہ عنہ کا یہ قول تراویح کے سلسلہ میں ہے آپ نے فرمایا: "نِعْمَتِ الْبِدْعَةُ هذه"[2] (کیا ہی اچھی ہے یہ بدعت) بدعتِ حسنہ کے قائلین یہ بھی کہتے ہیں کہ اسلام میں بہت سی چیزیں نئی پیدا کی گئی ہیں۔ لیکن ہمارے اسلافِ کرام نے اس کا انکار نہیں کیا جیسے ایک کتاب میں قرآن کو جمع کرنا، حدیث کی تدوین و تحریر وغیرہ۔

اس طرح کے سوالات کا جواب ہمارے نزدیک یہ ہے کہ اس طرح کی چیزوں کی اصل (بنیاد) شریعت میں موجود ہے۔ لہٰذا یہ بدعت نہیں ہیں اور عمر رضی اللہ عنہ کا قول بھی صحیح ہے

[1] جامع العلوم والحکم ص ۲۳۳ .

[2] موطا امام مالک روایۃ یحیی اللیثی ۲۵۰

لیکن یہاں پر انہوں نے بدعت کے لغوی معنی لیا ہے، شرعی معنی نہیں۔ لہٰذا جس عمل کی شریعت میں اصل دلیل موجود ہے پھر اگر اسے بدعت کہا جائے تو یہ سمجھئے کہ یہاں بدعت سے مراد بدعتِ لغوی ہے نہ کہ بدعتِ شرعی، کیونکہ شرعی بدعت وہ ہے جس کی شریعت میں کوئی اصل موجود نہ ہو، قرآن مجید کو ایک جگہ جمع کرنے کی شریعت میں اصل موجود ہے اس لئے کہ نبی اکرم ﷺ خود قرآن مجید کو لکھ لینے کا حکم دیتے تھے مگر چونکہ قرآن مجید پہلے مختلف جگہوں میں متفرق و منتشر لکھا ہوا تھا، لہٰذا صحابہ کرام نے اس کی حفاظت کی خاطر اسے ایک جگہ جمع کر دیا۔

اسی طرح سے رسول اللہ ﷺ نے چند راتیں تراویح کی نماز پڑھی پھر چھوڑ دی اس ڈر سے کہ کہیں ان پر فرض نہ ہو جائے لیکن صحابہ کرام برابر اسے پڑھتے رہے اور رسول اللہ ﷺ کی زندگی اور آپ کے بعد بھی الگ الگ انداز میں پڑھتے رہے، یہاں تک کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے (جبکہ اب وحی کے ذریعہ فرض ہونے کا خطرہ بھی ٹل چکا تھا) سب کو ایک امام کے پیچھے جمع کر دیا، جس طرح سب کے سب رسول اللہ ﷺ کے پیچھے پڑھتے تھے۔ لہٰذا یہ دین کے اندر کوئی بدعت نہیں ہے۔

تدوینِ حدیث کی بھی شریعت میں اصل موجود ہے، خود رسول اللہ ﷺ نے بعض صحابہ کرام کی فرمائش پر بعض حدیثوں کے لکھنے کا حکم دے دیا تھا۔ جناب ابوہریرہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کی حیات ہی میں احادیث لکھا کرتے تھے[1] مگر عمومی طور پر قرآن و احادیث میں

[1] ہو سکتا ہے یہ کتابت کی غلطی ہو واللہ اعلم، کیونکہ صحیح بخاری میں خود ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ: "مَا مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ أَحَدٌ أَكْثَرَ حَدِيثًا عَنْهُ مِنِّي، إِلَّا مَا كَانَ مِنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرٍو، فَإِنَّهُ كَانَ يَكْتُبُ وَلَا أَكْتُبُ"

(جاری ہے۔۔۔)

خلط ملط ہونے کے اندیشے کے پیش نظر اس کی کتابت سے روکا گیا تھا۔ پھر جب آپ (ﷺ) کی وفات ہوئی چونکہ رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں ہی قرآن کریم مکمل ہو چکا تھا پس وہ اندیشہ بھی ختم ہو گیا جس کے لئے حدیث کی تدوین ممنوع تھی، یعنی قرآن اور حدیث میں خلط ملط نہ ہو جائے۔ لہٰذا آپ کی وفات کے بعد مسلمانوں نے حدیث کی تدوین کی، اللہ تعالیٰ انہیں اجر خیر سے نوازے کے انہوں نے اپنے رب کی کتاب اور اپنے نبی (ﷺ) کی سنت کو ضائع ہونے اور شرارتیوں کے شر سے محفوظ رکھا۔ آمین۔

دوسری فصل

مسلم معاشروں میں بدعت کا ظہور اور اس کے اسباب

مسلمانوں کی زندگی میں بدعت کا ظہور

اس ضمن میں دو مسئلے بیان ہوں گے۔

پہلا مسئلہ : ظہورِ بدعت کا وقت

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: (یہ معلوم ہونا چاہیے کہ علوم و عبادات سے متعلق عام بدعتیں امت کے اندر خلفائے راشدین کے آخری دور ہی سے ظاہر ہونے لگی

(صحیح بخاری ۱۱۱) (احادیث رسول ﷺ کا مجھ سے بڑھ کر کوئی حافظ نہیں تھا سوائے عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کے، کیونکہ وہ لکھ لیا کرتے تھے اور میں لکھا نہیں کرتا تھا)۔ بہر حال اس سے بھی احادیث کی کتابت کا ثبوت تو مہیا ہو ہی گیا، الحمد للہ۔ (مترجم)

تھیں اور اس کی خبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے ہی دے دی تھی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے: "مَنْ يَعِشْ مِنْكُمْ بَعْدِي فَسَيَرَى اخْتِلَافًا كَثِيرًا، فَعَلَيْكُمْ بِسُنَّتِي وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِينَ الْمَهْدِيِّينَ"[1] (تم میں سے جو (میرے بعد) باحیات ہوگا اسے بہت سارے اختلافات نظر آئیں گے۔ لہٰذا اس وقت میری سنت اور ہدایت یافتہ خلفائے راشدین کی سنت و طریقہ کو مضبوطی سے تھامے رکھو)

امت میں پہلے پہل، قدریہ، مرجئہ، شیعہ اور خوارج کی بدعتیں ظاہر ہوئیں، پھر جب سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے قتل کے بعد امت میں تفرقہ پیدا ہوا تو حروریہ کی بدعت ظاہر ہوئی، پھر صحابہ کرام کے آخری عہد میں یعنی سیدنا ابن عمر، ابن عباس و جابر رضی اللہ عنہم وغیرہم کے آخری عہد میں قدریہ کی بدعت ظاہر ہوئی پھر اس سے قریبی زمانے ہی میں مرجئہ کا بھی ظہور ہوا، اور جہاں تک جہمیہ کا تعلق ہے تو وہ تابعین کے آخری عہد اور سیدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کی وفات کے بعد ظاہر ہوئے۔ یہ بھی مشہور ہے کہ سیدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے ان سے لوگوں کو خبردار کیا تھا البتہ جہم کا ظہور خراسان میں خلیفہ ہشام بن عبدالملک رحمہ اللہ کے عہد میں ہوا۔

یہ بدعتیں دوسری صدی ہجری میں ظاہر ہو گئی تھی جب کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم موجود تھے۔ صحابہ کرام نے اس طرح کی بدعتوں کی مخالفت کی تھی، پھر بعد میں معتزلہ کی بدعت سامنے آئی اور مسلمانوں میں فتنہ و فساد کا دور شروع ہو گیا، پھر لوگوں میں اختلافِ آراء اور بدعت و خواہشات کی طرف میلان و جھکاؤ کا ظہور ہوا۔ پھر فضیلت والے زمانے گزرنے کے بعد تصوف[2] کی بدعت، قبروں کو پختہ بنانے کی بدعت سامنے آئی، اسی طرح جوں جوں

[1] الترمذي العلم (٢٦٧٦)، ابن ماجه مقدمة (٤٢)، أحمد (٤/١٢٦)، الدارمي مقدمة (٩٥).

[2] مذکورہ بالا فرقوں کا مختصر تعارف درج ذیل ہے:

(جاری ہے۔۔۔)

زمانہ گزرتا گیا نئی نئی بدعتیں سامنے آتی گئیں اور اس کی شاخیں پھیلتی رہیں[۱]۔

دوسرا مسئلہ: ظہورِ بدعت کی جگہ

بدعت کے ظہور کے معاملہ میں مختلف ممالک و شہر مختلف حالات سے گزرے ہیں۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: (وہ بڑے شہر جہاں صحابہ کرام نے سکونت اختیار کیا اور جہاں سے علم و ایمان کے چشمے پھوٹے پانچ ہیں، حرمین شریفین، عراقین (کوفہ و

قدریہ: یہ لوگ تقدیر الٰہی سے منکر ہیں اور انسان کو مختار کل مانتے ہیں۔ اور ان کی ضد میں جبریہ ہیں جو تقدیر کے اثبات میں غلو کرتے ہیں اور انسان کو مجبور محض مانتے ہیں۔

مرجئہ: یہ لوگ عمل کو ایمان میں داخل نہیں سمجھتے اور نہ ہی ایمان کی کمی و زیادتی کے قائل ہیں۔

شیعہ یا رافضی: ان کے گمراہ کن اور کفریہ عقائد لوگوں میں معروف و مشہور ہیں۔

خوارج: ان کی مشہور صفات میں سے مسلمانوں کی کبیرہ گناہوں کی وجہ سے تکفیر کرنا اور ظالم مسلم حکمرانوں پر خروج کرنا ہے۔

جہمیہ: یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے اسماء و صفات کے مکمل طور پر منکر ہیں۔

معتزلہ: یہ بھی اللہ تعالیٰ کی صفات سے منکر ہیں مگر اسماء کو مانتے ہیں، اور دین میں عقیدے کے اثبات کے لئے عقل، منطق اور علم الکلام کے قائل ہیں۔ ساتھ ہی خوارج کی طرح حکمرانوں پر خروج کے قائل ہیں اور گنہگار مسلمان کو نہ مومن کہتے ہیں اور نہ کافر مگر آخرت میں ہمیشہ جہنم میں رہنے کے قائل ہیں۔

صوفیہ: یہ بھی معروف ہیں، جو ترک دنیا، تزکیہ نفس و زہد کے نام پر عجیب و غریب ریاضتیں اور غیر ثابت شدہ عبادات بجالاتے ہیں اور عقیدۂ وحدت الوجود (کہ ہر چیز میں اللہ ہے یا ہر چیز خود اللہ ہے) کے قائل ہیں۔ تفصیل کے لیے پڑھیں شیخ فوزان کی کتب جو ہماری ویب سائٹ پر موجود ہیں "گمراہ فرقوں کا مختصر تعارف"، "تصوف کی حقیقت" وغیرہ۔ (طخ)

[۱] مجموع الفتاوی (۱۰ / ۳۵۴)۔

بصرہ) اور شام، انہی پانچ شہروں سے قرآن و حدیث، فقہ و عبادات اور ان کے علاوہ اسلام کے دیگر امور کی نشر واشاعت ہوئی، مدینہ نبویہ کو چھوڑ کر انہی شہروں سے اصولی بدعتیں بھی نکلی ہیں۔ کوفہ سے تشیع وارجاء کی بدعت نکلی اور وہاں سے دوسرے شہروں میں پھیلی، شہر بصرہ سے قدریہ، اعتزال اور فاسد طریقۂ عبادت کی بدعتیں ظاہر ہوئیں اور وہاں سے دوسرے شہروں میں پھیلیں، شام سے ناصبیہ[1] وقدریہ کی بدعتیں نکلیں۔ جہمیہ کی بدعت خراسان سے نکلی جو سب سے بری بدعت ہے۔

بدعت کا ظہور عموماً ان شہروں میں زیادہ ہوا جو مدینہ نبویہ سے زیادہ دور تھے۔ خاص طور پر سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد جب حروریہ[2] فرقہ وجود میں آیا تو بدعت کا بازار بہت گرم ہوا اور جہاں تک مدینہ نبویہ کی بات ہے تو یہ شہر ہمیشہ بدعت و خرافات سے پاک رہا، اگر کوئی اپنے اندر بدعت کو چھپا کر رکھتا بھی تھا جیسا کہ قدریہ وغیرہ کی ایک قوم وہاں موجود تھی تو وہ بھی وہاں ذلیل ومذموم ہی تصور کیا جاتا تھا اور مغلوب و ذلیل ہی بن کر رہتا تھا برخلاف کوفہ کے کہ جہاں تشیع وارجاء پھیلا اور بصرہ کے کہ جہاں اعتزال و بدعتیانہ عبادات خوب چمکی۔ شام میں ناصبہ کا دور دورہ رہا۔ سچ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے: دجال مدینہ نبویہ میں داخل نہیں ہو سکتا، اسی کا اثر ہے کہ مدینہ نبویہ ہمیشہ اصحابِ امام مالک کے دور تک (جو دوسری تا چوتھی صدی کے لوگ ہیں) علم وایمان کا گہوارہ رہا)[3]۔

1 ناصبی لوگ رافضیوں کی ضد ہیں یعنی جہاں رافضی اہل بیت کی شان میں غلو سے کام لیتے ہیں تو ناصبی ان کی شان میں تنقیص کے مرتکب ہیں۔ (ط ع)

2 یہ خوارج کو کہا جاتا تھا ان کے مکان ظہور کی بنا پر۔ (ط ع)

3 مجموع الفتاوی (۲۰/۳۰۰-۳۰۳)۔

ابتدائی تین صدیوں میں جو اسلام کے افضل ترین دور ہیں، مدینہ نبویہ میں کوئی ظاہری بدعت نہیں ہوئی اور نہ ہی اصولِ دین سے متعلق کوئی بدعت سامنے آئی جیسے دوسرے شہروں میں ہوا۔

ظہورِ بدعت کے اسباب و عوامل

اس میں کوئی شک نہیں کہ کتاب و سنت کو مضبوطی کے ساتھ پکڑے رہنے سے آدمی بدعات و خرافات اور ہر گمراہی سے محفوظ ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَأَنَّ هَٰذَا صِرَاطِي مُسْتَقِيمًا فَاتَّبِعُوهُ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَن سَبِيلِهِ﴾ (الانعام: ۱۵۳)

(اور یہ کہ میرا سیدھا راستہ یہی ہے تو تم اس پر چلنا اور دوسرے راستوں پر نہ چلنا کہ (ان پر چل کر) اللہ کے راستے سے الگ ہو جاؤ گے)

اس بات کی وضاحت خود رسول اللہ ﷺ نے ایک حدیث شریف میں کر دی، سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت ہے: "خَطَّ لَنَا رَسُولُ اللهِ خَطًّا، فَقَالَ: هَذَا سَبِيلُ اللهِ، ثُمَّ خَطَّ خُطُوطًا عَنْ يَمِينِهِ وَعَنْ شِمَالِهِ، ثُمَّ قَالَ: وَهَذِهِ سُبُلٌ عَلَى كُلِّ سَبِيلٍ مِنْهَا شَيْطَانٌ يَدْعُو إِلَيْهِ، ثُمَّ تَلَا: وَأَنَّ هَذَا صِرَاطِي مُسْتَقِيمًا فَاتَّبِعُوهُ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَن سَبِيلِهِ"[1] (رسول اللہ ﷺ نے ہمارے لئے ایک خط کھینچا اور فرمایا یہ اللہ تعالیٰ کا راستہ ہے، پھر اس کے دائیں بائیں کچھ خطوط کھینچے اور فرمایا: یہ وہ راستے ہیں جن میں سے ہر راہ پر ایک شیطان ہے جو اپنی طرف بلا رہا ہے، پھر یہ آیت کریمہ پڑھی: (اور یہ کہ میرا سیدھا راستہ یہی

(۱) احمد (۱/ ۴۳۵)، دارمی مقدمہ (۲۰۲)۔

ہے تو تم اس پر چلنا اور دوسرے راستوں پر نہ چلنا کہ (ان پر چل کر) اللہ کے راستے سے الگ ہو جاؤ گے)

لہٰذا جو بھی کتاب و سنت کی مضبوط رسی کو چھوڑے گا اسے گمراہ کن راستے مختلف بدعات و خرافات اپنی طرف کھینچیں گی۔

بدعت کے ظہور کے اسباب و عوامل یہ ہیں: دین کے احکام سے ناواقفیت، خواہشاتِ نفس کی پیروی، اشخاص و آراء کا تعصب اور کافروں کی نقل و تقلید۔ ان چیزوں کی ذرا تفصیل ملاحظہ ہو۔

۱۔ احکامِ دین سے ناواقفیت:

جیسے جیسے زمانہ گزرتا جاتا ہے لوگ رسالت کے آثار سے دور ہوتے جاتے ہیں، علم سمٹتا جاتا ہے اور جہالت پھیلتی جاتی ہے۔ خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی خبر دی ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”مَنْ يَعِشْ مِنكُمْ بَعْدِي فَسَيَرَى اخْتِلَافًا كَثِيرًا“[1] (تم میں سے جو زندہ رہے گا اسے بہت سارے اختلافات نظر آئیں گے) اور ایک جگہ ارشاد ہے: ”إِنَّ اللهَ لَا يَقْبِضُ الْعِلْمَ انْتِزَاعًا يَنْتَزِعُهُ مِنَ الْعِبَادِ. وَلَكِنْ يَقْبِضُ الْعِلْمَ بِقَبْضِ الْعُلَمَاءِ. حَتَّى إِذَا لَمْ يُبْقِ عَالِمًا اتَّخَذَ النَّاسُ رُءُوسًا جُهَّالًا، فَسُئِلُوا فَأَفْتَوْا بِغَيْرِ عِلْمٍ فَضَلُّوا وَأَضَلُّوا“[2] (بے شک اللہ تعالیٰ علم کو بندوں سے چھین کر نہیں اٹھاتا بلکہ علماء کو اٹھا لینے کے ذریعہ علم کو اٹھاتا

[1] تخریج گزر چکی ہے۔

[2] البخاري العلم (۱۰۰) ، مسلم العلم (۲۶۷۳) ، الترمذي العلم (۲۶۵۲) ، ابن ماجه مقدمة (۵۲) ، أحمد (۱۶۲/۲) ، الدارمي المقدمة (۲۳۹).

ہے۔ لہذا جب کوئی عالم باقی نہیں رہتا تو لوگ جاہلوں کو اپنا بڑا بنا لیتے ہیں اور (ان سے مسائل) پوچھتے ہیں۔ چنانچہ وہ بغیر علم کے فتویٰ دیتے ہیں اور خود بھی گمراہ ہوتے اور دوسروں کو بھی گمراہ کرتے ہیں)

اس سے ثابت ہوا کہ بدعت کا قلع قمع صرف علم و علماء ہی کر سکتے ہیں۔ لہذا جب علم و علماء کا فقدان ہوگا، بدعت کو پھیلنے پھولنے کا موقع مل جائے گا اور بدعتیوں کا خوب دور دورہ ہوگا۔

۴- خواہشات نفس کی پیروی:

جو شخص بھی کتاب و سنت کی پیروی سے گریز کرے گا وہ ضرور اپنی خواہشات کی پیروی کرے گا[1] ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿فَإِنْ لَمْ يَسْتَجِيبُوا لَكَ فَاعْلَمْ أَنَّمَا يَتَّبِعُونَ أَهْوَاءَهُمْ وَمَنْ أَضَلُّ مِمَّنِ اتَّبَعَ هَوَاهُ بِغَيْرِ هُدًى مِنَ اللَّهِ﴾ (القصص:۵۰)

(پھر اگر یہ لوگ آپ (ﷺ) کی بات نہ مانیں تو جان لیجئے کہ وہ یقیناً اپنی اہوا (خواہش نفس) کی پیروی کر رہے ہیں، اور اس شخص سے بڑھ کر گمراہ کون ہو سکتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی ہدایت کے بغیر اپنی خواہش نفس کی پیروی کرے)

اور فرمایا:

[1] لیکن ہمارے یہاں اس کے بالکل برعکس کہا جاتا ہے کہ اگر اندھی تقلید چھوڑ کر سب کو سنت پر عمل کرنے کی اجازت دے دی جائے تو یہ خواہش نفس کی پیروی ہو جائے گی! (ط ع)

﴿أَفَرَأَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ إِلَٰهَهُ هَوَاهُ وَأَضَلَّهُ اللَّهُ عَلَىٰ عِلْمٍ وَخَتَمَ عَلَىٰ سَمْعِهِ وَقَلْبِهِ وَجَعَلَ عَلَىٰ بَصَرِهِ غِشَاوَةً فَمَن يَهْدِيهِ مِن بَعْدِ اللَّهِ﴾ (الجاثیۃ: ۲۳)

(بھلا تم نے اس شخص کو دیکھا جس نے اپنی خواہشِ نفس کو معبود بنا رکھا ہے، اور باوجود جاننے بوجھنے کے (گمراہ ہو رہا ہے تو) اللہ نے (بھی) اس کو گمراہ کر دیا اور اس کے کانوں اور دل پر مہر لگا دی اور اس کی آنکھوں پر پردہ ڈال دیا، اب اللہ کے سوا اس کو کون راہِ راست پر لا سکتا ہے؟)

اس میں کوئی شک نہیں کہ واقعی بدعت اور خواہشاتِ نفس کی پیروی کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔

۳۔ اشخاص و آراء کا تعصب:

تعصب حق کی معرفت اور انسان کے درمیان حائل ہو جاتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَإِذَا قِيلَ لَهُمُ اتَّبِعُوا مَا أَنزَلَ اللَّهُ قَالُوا بَلْ نَتَّبِعُ مَا أَلْفَيْنَا عَلَيْهِ آبَاءَنَا﴾ (البقرۃ: ۱۷۰)

(اور جب ان لوگوں سے کہا جاتا ہے کہ جو (کتاب) اللہ نے نازل فرمائی ہے اس کی پیروی کرو تو کہتے ہیں (نہیں) بلکہ ہم تو اس چیز کی پیروی کریں گے جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا)

آج کل کے تصوف کے مختلف طریقوں کے متبعین اور قبر پرستوں کا یہی حال ہے، یہ اپنے تعصب میں اندھے ہو جاتے ہیں، جب انہیں کتاب و سنت کی دعوت دی جاتی ہے اور کتاب و سنت کے برخلاف اعمال سے ان کو روکا جاتا ہے تو اپنے مشائخ کا حوالہ دیتے اور اپنے آباء واجداد کے طریقہ کو بطورِ دلیل پیش کرتے ہیں۔

۴۔ کفار کی تقلید:

غیر قوموں کی تقلید مسلمانوں کو سب سے زیادہ بدعات و خرافات کے گڑھے میں ڈالتی ہے، جیسا کہ سیدنا ابو واقد اللیثی رضی اللہ عنہ کی روایت کردہ حدیث میں آیا ہے کہ آپ کا بیان

ت :'' خَرَجْنَا مَعَ رَسُولِ اللهِ إِلَى حُنَيْنٍ وَنَحْنُ حُدَثَاءُ عَهْدٍ بِكُفْرٍ، وَلِلْمُشْرِكِينَ سِدْرَةٌ يَعْكُفُونَ عِنْدَهَا، وَيَنُوطُونَ بِهَا أَسْلِحَتَهُمْ يُقَالُ لَهَا: ذَاتُ أَنْوَاطٍ، قَالَ: فَمَرَرْنَا بِالسِّدْرَةِ، فَقُلْنَا: يَا رَسُولَ اللهِ، اجْعَلْ لَنَا ذَاتَ أَنْوَاطٍ كَمَا لَهُمْ ذَاتُ أَنْوَاطٍ، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ: اللهُ أَكْبَرُ، إِنَّهَا السُّنَنُ، قُلْتُمْ وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ كَمَا قَالَتْ بَنُو إِسْرَائِيلَ: ﴿اجْعَل لَّنَا إِلَٰهًا كَمَا لَهُمْ آلِهَةٌ، قَالَ إِنَّكُمْ قَوْمٌ تَجْهَلُونَ﴾، لَتَرْكَبُنَّ سَنَنَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ''[1] (ایک مرتبہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حنین کی طرف نکلے، ہم نئے نئے اسلام لائے تھے، اس وقت مشرکوں کا ایک درخت تھا، جس کی وہ پرستش کرتے تھے اور (برکت کے لئے) اپنے ہتھیار اس میں لٹکائے رکھتے تھے۔ اسے "ذات انواط" (انواط والا پیڑ) بھی کہا جاتا تھا۔ ہم اس درخت کے پاس سے گزرے تو ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا اے اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم)! ہمارے لئے بھی ایک ایسا "ذات انواط" بنا دیجئے، جیسا کہ مشرکوں کا ہے۔ یہ سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ اکبر! یہی سنن (گزشتہ اقوام کے گمراہ طریقے) ہیں، اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے۔ تم نے ہم سے وہی بات کہہ دی جو بنی اسرائیل نے سیدنا موسیٰ علیہ السلام سے کہی تھی: (جیسے ان لوگوں کے معبود ہیں ہمارے لئے بھی ایک معبود بنا دو، موسیٰ نے کہا تم تو بڑے ہی جاہل لوگ ہو) تم ضرور اپنے سے اگلے لوگوں کے طریقوں پر چلوگے)

اس حدیث میں صاف طور پر بیان کر دیا گیا ہے کہ کفار کی تقلید ہی نے بنی اسرائیل کو اس گندے سوال پر ابھارا تھا کہ ان کے لئے بھی ایک صنم (بت) کا بندوبست کیا جائے تاکہ وہ اس کی عبادت کریں، اسی چیز نے بعض صحابہ کو رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ سوال کرنے پر مجبور کیا

[1] الترمذي الفتن (۲۱۸۰)، أحمد (۲۱۸/۵).

کہ ان کے لئے ایک درخت کا انتخاب کیا جائے جس سے وہ تبرک حاصل کریں، آج بھی مسلمانوں کا یہی حال ہے۔ آج مسلمانوں کی اکثریت کافروں کی تقلید میں لگی ہوئی ہے، اور مشرکانہ اعمال اور بدعات و خرافات میں پڑی ہوئی ہے۔ بڑے دھوم دھام سے برتھ ڈے (سالگرہ) اور میلاد منایا جاتا ہے، مخصوص اعمال کے لئے دن اور ہفتے منائے جاتے ہیں، مختلف دینی مناسبتوں اور یادگار کے موقعوں پر جلسے جلوس منعقد کئے جاتے ہیں، مجسمے اور یادگاری علامتیں نصب کئے جاتے ہیں، مجلس ماتم منعقد کی جاتی ہے پھر جنازوں کی بدعت مستزاد ہے۔ قبروں کو پختہ بنانا اور قبروں پر تعمیر کرنا عام رواج پا گیا ہے۔

تیسری فصل

بدعتیوں سے متعلق امتِ مسلمہ کا موقف اور ان کے رد کے سلسلے میں اہل سنت والجماعت کا منہج

بدعتیوں سے متعلق اہل سنت والجماعت کا موقف

اہل سنت والجماعت برابر بدعتیوں کا رد کرتے چلے آرہے ہیں اور ان کی بدعات، خرافات کا شدت سے انکار کر رہے ہیں اور انہیں ان کی حرکتوں سے روک رہے ہیں جس سے چند نمونے ملاحظہ ہوں:

۱۔ سیدہ ام درداء رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: ”دَخَلَ عَلَيَّ أَبُو الدَّرْدَاءِ مُغْضَبًا فَقُلْتُ: مَا لَهُ؟ فَقَالَ:

وَاللهِ مَا أَعْرِفُ فِيهِمْ شَيْئًا مِنْ أَمْرِ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَّا أَنَّهُمْ يُصَلُّونَ جَمِيعًا"[1]

(ایک مرتبہ سیدنا ابو درداء رضی اللہ عنہ بڑے غصہ کی حالت میں گھر میں داخل ہوئے۔ میں نے پوچھا کیا ہوا، کہنے لگے کہ اللہ کی قسم! آج مسلمانوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے امر (سنت) کی کوئی چیز نہیں ہے سوائے اس کے کہ وہ باجماعت نماز پڑھتے ہیں)

۲- جناب عمر بن یحییٰ رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے اپنے والد کو اور انہوں نے اپنے والد کو یہ حدیث بیان کرتے ہوئے سنا ہے کہ: (ہم ظہر کی نماز سے پہلے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے دروازہ کے پاس بیٹھا کرتے تھے، جب وہ نکلتے تھے تو ان کے ساتھ مسجد کی طرف چل پڑتے تھے۔ ایک دن ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ تشریف لائے اور پوچھا: کیا ابو عبدالرحمن (ابن مسعود کی کنیت) آچکے ہیں؟ ہم نے کہا نہیں! وہ ہمارے ساتھ بیٹھ گئے، یہاں تک کہ ابو عبدالرحمن نکل آئے، جب وہ نکلے تو ہم سب مل کر ان کی طرف بڑھے، تو انہوں نے کہا: اے ابو عبدالرحمن! ہم نے تھوڑی دیر پہلے مسجد میں ایک نئی چیز دیکھی ہے۔ میرے خیال میں وہ الحمد للہ اچھی ہی ہوگی، انہوں نے پوچھا: وہ کیا ہے؟ انہوں نے جواب دیا اگر آپ زندہ رہو گے تو خود ہی دیکھ لوگے۔ انہوں نے کہا: میں نے مسجد میں ایک ایسی جماعت کو دیکھا جو حلقہ بنائے بیٹھی تھی اور نماز کا انتظار کر رہی تھی، ہر حلقہ میں ایک شخص نمایاں ہوتا ہے اور سب کے ہاتھ میں کنکریاں ہیں نمایاں شخص کہتا ہے سو مرتبہ تکبیر کہو، تو وہ لوگ سو مرتبہ تکبیر کہتے، پھر وہ کہتا سو مرتبہ لا الہ الا اللہ پڑھو، تو وہ سو مرتبہ لا الہ الا اللہ پڑھتے، پھر وہ کہتا ہے سو مرتبہ سبحان اللہ پڑھو، تو وہ سو مرتبہ سبحان اللہ پڑھتے۔ انہوں نے کہا: تم نے ان سے کیا کہا؟ جواب دیا: میں نے ان سے کچھ نہیں کہا، مجھے اس بارے میں آپ کی رائے کا انتظار ہے یا آپ کے

[1] البخاری، الأذان (٦٢٢)، أحمد (١٩٥/٥)

حکم کا انتظار ہے۔ انہوں نے کہا: آپ نے انہیں اس بات کا حکم کیوں نہیں دیا کہ وہ اپنی غلطیوں کا شمار کریں اور ان کی نیکیوں کے بارے میں ضمانت دیتے کہ وہ ضائع نہیں ہوں گی؟

پھر وہ جانے لگے اور ہم بھی ان کے ساتھ ہو لئے، یہاں تک کہ ان حلقوں میں سے ایک حلقہ کے پاس آئے اور وہاں کھڑے ہو کر کہا: یہ تم کیا کر رہے ہو جسے ہم دیکھ رہے ہیں۔ ان لوگوں نے کہا: اے ابو عبدالرحمن یہ کنکریاں ہیں جس کے ذریعہ ہم تکبیر و تہلیل، تسبیح و تحمید کا شمار کرتے ہیں۔ یہ سن کر انہوں نے کہا: ”فَعُدُّوا سَيِّئَاتِكُمْ، فَأَنَا ضَامِنٌ أَنْ لَا يَضِيعَ مِنْ حَسَنَاتِكُمْ شَيْءٌ، وَيْحَكُمْ يَا أُمَّةَ مُحَمَّدٍ، مَا أَسْرَعَ هَلَكَتَكُمْ ! هَؤُلَاءِ صَحَابَةُ نَبِيِّكُمْ مُتَوَافِرُونَ، وَهَذِهِ ثِيَابُهُ لَمْ تَبْلَ، وَآنِيَتُهُ لَمْ تُكْسَرْ، وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ، إِنَّكُمْ لَعَلَى مِلَّةٍ هِيَ أَهْدَى مِنْ مِلَّةِ مُحَمَّدٍ، أَوْ مُفْتَتِحُو بَابِ ضَلَالَةٍ، قَالُوا: وَاللهِ يَا أَبَا عَبْدِ الرَّحْمَنِ، مَا أَرَدْنَا إِلَّا الْخَيْرَ، قَالَ: وَكَمْ مِنْ مُرِيدٍ لِلْخَيْرِ لَنْ يُصِيبَهُ، إِنَّ رَسُولَ اللهِ حَدَّثَنَا أَنَّ قَوْمًا يَقْرَؤُونَ الْقُرْآنَ لَا يُجَاوِزُ تَرَاقِيَهُمْ، وَايْمُ اللهِ مَا أَدْرِي لَعَلَّ أَكْثَرَهُمْ مِنْكُمْ، ثُمَّ تَوَلَّى عَنْهُمْ، فَقَالَ عَمْرُو بْنُ سَلَمَةَ: رَأَيْنَا عَامَّةَ أُولَئِكَ الْحِلَقِ يُطَاعِنُونَا يَوْمَ النَّهْرَوَانِ مَعَ الْخَوَارِجِ“[1] (اپنے گناہوں کو شمار کرو، میں تمہارا ضامن ہوں کہ تمہارے حسنات ضائع نہیں ہوں گے۔ تمہیں کیا ہو گیا ہے؟ اے امتِ محمدیہ (ﷺ)! کتنے جلدی تم ہلاکت میں پڑ گئے؟ آج صحابۂ کرام کافی تعداد میں موجود ہیں، آج رسول اللہ ﷺ کے کپڑے بھی پرانے نہیں ہوئے، ان کے برتن ابھی اسی طرح صحیح سالم ہیں۔ اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے یا تو تمہارا طریقہ محمد ﷺ کے طریقہ سے زیادہ اچھا ہے (جو کہ ناممکن ہے) یا تم (فی الحقیقت) گمراہیوں کا دروازہ کھولنے والے ہو؟ ان لوگوں نے کہا: اللہ کی قسم اے ابو عبدالرحمن! ہماری نیت تو بھلائی و خیر کے سوا اور کچھ نہیں۔ اس پر انہوں نے فرمایا: کتنے ہی خیر کے طلبگار

[1] الترمذي الفتن (٢١٨٨)، ابن ماجه المقدمة (١٦٨)، أحمد (١/ ٤٠٣)، الدارمي المقدمة (٢٠٤).

ہوتے ہیں لیکن وہ خیر تک نہیں پہنچ پاتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کچھ لوگ ایسے ہوں گے جو قرآن مجید تو پڑھتے ہوں گے لیکن وہ ان کے حلق سے نیچے نہیں اترے گا۔ اللہ کی قسم! شاید ان میں کے اکثر تم ہی میں سے ہوں گے۔ پھر ان کے پاس سے ہٹ گئے۔ سیدنا عمرو بن سلمہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ہم نے ان ذکر کا حلقہ بنانے والوں میں سے اکثر کو دیکھا کہ نہروان کے موقع پر خوارج کے ساتھ مل کر ہمیں لعن طعن کر رہے تھے)۔

۳- ایک مرتبہ ایک شخص امام مالک بن انس رحمہ اللہ کے پاس آیا اور عرض کیا: کس جگہ سے احرام باندھوں؟ آپ نے کہا میقات سے۔ جہاں سے کہ رسول اللہ ﷺ نے احرام باندھا تھا۔ اس شخص نے کہا کہ اگر میں وہاں سے پہلے ہی احرام باندھ لوں تو، امام مالک نے کہا: میرے خیال میں یہ صحیح نہیں۔ اس نے کہا اس میں ناپسندیدگی کی کیا بات ہے؟ امام مالک نے کہا کہ: (اصل میں میں تمہارے لئے فتنہ کو پسند نہیں کرتا، اس نے کہا کہ زیادہ سے زیادہ خیر حاصل کرنے میں کونسا فتنہ ہے؟ امام مالک نے کہا اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿فَلْيَحْذَرِ الَّذِينَ يُخَالِفُونَ عَنْ أَمْرِهِ أَن تُصِيبَهُمْ فِتْنَةٌ أَوْ يُصِيبَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ﴾

(النور: ٦٣)

(تو جو لوگ آپ (ﷺ) کے حکم کی مخالفت کرتے ہیں ان کو ڈرنا چاہیے کہ کہیں (ایسا نہ ہو کہ) وہ کسی فتنے میں مبتلا ہو جائیں یا ان پر تکلیف دینے والا عذاب نازل ہو)

اس سے بڑا فتنہ کیا ہو سکتا ہے کہ تمہارے لئے ایک ایسی فضیلت مخصوص کی جائے جس سے رسول اللہ ﷺ نا آشنا تھے)۔

یہ ایک نمونہ ہے، ہمارے علمائے کرام برابر بدعتیوں کی حرکتوں پر نکیر کرتے آئے ہیں، اور آج بھی کر رہے ہیں۔ الحمد للہ علی ذلك

اہل بدعت کے رد کے سلسلے میں اہل سنت والجماعت کا منہج

ان کا منہج وطریقہ کتاب وسنت پر مبنی ہے، یہ بہت ہی مدلل ومسکت طریقہ ہے، پہلے بدعتیوں کے شبہات کا تذکرہ کیا جاتا ہے پھر ان کے بے بنیاد دلائل کو کتاب وسنت کے دلائل کے ساتھ توڑا جاتا ہے، انہیں بتایا جاتا ہے کہ سنت کو مضبوطی کے ساتھ پکڑنا فرض ہے اور شرک وبدعت اور دین میں نئی نئی چیزیں پیدا کرنا حرام ہے۔ اس موضوع پر بے شمار کتابیں لکھی جا چکی ہیں۔ عقائد کی کتابوں میں شیعہ، خوارج، جہمیہ، معتزلہ، اشاعرہ کا جواب دے دیا گیا ہے، جیسے کہ امام احمد نے جہمیہ کے خلاف ایک کتاب لکھی ہے ان کے علاوہ دوسرے علمائے کرام نے اس موضوع پر بہت کچھ لکھا ہے۔ جیسے عثمان بن سعید الدارمی، امام ابن تیمیہ ان کے شاگرد علامہ ابن قیم، شیخ محمد بن عبدالوہاب رحمہم اللہ وغیرہ، ان لوگوں نے صوفیہ، قبر پرستوں اور دیگر گمراہ فرقوں کے جواب دیے ہیں، بدعت کے خلاف جو کتابیں لکھی گئی ہیں وہ بہت زیادہ ہیں، ان میں سے بعض قدیم کتابوں کا تذکرہ ذیل میں کیا جا رہا ہے۔

۱۔ کتاب الاعتصام از امام شاطبی رحمہ اللہ۔

۲۔ کتاب اقتضاء الصراط المستقیم از شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ اس میں بدعتیوں کے رد پر بہت اچھی بحث کی گئی ہے، کتاب کا اچھا خاصا حصہ بدعتیوں کے رد پر ہی ہے۔

۳۔ کتاب انکار الحوادث والبدع از ابن وضاح رحمہ اللہ

۴۔ کتاب الحوادث والبدع از امام طرطوشی رحمہ اللہ

۵۔ کتاب الباعث علی انکار البدع والحوادث از امام ابو شامہ رحمہ اللہ

چند جدید کتابیں:

۱۔ کتاب الابداع فی مضار الابتداع از شیخ علی محفوظ

۲۔ کتاب السنن والمبتدعات المتعلقة بالاذکار والصلوات از شیخ محمد بن احمد الشقیری الحوامدی

۳- رسالۃ التحذیر من البدع از الشیخ عبد العزیز بن باز رحمہ اللہ

الحمد للہ آج بھی علمائے کرام کی ایک بڑی جماعت بدعت کے قلع قمع اور بدعتیوں کو راہِ راست پر لانے میں لگی ہوئی ہے اور رسائل و جرائد، ریڈیو و ذرائع ابلاغ، خطبۂ جمعہ، سیمیناروں اور کانفرنسوں کے ذریعہ اس میدان میں کام کر رہے ہیں جس کا مسلمانوں کو بیدار کرنے، بدعت کے ازالہ اور بدعتیوں کو راہِ راست پر لانے میں بڑا اثر ہے۔

چوتھی فصل

آج کل کی کچھ نئی بدعتوں کے نمونے

۱- میلاد شریف کے جشن و جلوس۔

۲- بعض آثار و مقامات و مردوں سے تبرک۔

۳- عبادات و تقرب کے باب میں بدعتیں۔

چند وجوہات کی بنا پر عصرِ حاضر میں بدعتیں بہت ہی زیادہ فروغ پاگئی ہیں۔ ان وجوہات میں سب سے بڑی وجہ جہالت ہے، پھر قرنِ اول سے اس زمانہ کی دوری، پھر بدعت اور سنت کی مخالفت کی طرف دعوت دینے والے داعیان کی کثرت، پھر غیر مسلم اقوام و ملل کے عادات واطوار اور شعائر و روایات کی تقلید بھی اس کی ایک بڑی وجہ ہے، سچ فرمایا تھا رسول اللہ ﷺ نے: ''لَتَتَّبِعُنَّ سَنَنَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ''[1] (تم ضرور گذشتہ قوموں کے طریقوں

[1] البخاری، احادیث الانبیاء (۳۲۶۹)، مسلم العلم (۲۶۶۹)، احمد (۸۴/۳)

کی اتباع ضرور کروگے)

۱۔ جشنِ عیدِ میلاد النبی (ﷺ) منانا:

جشن میلاد النبی (ﷺ) منانا سراسر عیسائیوں کی تقلید ہے اس لئے کہ عیسائی مسیح علیہ السلام کی ولادت کا دن مناتے ہیں[1]۔ اسلام میں یہ چیز نہیں ہے لیکن اکثر جاہل مسلمان اور گمراہ کن علماء ہر سال ماہ ربیع الاول کو میلاد النبی (ﷺ) کے نام سے جشن و جلوس کرنے لگے ہیں۔ بعض لوگ تو اس طرح کے جلسے مسجد ہی میں منعقد کرتے ہیں اور بعض لوگ اپنے گھروں میں یا اس کام کے لئے مخصوص کی گئی جگہوں میں بڑے اہتمام سے منعقد کرتے ہیں۔ جس میں بڑی تعداد میں لوگوں کا ہجوم ہوتا ہے اور یہ سب کچھ نصاریٰ کی تقلید و نقل میں کرتے ہیں۔ نصاریٰ جس طرح سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کی میلاد (کرسمس) مناتے ہیں ٹھیک اسی طرح مسلمان بھی رسول اللہ ﷺ کی میلاد مناتے ہیں اور میلاد کی ہر چیز میں ان کی تقلید کرتے ہیں جب کہ اس طرح کے جشن و جلوس میں بدعت و خرافات اور نصاریٰ کی تقلید ہونے کے علاوہ بھی ہزاروں طرح کے شرکیہ اعمال کئے جاتے ہیں اور منکرات کا ارتکاب کیا جاتا ہے۔ ایسے نعتیہ کلام پیش کئے جاتے ہیں جن میں رسول اللہ ﷺ کے حق میں غلو ہوتا ہے پھر اللہ تعالیٰ کے بجائے آپ ﷺ ہی سے دعائیں مانگی جاتی ہے، اور استغاثہ کیا جاتا ہے، جبکہ خود رسول اللہ ﷺ نے اپنی مدح و تعریف میں غلو کرنے سے منع فرمایا ہے: ''لَا تُطْرُونِي كَمَا

[1] اس بات کا اقرار کے عید میلاد النبی اور کرسمس ایک ہی نوعیت کی عیدیں ہیں خود بریلویوں کے مشہور عالم دین ڈاکٹر طاہر القادری نے عیسائیوں کے ساتھ کرسمس کے موقع پر ایک تقریب میں کیا، جس کی ویڈیو بھی عام دستیاب ہیں۔ (طع)

أَطْرَتِ النَّصَارَى ابْنَ مَرْيَمَ ، إِنَّمَا أَنَا عَبْدٌ فَقُولُوا: عَبْدُ اللهِ وَرَسُولُه"[1] (دیکھو میری تعریف میں غلو نہ کرنا، جس طرح نصاری نے ابن مریم علیہ السلام کی تعریف میں غلو کیا ہے، بے شک میں بندہ ہوں لہٰذا مجھے اللہ کا بندہ اور اس کا رسول کہا کرو) اور کبھی تو ایسی محافل میں مرد وزن کا اختلاط، فسادِ اخلاق اور منشیات بھی عام ہوتی ہیں۔

لفظ "الإطراء" جو حدیث میں آیا ہے اس کے معنی ہے: "الغُلُوّ فی المدح" (مدح و تعریف میں غلو کرنا)، میلاد النبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کے جشن و جلوس میں عموماً لوگ یہی اعتقاد رکھتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بذاتِ خود اس محفل میں تشریف لاتے ہیں[2]، اس کے علاوہ اس کی دوسری برائیاں یہ ہیں کہ ان میں لوگ اجتماعی طور پر نعت خوانی و اناشید (نظم خوانی) کرتے ہیں۔ طبلے وغیرہ بجائے جاتے ہیں اور صوفیوں بدعتیوں کے اذکار و اوراد پڑھے جاتے ہیں۔ اس میں مرد و زن کا اختلاط بھی ہوتا ہے، جس سے فتنہ و فساد پیدا ہوتا ہے، لوگوں کا فواحش میں پڑنے کا پورا خطرہ رہتا ہے، اگر یہ محفلیں ان تمام برائیوں سے پاک بھی ہوں تو بھی لوگوں کا اس بات کے لئے جمع ہونا اجتماعی طور پر کھانا پینا، خوشی و مسرت کا اظہار کرنا ایک بدعت ہے اور دین میں ایک نئی چیز ایجاد کرنا ہے، جب کہ حدیث شریف کے الفاظ ہیں: "وَكُلَّ مُحْدَثَةٍ

[1] تخریج گزر چکی ہے۔

[2] حال ہی میں چکوال، پاکستان میں اہل بدعت خرافیوں نے یہ مشہور کر دیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عید میلاد پر آئے تھے اور اپنے نعلین مبارک کے پر نور نشان چھوڑ گئے! جس جھوٹ کا بھانڈا خود ان کے پڑوسیوں نے کھول دیا تھا، حالانکہ جاہل بد عقیدہ لوگوں کی بڑی تعداد اسے سچ سمجھ کر اب بھی اس کی زیارت و تعظیم کر رہے ہیں، اللہ تعالیٰ ہدایت دے۔ (ط ع)

بِدْعَةٌ وَكُلَّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ"[1] (دین میں ہر نئی چیز بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے) اور آہستہ آہستہ اس طرح کے جلسوں میں منکرات اور برائیوں کا در آنا یقینی بات ہے جیسا کہ عموماً ہوتا ہے۔

ہم یہ بتا چکے ہیں کہ میلاد النبی (ﷺ) منانا ایک بدعت ہے، اس لئے کہ کتاب و سنت، سلف صالحین اور خیر القرون میں اس کی کوئی مثال نہیں ملتی ہے۔ یہ چوتھی صدی ہجری کی پیداوار ہے اور شیعہ فاطمیوں نے اسے ایجاد کیا ہے امام ابو حفص تاج الدین الفاکہانی رحمہ اللہ کا کہنا ہے: (مبارکیوں کی ایک جماعت مجھ سے بار بار پوچھ رہی ہے کہ ماہ ربیع الاول میں جو میلاد النبی (ﷺ) مناتے ہیں کیا دین میں اس کی اصل ہے۔ چونکہ صاف طور پر مجھ سے یہ سوال کیا گیا ہے اس لئے صفائی کے ساتھ میرا جواب ہے کہ کتاب و سنت میں اس کی کوئی اصل نہیں اور نہ ہی ان علمائے کرام سے یہ منقول ہے جو متقدمین کے آثار کو مضبوطی سے تھامے ہوئے ہیں اور ہمارے لئے اسوہ ہیں، بلکہ میرے نزدیک یہ ایک بدعت ہے جسے کچھ بے کار اور کاہل قسم کے لوگوں نے ایجاد کر رکھا ہے اور کچھ کھانے پینے والے نفس پرستوں نے کھانے پینے کا ذریعہ بنا رکھا ہے)[2]۔

اس سلسلہ میں شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ لکھتے ہیں: (آج کل جس طرح لوگ میلاد النبی (ﷺ) مناتے ہیں یا تو نصاریٰ کی دیکھا دیکھی مناتے ہیں، اس لئے کہ نصاریٰ سیدنا عیسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کا یوم ولادت مناتے ہیں یا پھر رسول ﷺ کی محبت و تعظیم میں مناتے ہیں۔ جب کہ نبی کریم ﷺ کی تاریخ پیدائش میں مورخوں اور سیرت نگاروں کے مابین

[1] حدیث کی تخریج گزر چکی ہے۔

[2] رسالة المورد في عمل المولد

اختلاف ہے۔اس طرح کی میلاد ہمارے سلف صالحین نے کبھی نہیں منائی، اگر یہ خیر و بھلائی کی چیز ہوتی تو ہمارے اسلاف کرام ضرور ایسا کرتے۔ اس لئے کہ وہ ہم سے زیادہ رسول اللہ ﷺ کی تعظیم کرنے والے اور آپ (ﷺ) سے محبت کرنے والے تھے، وہ تو آپ (ﷺ) کے احکام کی پیروی اور ایک ایک سنت کو زندہ کرنے کے لئے مر مٹتے تھے، وہ ہم سے زیادہ نیکی کے حریص تھے، یہ اس لئے کہ آپ سے محبت و تعظیم کا ذریعہ وہ آپ کی پیروی و اتباع آپ کی سنتوں کے احیاء، دین اسلام کے فروغ اور دل و زبان اور ہاتھ سے جہاد کو ہی سمجھتے تھے، یہی طریقہ سابقین اولین، مہاجرین و انصار اور ان کے سچے متبعین کا تھا) اختصار سے نقل کیا گیا[1]۔

اس بدعت کی رد میں متعدد کتب و رسائل لکھے گئے ہیں۔ پہلے بھی اور موجودہ دور میں بھی اصل میں میلاد النبی (ﷺ) ایک بدعت ہونے کے علاوہ دوسرے اولیاء و صالحین کی یوم ولادت (برتھ ڈے/عرس) منانے کے راستہ کو کھول دیتی ہے، جس سے شر و فساد کے بہت سے مختلف دروازے کھل جاتے ہیں۔

۲- بعض مقامات، آثار اور زندہ و مردہ اشخاص سے تبرک حاصل کرنا:

مخلوق سے برکت حاصل کرنا بھی ایک سنگین بدعت ہے جو آج کل بہت زوروں پر ہے، دراصل یہ بت پرستی کی ایک قسم ہے۔ یہ ایک ایسا جال ہے جس سے بہت سے مفاد پرست حضرات سیدھے سادے لوگوں کو پھانس کر اپنا پیٹ پالتے ہیں۔

لفظ تبرک کے معنی ہیں: "طلب البركة" (برکت کا طلبگار ہونا) اور برکت کے معنی ہیں: "ثبوت الخير في الشيء وزيادته" (کسی چیز میں خیر و بھلائی میں اضافہ کی

[1] اقتضاء الصراط المستقيم (۲/۶۱۵) تحقيق الدكتور ناصر العقل.

صلاحیت ہونا) خیر و بھلائی کی طلب یا اس میں اضافہ کی خواہش اسی ذات سے درست ہے جو اس کا مالک اور اس پر قادر ہو اور وہ سوائے اللہ سبحانہ کے کون ہو سکتا ہے۔ وہی ذات بابرکت ہے جو برکت نازل فرماتی ہے اور اس کو برقرار رکھتی ہے[1]۔ جہاں تک مخلوق کی بات ہے وہ برکت عطاء کرنے یا اس کو پیدا کرنے اور اس کو باقی و ثابت رکھنے پر قادر نہیں۔ لہٰذا مقامات، آثار اور زندہ و مردہ اشخاص سے برکت حاصل کرنا کسی حال میں جائز نہیں، کیونکہ وہ یا تو شرک ہوگا اگر کسی کا اعتقاد ہو کہ ان میں سے کوئی چیز از خود برکت عطاء کرتی ہے یا پھر وہ شرک کی جانب لے جانے کا ایک ذریعہ و وسیلہ ہوگا اگر کسی کا یہ اعتقاد ہو کہ کسی کی زیارت سے یا کسی کو چھو لینے سے یا کسی کو ہاتھ لگا دینے سے اللہ تعالیٰ کی طرف سے برکت کا حصول ہوگا۔

صحابہ کرام نبی اکرم ﷺ کے موئے مبارک، آپ کے لعاب مبارک اور جسم اطہر سے الگ ہونے والے دیگر چیزوں سے جو برکت حاصل کرتے تھے تو یہ آپ ﷺ کی ذات مبارک کے ساتھ ہی خاص ہے، کیونکہ آپ (ﷺ) کی وفات کے بعد صحابہ کرام نے حجرۂ مبارک، روضۂ اطہر وغیرہ چیزوں سے کبھی بھی برکت حاصل نہیں کی، اور کبھی بھی کسی نے برکت و خیر کی نیت سے ان جگہوں کا قصد نہیں کیا جہاں آپ (ﷺ) نے نماز ادا کی تھی، یا آپ تشریف رکھتے تھے۔ لہٰذا اولیاء و بزرگوں کی جگہوں سے برکت حاصل کرنا تو بدرجۂ اولیٰ ناجائز ہوگا، جب خود رسول اللہ ﷺ کی نشانیوں و آثار سے برکت حاصل کرنا صحیح نہیں ہے۔ اسی طرح آپ ﷺ کی وفات کے بعد نہ کسی صحابی نے برکت حاصل کی، کسی صحابی کے بارے میں یہ ثابت نہیں کہ اس نے غارِ حرا جا کر نماز پڑھی ہو یا دعاء مانگی ہو اور نہ ہی کوہِ طور پر

[1] جیسا کہ فرمایا: "تَبَارَكَ الَّذِي بِيَدِهِ الْمُلْكُ وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ" (الملک: ۱) (بہت بابرکت ہے وہ ذات کہ جس کے ہاتھ میں بادشاہت ہے، اور وہ ہر چیز پر قادر ہے)۔ (ط ع)

گئے ہوں جہاں کہ اللہ تعالیٰ نے سیدنا موسیٰ علیہ السلام سے کلام کیا تھا تا کہ وہاں نماز ادا کریں اور نہ ہی ان کے علاوہ دیگر ان مقامات و پہاڑوں پر گئے ہوں جن کے بارے میں مشہور ہے کہ وہ انبیاء کے نشانات ہیں اور نہ ہی کسی نبی کی قبر پر بنے ہوئے مزار وغیرہ پر گئے ہوں۔

اسی طرح مسجدِ نبوی کی وہ جگہ جہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ نماز ادا فرماتے تھے۔ اس کے متعلق ہمارے اسلاف میں سے کسی کے بارے میں یہ ثابت نہیں کہ انہوں نے اسے چھوا ہو، اس کو بوسہ دیا ہو اور مکہ مکرمہ میں جہاں آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نماز ادا فرماتے تھے وہاں کے بارے میں بھی ایسا کچھ کیا ہو۔ اس سے یہ بات روزِ روشن کی طرح عیاں ہو جاتی ہے کہ جب اس جگہ کو جہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک قدم پڑے ہوں، جہاں آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے نماز ادا کی ہو، شریعت نے اپنی امت کے لئے بابرکت نہیں قرار دیا کہ اسے چھوا جائے، اس سے برکت حاصل کی جائے، اس کا بوسہ دیا جائے، تو پھر کسی غیر کے سلسلہ میں کیسے کہا جا سکتا ہے فلاں نے یہاں نماز پڑھی تھی یا جناب نے یہاں قیلولہ فرمایا تھا وغیرہ، لہٰذا ان جگہوں کو بوسہ دینا باعث برکت ہے، تمام علمائے دین اور امت کے صالح افراد کو یہ بات ایک دینی اٹل حقیقت کے بطور معلوم ہے کہ اس طرح کا کوئی عمل آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت میں سے نہیں ہے[1]۔

۳۔ عبادات اور تقرب الی اللہ کی بابت بدعات:

عصرِ حاضر میں عبادات سے متعلق لوگوں نے جو بدعتیں ایجاد کی ہیں وہ بھی کچھ کم نہیں ہیں۔ جبکہ عبادات تمام کے تمام توقیفی (وحیٔ الٰہی کے تابع) ہیں اس میں حذف و اضافہ اور رد و بدل کے بارے میں غور و فکر کی کوئی گنجائش نہیں۔ کسی قوی دلیل کے ذریعہ ہی اس سلسلہ

(۱) دیکھئے: اقتضاء الصراط المستقیم (۲/ ۷۹۵ - ۸۰۲) تحقیق الدکتور ناصر العقل۔

میں کچھ کہا جا سکتا ہے، بلا دلیل کچھ کرنا ہی بدعت ہے، ارشادِ نبوی (ﷺ) ہے: ”مَنْ عَمِلَ عَمَلاً لَیْسَ عَلَیْهِ أَمْرُنَا فَهُوَ رَدٌّ“ (اگر کوئی ایسا عمل کرتا ہے جس پر ہمارا حکم نہ ہو وہ عمل مردود ہے)

موجودہ غیر شرعی عبادتوں کی چند جھلکیاں

نیتِ نماز کو بلند آواز سے پڑھنا:

مثلاً یہ کہے: (میں فلاں فلاں نماز اللہ تعالی کی خاطر اس امام کے پیچھے پڑھنے کی نیت کرتا ہوں، منہ میرا قبلہ کی طرف) وغیرہ۔ یہ ایک بدعت ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ کی سنت سے یہ ثابت نہیں ہے، نیز اللہ تعالی کا فرمان ہے:

﴿قُلْ أَتُعَلِّمُونَ اللهَ بِدِينِكُمْ وَاللهُ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الأَرْضِ وَاللهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ﴾ (الحجرات: ۱٦)

(ان سے کہو کیا تم اللہ تعالی کو اپنے دین کی تعلیم دے رہے ہو، سکھا رہے ہو!؟ اور اللہ تعالی تو آسمانوں اور زمین کی سب چیزوں سے واقف ہے، اور اللہ ہر شئی کو جانتا ہے (اس لئے زبان سے اسے اپنی نیت بتانے کی حاجت نہیں))

نیت کی جگہ دل ہے اور نیت کرنا سراسر قلبی عمل ہے، زبان سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔

نماز کے بعد اجتماعی ذکر:

ایک بدعت نماز کے بعد اجتماعی ذکر و اذکار ہے، جب کہ سنت یہ ہے کہ ہر شخص سنت سے ثابت شدہ اذکار انفرادی طور پر ادا کرے۔

فاتحہ خوانی:

فاتحہ خوانی بھی ایک بدعت ہے یعنی مختلف مواقع پر فاتحہ پڑھنے کی دعوت، خاص طور پر مردوں کے لئے اور دعاء کے بعد۔

ماتم اور مجالس عزاء:

اسی طرح محفلِ ماتم کا اہتمام، حلوہ، کھچڑا، قاری لوگوں کو اجرت پر بلانا وغیرہ اور یہ سب کچھ یہ سمجھ کر کہ اس سے مردہ کی تعزیت (عزاء داری) ہوتی ہے، یا اس سے مردہ کو فائدہ پہنچتا ہے، یہ سب وہ بدعتیں ہیں جن کی کوئی بنیاد شریعت و سنت میں نہیں اور (علماءِ سوء کے ایجاد کردہ) ایسے طوق اور بوجھ ہیں (جو لوگوں پر لادھ دئے گئے ہیں) جن کی اللہ تعالیٰ نے کوئی دلیل نازل نہیں فرمائی۔

تاریخی ایام میں جشن وجلوس کا اہتمام:

شبِ معراج، ہجرتِ نبوی یا دوسرے تاریخی ایام میں کسی طرح کے جشن و جلوس کا اہتمام کرنا بدعت ہے، شریعت میں اس کی کوئی بنیاد نہیں ہے۔

ماہِ رجب کی بدعات:

اس میں وہ عمل بھی داخل ہے جو ماہِ رجب میں کیا جاتا ہے، مثلاً رجب میں نفل نماز اور نفل روزہ کا خاص اہتمام کرنا (رجب کے کونڈے) وغیرہ، کیونکہ ماہِ رجب کی دوسرے مہینوں کے مقابلہ میں کوئی خاص فضیلت وارد نہیں ہوئی ہے، نہ عمرہ کے اعتبار سے اور نہ ہی نماز، روزہ اور نذر و قربانی کے اعتبار سے اور نہ ہی کسی اور مناسبت سے۔

نصف شعبان کی رات کو نماز اور دن کو روزہ کے لئے مخصوص کرنا:

اس سلسلے میں رسول اللہ ﷺ سے کچھ بھی ثابت نہیں ہے (اور اسی طرح سے شعبان کا حلوہ وغیرہ) (نصف شعبان کی فضیلت سے متعلق ضعیف روایت موجود ہے مگر اس

میں خاص عبادت سے متعلق تو کچھ بھی ثابت نہیں)۔

صوفیہ کے ذکر و اذکار:

ان کی تمام قسمیں سب کی سب بدعت و خود ساختہ اذکار ہیں کیونکہ یہ شریعت کے ذکر و اذکار اس کے طریقہ، ہیئت و اوقات کے مخالف ہیں۔

قبروں کو پختہ کرنا اور ان پر مزار و مساجد کی تعمیر:

اسی طرح قبروں کو پختہ بنانا، ان پر تعمیر کرنا، انہیں مسجد بنا لینا، ان سے برکت کے لئے ان کی زیارت کرنا، مردوں کے وسیلہ سے اللہ تعالیٰ کی قربت حاصل کرنا، ان کے علاوہ دیگر شرکیہ اعمال، عورتوں کا قبرستان جانا وغیرہ، جبکہ رسول اللہ ﷺ نے قبروں کی زیارت کرنے والیوں، قبروں کو مسجد بنانے اور ان پر چراغاں کرنے والوں سب پر لعنت فرمائی ہے۔

بدعت سے متعلق خلاصہ

اخیر میں ہم یہی کہیں گے کہ بدعت کفر کی پیغام رساں ہے (اس کی طرف لے جانے کا ایک ذریعہ ہے)۔ یہ دین میں وہ اضافہ ہے جسے نہ اللہ تعالیٰ نے مشروع فرمایا ہے اور نہ ہی اس کے رسول ﷺ نے۔ بدعت گناہِ کبیرہ سے بھی بدتر ہے اور بدعت سے شیطان اتنا خوش ہوتا ہے جتنا کہ گناہِ کبیرہ سے خوش نہیں ہوتا، کیونکہ گنہگار گناہ کے ارتکاب کے بعد کبھی نہ کبھی توبہ کر سکتا ہے کیونکہ وہ اسے بہر حال گناہ تو تصور کرتا ہے، جبکہ ایک بدعتی بدعت کا مرتکب ہوتے وقت سمجھتا ہے کہ یہ دین میں سے ہے، پھر اس سے اللہ کا تقرب حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ لہٰذا اسے توبہ کی کوئی ضرورت محسوس نہیں ہوتی۔ بدعت کے احیاء سے سنت مٹتی ہے اور بدعتی کے نزدیک سنت اور اہلِ سنت ناپسندیدہ چیز بن جاتے ہیں۔

بدعت بندہ کو اللہ تعالیٰ سے دور کر دیتی ہے، اس کے غضب کو دعوت دیتی ہے، دل میں فساد و زیغ و ضلال کا باعث بنتی ہے۔

بدعتیوں سے ہمارا کیا سلوک ہو؟

بدعتی سے راہ و رسم پیدا کرنا، اس سے گھل مل کر رہنا حرام ہے۔ صرف انہیں راہِ راست پر لانے اور نصیحت اور بدعت کا انکار کرنے کے لئے ایسا کیا جا سکتا ہے، کیونکہ ان سے گھل مل کر رہنے سے برا اثر پڑتا ہے، بدعت کی متعدی بیماری دوسروں تک پہنچ جاتی ہے۔ لہذا ان سے خود بھی بچنا چاہیے اور لوگوں کو بھی ان سے اور ان کی برائیوں سے خبردار کرنا چاہیے۔ ایسا اس وقت کیا جائے گا جب ان پر گرفت و پکڑ کی طاقت نہ ہو، ورنہ ان کی گرفت پر قدرت و طاقت کی شکل میں علمائے اسلام و امرائے حکومت پر واجب ہے کہ بدعت کو پھلنے پھولنے سے سختی کے ساتھ روکیں، بدعتیوں پر پابندی لگا دیں، ان کو برائی سے باز رکھیں، اس لئے کہ اسلام کے لئے وہ زبردست خطرہ ہیں، اس موقع پر یہ بھی یاد رکھنے کی بات ہے کہ کافر حکومتیں اپنے یہاں بدعتیوں کی بڑی ہمت افزائی کرتی ہیں۔ بدعت کو پھلنے پھولنے کا پورا موقع دیتی ہیں۔ مختلف طریقوں سے ان کی مدد کرتی ہیں، کیونکہ اس سے اسلام کا خاتمہ ہوتا ہے اور اس کی صورت بگڑتی ہے۔

ہم اللہ تعالیٰ سے دست بدعاء ہیں کہ وہ اپنے دین کی مدد فرمائے اپنے کلمہ کو بلند فرمائے اپنے دشمنوں کو ذلیل فرمائے اور درود و سلام ہو نبی اکرم ﷺ اور آپ کی آل و اولاد اور صحابہ کرام پر۔

کیا آپ جاننا چاہتے ہیں کہ عقیدہ کسے کہتے ہیں اور اس کی دین میں کیا اہمیت ہے،
عقیدے کے حصول کے مآخذ و مصادر کیا ہیں، عقیدے میں انحراف کی وجوہات کیا ہیں اور ان
کا سد باب کس طرح ممکن ہے۔
کیا آپ جانتے ہیں کہ ہمیں اللہ تعالیٰ، اس کی کتابوں اور اس کے رسولوں پر کس
طرح ایمان لانا چاہیے، توحید کا معنی کیا ہے، اس کی کتنی اقسام ہیں، کلمہ طیبہ کا مطلب، اس کے
تقاضے، شرائط، ارکان و نواقض کیا ہیں۔ عبادت کے معنی و اقسام کیا ہیں، دین کے مراتب کون
سے ہیں اور ان کا آپس میں کیا تعلق ہے۔ وہ کونسے افعال و اقوال و اعتقادات ہیں کہ جن سے
انسان دائرہ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے یا اس کے ایمان میں کمی آتی ہے۔ شرک، کفر، نفاق،
جاہلیت، فسق، گمراہی و ارتداد کی کیا تعریف، اقسام و احکام ہیں۔ علم نجوم، کہانت، جادو گری،
تعویذ گنڈہ، توسل، مزار، عرس میلے کی کیا حقیقت ہے۔ شریعت سازی، قومیت، لسانیت،
عصبیت و مادیت کے کیا مفاسد ہیں۔
سنت کی برکات و بدعت کی ہولناکی کا بیان۔ اہل شرک و بدعت سے ہمارا کیا تعلق
ہونا چاہیے۔ اہل بیت و صحابہ کرام کے متعلق ایک مومن کا کیا عقیدہ و عمل واجب ہے۔ انبیاء،
اہل بیت، صحابہ کرام، اولیاء کرام و آئمہ دین کے بارے میں بلا افراط و تفریط اعتدال کی راہ
کونسی ہے۔ کونسی جماعت برحق ہے کہ جو قرآن و سنت پر سلف صالحین کے طریقے پر گامزن
ہے اور کون سے گمراہ فرقے ہیں کہ جو اس صراط مستقیم سے منحرف ہیں۔
یہ سب جاننے کے لیے اور دین کا بنیادی علم جو کہ ہر مسلمان پر فرض ہے حاصل
کرنے کے لیے اس کتاب کا مطالعہ بے حد ضروری ہے۔
مکتبہ احیاء منہج السلف کراچی
-AZLEE S BOOK
عقیدہ توحید اور اس کے منافی
57258
Rs
Tariq Ali Brohi
Website: www.manhajussalaf.com
Email: manhaj.as.salaf@gmail.com
Cell 03022222479
350